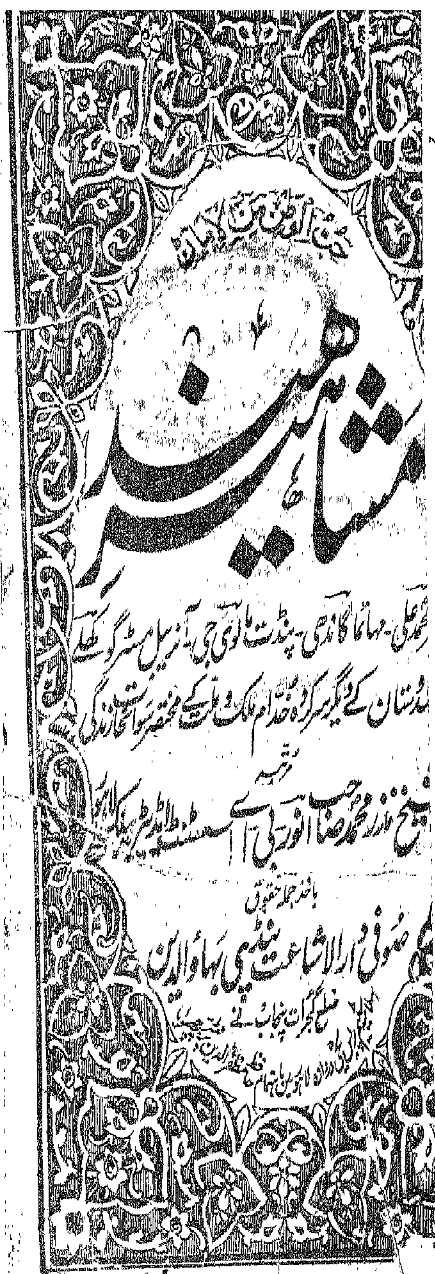


مشاہیر ہند

محمد علی ۔ مہاتما گاندھی ۔ پنڈت مالوی جی ۔ آنریبل مسٹر گوکھلے

ہندوستان کے دیگر سرگروہ خدام ملک و ملت کے مختصر سوانح زندگی

مرتبہ

شیخ نذر محمد صاحب انور بی اے اسسٹنٹ ایڈیٹر

صوفی دار الاشاعت پنڈی بہاؤ الدین

ضلع گجرات پنجاب نے




M A
RY
BRA

تمہید

جب سے کہ نوع انسان نے تہذیب و تمدن کے میدان میں قدم رکھا ہے اور
جب سے اہل ہمت اشخاص نے قوت بازو، میدان جنگی اور تدبیر [illegible] سے اپنے معاصرین
میں امتیاز و سبقت حاصل کرنے کا شیوہ اختیار کیا ہے۔ مشاہیر پرستی ہماری زندگی کا ایک
جزو لاینفک بن گئی ہے۔ روحانیت میں ترقی کرنے والے اشخاص اولیاء و انبیاء کے نام
سے موسوم ہوئے۔ رسم و رواج اور قانون سازی میں شہرت حاصل کرنے والے حضرات
کو لوگوں نے مصلح، منتظم اور ریفارمر کے لقب سے یاد کیا۔ سیاسیات میں دسترس رکھنے
والے افراد سیاستدان کہلائے۔ جسمانی قوت کے مالک پہلوان اور سپہ سالار [illegible] بنے
اور [illegible]۔ ہر ایک شخص نے اپنے ابنائے وطن میں ہر دلعزیز بن کر اپنی زندگی کے
مقاصد کو پورا کیا۔ یہ افراد و اشخاص گو دنیا میں اپنی ہستی کو ختم کر چکے ہونگے۔ مگر زمانہ میں
ان کی یادگار آج تک [illegible] ہے۔ [illegible] ہزاروں میں سے کوئی
[illegible] زندگی کے نمایاں کارنامے
[illegible]
[illegible]
[illegible] ان کا نام [illegible] زبان [illegible]
[illegible] علیہ الصلوٰۃ والسلام [illegible]

سری کرشن جی مہاراج۔ مہاراجہ رام چندر جی کا وجود ظاہری گو آج ہماری انگاہوں
سے پنہاں ہے مگر ان کا نام ہماری زبان پر اور اُن کی محبت ہمارے دلوں پر قبضہ کئے
ہوئے ہے۔ یہ مقدس ہستیاں اپنے اپنے وقت معین پر نشو ونما پاکر اپنے قوت بازو اور
تائید ایزدی سے اہلِ دُنیا کے لئے موجب برکت اور باعثِ بشارت بنیں۔ اُنہوں نے
اپنے ابنائے وطن کی خدمت کی۔ اُن کے دکھ درد کو دُور کیا۔ اور غم میں انکی دلجوئی کی۔ وہ
مجازی منزلوں کی ظلمت میں انکے لئے چراغ ہدایت بنیں۔ دریائے یاس کے طوفان میں
انھوں نے ڈوبتوں کو بچایا اور تیرنے والے اشخاص کو کنارا امید دکھایا۔ آج اگرچہ یہ مشاہیر
عالم بتقاضائے قانونِ قدرت شہباز اجل کے چنگل سے نہیں بچ سکے۔ لیکن وہ گاہ و بیگاہ
ہر کس و ناکس کے راستہ پر چراغ ہدایت بنکر آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں۔ اور
باد فنا کا تُند سے تُند جھونکا بھی ان کی روشنی کو مدہم نہیں کرسکتا۔

مشاہیر اسلام اور مشاہیر عالم کے نام سے کئی کتابیں ایسی شائع ہوچکی ہیں جن
میں مختلف مذہب و ملّت اور ملک و قوم کے پیغمبروں۔ ریفارمروں۔ پولیٹیکل لیڈروں۔
فاتحوں۔ مجتہدوں۔ شہیدوں۔ ناخداؤں۔ موجدوں غرضیکہ ہر دور کے جملہ ماہرین علم
و ہنر اور اربابِ ہمم کی زندگی کے سوانحات قلمبند کئے گئے ہیں وہ جن کے مطالعہ سے یہ
پایا جاتا ہے۔ کہ ان مشاہیر کو اپنی زندگی میں ہر قسم کی مشکلات پیش آئیں۔ اُنھوں نے محنت
شاقہ اور مشقت و فاقہ کی زحمت و صعوبت برداشت کی۔ مخالفین و معترضین کی مخالفت کا
سامنا کیا۔ اور آخر کار شجاعت و شہامت سے اپنے ارادوں میں بعض اپنی زندگی میں اور
بعض بعد وفات نمایاں طور پر کامیاب ہوئے۔ دُنیا کے لوگوں نے ان کی عزت کی۔
ان کے اصولوں کو سر اور آنکھوں پر رکھا۔ ان کے اقوال کی توقیر اور ان کے افعال
کی تقلید کی۔ مگر ہندوستان کے ان مشاہیر کی جو چودھویں صدی کے تلاطم سمندر میں
جہازِ ملک و ملّت کے ناخدا مانے گئے ہیں۔ آج تک زبان اُردو میں کوئی سوانح عمری

نہیں لکھی گئی تھی۔ اور میری یہ دیرینہ خواہش تھی۔ کہ مشاہیر ہند کے نام سے
بھی کوئی کتاب شائع ہو جس میں مہاتما گاندھی جیسے اولوالعزم۔ پنڈت مالوی جی
جیسے باہمت اور سر رابندرناتھ ٹیگور جیسے صاحب تخیل و تفکر کا تذکرہ مندرج ہو۔
چنانچہ میرے ایما پر پروفیسر طور محمود کے بھائی شیخ نذر محمد انور بی۔ اے
اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار پبلک لاہور نے مشاہیر ہند کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب
صوفی کے کتب خانہ کے لئے لکھ کر ارسال کی ہے۔ اور میری یہ خواہش ہے۔
کہ میں اب یہ کتاب ہندوستان کے اردو خوان طبقہ کی معلومات میں اضافہ کرنے کے
لئے شائع کروں۔ تاکہ وہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہندوستان کے اُن فرزندانِ
ارجمند کی زندگی کے زرین کارناموں کو معلوم کریں۔ جنہوں نے وطن پرستی اور
قومی ہستی کی اصلاح و فلاح کے لئے ہمہ تن ایثار ہو کر اپنا قیمتی وقت قومی اور
ملکی خدمت میں بسر کیا۔ یہ لوگ محض اپنی قوت بازو سے زندگی کے اعلےٰ مدارج
و مراتب پر پہنچے۔ عوام میں ان کی قدر و منزلت ہوئی۔ حکام نے اُن کی عزت
کی۔ قوم کے خادم بنے۔ اور خدمت میں تاج فضیلت پایا۔ ڈاکٹر نوروجی کے
نام کو ہندوستان کے لوگ صدیوں تک یاد رکھیں گے۔ مہاتما گاندھی کا نام مدتوں
تک ہندوستان میں توقیر و عزت کا مرجع ہوگا۔ پنڈت مالوی جی کی خدمات کو
کون بھلا سکتا ہے؟ ڈاکٹر ٹیگور شاعری کے برج الکمال پر بدر کمال بن کر چمکیں گے۔
اور ان کی علمی آب و تاب کو کون مٹا سکتا ہے؟ پنڈت تلک نے اپنی عمر ملک کی
خدمت میں بسر کی اور ان کی یاد ہندوستانیوں کے دل سے کب محو ہو سکتی ہے
جسٹس طیب جی قابلیت و فضیلت کا مجسمہ تھے۔ اور اس سے کس کو انکار ہو سکتا
ہے؟ مسٹر سپرو جی کی فصاحت و بلاغت کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے؟ مسٹر گوکھلے
کے ایثار کی ہندوستان جدید میں کہاں نظیر مل سکتی ہے؟ اور مسٹر جناح جیسا

قوم پرست شخص ہندوستان میں کہاں ملتا ہے۔ مولانا آزاد جیسا حق پسند وہ بشر کی کوئی عزت نہیں کریگا۔ مسز سروجنی دیوی کی شخصیت کی مثال اس زمانہ میں کہاں مل سکتی ہے؟ اور مسٹر محمد علی جیسا حریت پسند شخص کہاں مل سکتا ہے؟ یہ اصحاب امن کے حامی سلطنت کے خیر خواہ۔ قوم کے ہمدرد اور ملک کے فدائی ہیں۔ اور امید ہے کہ ان کی زندگی کے کارنامے آنے والی نسلوں کے لئے باعث تقلید و توقیر ہونگے ۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں مسٹر انور اور مولوی منظور حسین صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل حیدر آباد دکن کا خاص طور پر ممنون ہوں۔ کہ ان ہر دو اصحاب میں سے مسٹر انور نے ہم عصر مشاہیر کے حالات مرتب کئے۔ اور وکیل صاحب موصوف نے مسٹر محمد علی کی سوانح عمری عطا فرمائی۔ امید ہے کہ پبلک اس کتاب کی قدر دانی کر کے نوجوان مؤلف مسٹر انور کی خاص طور پر حوصلہ افزائی کریگی۔ کیونکہ تصنیف و تالیف کے میدان میں ان کی یہ پہلی کوشش ہے ۔

پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات
یکم دسمبر ۱۹۲۹ء

الملتمس
محمد اکرم خان صوفی

۷۸۶

عرض حال

میرے مہربان مکرم ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی کا دیر سے تقاضا تھا۔ کہ میں ان کی لائبریری کے لئے کوئی کتاب لکھ کر ان کی نذر کروں۔ چنانچہ ان ایام میں جبکہ ہندوستان میں بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص مہاتما گاندھی اور پنڈت مالوی جی کی تعریف کے زمزمے لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ میں نے بھی مناسب سمجھا۔ کہ ان مشاہیر ملک کی زندگی کے مختصر حالات مرتب کر کے کتابی صورت میں پبلک کے سامنے پیش کئے جائیں۔ تاکہ ناظرین زندگی کے صحیح منشاء و مقصد کو سمجھیں۔ اپنے لیڈروں کے کارناموں کو دیکھیں۔ اُن کی تقلید کر کے اپنی اصلاح کریں۔ اپنے ابنائے وطن کی اصلاح میں کوشاں اور ملک کی فلاح کے خواہاں ہوں۔ حکومت و ملت کی خدمت کریں۔ ایثار کو اپنا شیوہ بنائیں۔ اور سلطنت کے حقیقی شہری کہلانے کا مستحق بنیں +

میں خود تو تصنیف و تالیف کے میدان میں داخل ہونے سے

ترساں ولرزاں تھا۔ مگر ملک محمد الدین صاحب نے مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کے لئے ایسا مجبور کیا۔ کہ آخر مجھے کچھ نہ کچھ انگلی نذر کرنا پڑا۔ امید ہے۔ کہ ناظرین اس کتاب کو دلچسپی سے مطالعہ فرمائینگے اور میرے حق میں دعائے خیر کرینگے۔ والسلام ؁

احقر آنور سیالکوٹی

اسسٹنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۱۹ء

حالاتِ مسٹر محمد علی

گذشتہ چند سال کے عرصہ میں مسلمانانِ ہند کے سیاسی خیالات اور معتقدات میں جو حیرت انگیز اور عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا۔ کہ ایک بڑی حد تک یہ سب کرشمہ چند زبردست اور طاقتور شخصوں کے اثر کا نتیجہ ہے۔ ان چند لوگوں میں جو اس انقلاب کا باعث ہوئے ہیں مسٹر محمد علی بی۔ اے (آکسن) اڈیٹر "کامریڈ" و "ہمدرد" کو نہایت نمایاں اور ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ جو لوگ ایک پوری قوم پر اپنے خیالات کا عکس ڈالنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ حقیقت میں غیر معمولی قابلیت کے انسان ہوتے ہیں اور ان کے حالات و واقعاتِ زندگی سے واقفیت بہم پہنچانا کسی طرح خالی از فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی خیال سے سطور ذیل میں مسٹر محمد علیؒ کے حالاتِ زندگی مختصراً سپردِ قلم کئے جاتے ہیں۔ اور اُمید کی جاتی ہے۔ کہ وہ ناظرین کے لئے باعثِ دلچسپی ہونگے ؛

مسٹر محمد علی کے آبا و اجداد دراصل مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ لیکن اُن کے دادا علی بخش خاں نے بہ تعلق ملازمت رامپور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ریاست رامپور میں وہ نواب یوسف علیخاں بہادر اور نواب کلب علیخاں بہادر کے عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز تھے نواب یوسف علیخاں بہادر کے عہد حکومت میں وہ معاملات ریاست میں اتنے دخیل تھے۔ کہ بعض سرکاری کاغذات میں اُن کو نواب بہادر کے دائیں ہاتھ سے موسوم کیا گیا ہے۔ غدر کے پُر آشوب اور نازک ایام میں والی رامپور اور علی بخش خاں نے انگریزوں کو جو سخت خطرہ میں گھر

گئے تھے نہایت بیش قیمت مدد دی۔ فتنہ و فساد کے فرو ہونے پر برٹش گورنمنٹ کی جانب
سے علی بخش خاں کو ضلع مراد آباد میں ایک معقول جاگیر بطور صلہ خدمات عطا
ہوئی *

علی بخش خاں کے فرزند عبدالعلی خاں بھی جو مسٹر محمد علی کے والد ماجد تھے۔
ریاست رام پور میں اعلٰے عہدوں پر فائز رہے اور ان کے علاوہ دوسرے اراکین
خاندان بھی اس ریاست ابد مدت کے زمانہ قدیم سے نمکخوار تھے اور اب تک ہیں
عبدالعلی خاں کے چھ بچے تھے جن میں سب سے چھوٹے مسٹر محمد علی ۱۸۷۸ء میں
پیدا ہوئے۔ ابھی مسٹر محمد علی کی عمر پورے دو سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ
ان کے والد ماجد نے عین عنفوان شباب میں ۳۲ سال کی عمر میں عارضہ ہیضہ سے انتقال
کیا۔ اور مسٹر محمد علی مدت العمر کے لئے شفیق باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم
ہو گئے *

عبدالعلی خاں کی ناگہانی وفات پر ان کے ننھے ننھے بچوں کی تعلیم و تربیت
اور پرورش و پرداخت کا بار ان کی نوجوان بیوہ آبادی بانو کے سر پڑ گیا۔ ایک
نوجوان ہندوستانی عورت کے لئے جو اس اعلٰی تعلیم سے بھی قطعاً بے بہرہ
ہو۔ جو بعض ترقی یافتہ ممالک کی عورتوں کو میسر ہے۔ چھ خورد سال بچوں کو زیور
تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا بہت دشوار کام تھا۔ خصوصاً اس حالت میں
جبکہ گذر اوقات کے لئے کافی جائداد موجود ہو ایک غیر تعلیم یافتہ ہندوستانی
عورت بہت شاذ اتنی دانشمندی کا اظہار کرتی ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کو اعلٰے
قسم کی تعلیم دلائے۔ ایسی عورتیں بالعموم اپنے بچوں کا بے جا لاڈ و ناز برداری
کر کے ان کو بالکل ناکارہ کر دیتی ہیں۔ لیکن آفرین ہے مسٹر محمد علی کی والدہ ماجدہ
پر کہ انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے اہم فرض کو اس لیاقت اور

خوش سلیقگی کے ساتھ انجام دیا کہ ان کی سب اولاد لائق ہو کر نکلی اور ان میں سے دو یعنی مسٹر محمد علی و مسٹر شوکت علی نے جو نام پیدا کیا وہ اظہر من الشمس ہے +

یہ علیگڈھ کالج کا ابتدائی زمانہ تھا اور متعصب حلقوں میں سرسید کی مخالفت کا جو طوفان برپا تھا - وہ ابھی تک فرو نہیں ہونے پایا تھا - ابھی تک انگریزی تعلیم حاصل کرنا کفر کے مترادف سمجھا جاتا تھا - اس لئے جو لوگ انگریزی تعلیم کی جانب رخ کرتے تھے - وہ ایسے قوی دل کے لوگ ہوتے تھے جو سوسائٹی کی بے جا طعن و تشنیع کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے - ایک ۲۷ سال کی نوجوان بیوہ سے کون شخص اتنی قوت ارادہ اور دانشمندی کی توقع رکھتا تھا - کہ وہ سوسائٹی کے اثر سے مرعوب نہ ہو کر اپنے بچوں کو انگریزی تعلیم دلائیگی - اور وہ بھی کہاں کفرستان علی گڈھ میں لیکن مسٹر محمد علی کی والدہ کو قدرت سے ایک غیر معمولی دل و دماغ عطا ہوا تھا - اس لئے انہوں نے بلا خوف طعن و تشنیع اپنے بچوں کو حصول تعلیم کے لئے علیگڈھ کالج میں داخل کرا دیا +

مسٹر محمد علی علیگڈھ کالج کے ایک نہایت نامور فرزند ہیں - زمانۂ طالب علمی ہی میں انہوں نے اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کا سکہ ہر کس و ناکس کے دل پر بٹھا دیا تھا - اور آن کا شمار کالج کے نہایت ممتاز طلبہ میں ہوتا تھا - مضمون نگاری کا شوق بھی ان کو اسی زمانہ سے ہے - بورڈنگ ہوس کی زندگی میں وہ نہایت نمایاں حصہ لیتے تھے - اور انہوں نے اور آن کے برادر معظم مسٹر شوکت علی نے بحیثیت طلبہ میں جو ہر دلعزیزی حاصل کی - وہ بمشکل کسی دوسرے شخص کو حاصل ہوئی ہوگی - اپنی مادر علمی کے ساتھ مسٹر محمد علی کو جو گہری محبت اور عقیدت ہے - اس سے ہر شخص واقف ہے - یہ محبت کی آگ اسی زمانۂ طالب علمی کی لگی ہوئی ہے جو انسداد زمانہ کے ساتھ بجائے

سرد ہونے کے تیز تر ہوتی جاتی ہے ۔

مسٹر محمد علی علیگڈھ سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۸۹۸ء میں انڈین سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شرکت کے ارادہ سے راہی انگلستان ہوئے۔ انگلستان میں ان کا قیام چار سال یعنی ۱۸۹۸ء سے لیکر ۱۹۰۲ء تک رہا۔ انہوں نے اپنی تعلیم کے لئے شہرۂ آفاق درسگاہ آکسفورڈ یونیورسٹی کو منتخب کیا۔ اپنے چار سالہ قیام آکسفورڈ میں انہوں نے انگریزوں کے طرز معاشرت اور انگریزی لٹریچر سے نہایت گہری واقفیت بہم پہنچائی ۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کو انگریزی زبان پر وہ غیر معمولی قدرت اور عبور حاصل ہو گیا۔ جو خود اہل زبان سے خراج تحسین وصول کرتا ہے ۔ وہ یونیورسٹی کے سوشل معاملات میں نمایاں حصہ لیتے تھے اور اپنے کالج کے ایک ہر دلعزیز طالب علم سمجھے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں بعض انگریزوں کے ساتھ ان کی نہایت گہری دوستی ہو گئی جو اس وقت تک قائم ہے ۔

انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ماڈرن ہسٹری (تاریخ جدیدہ) میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی ۔ وہ سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہوئے لیکن ناکام رہے جیسا کہ آگے چلکر زمانہ نے بتلا دیا۔ اس ناکامی میں کارکنان قضا و قدر کی بڑی مصلحت پوشیدہ تھی۔ اگر وہ سول سروس کے امتحان میں کامیاب ہو جاتے تو وہ بیشک ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہوتے ۔ اور ان جیسی قابلیت کے شخص کے لئے میدان ملازمت میں اعلےٰ ترین مراتب پر فائز ہونا کچھ مشکل نہ ہوتا۔ لیکن یہ ترقی محض انکی ذات کے لئے مفید ہوتی۔ اور وہ نشۂ حکومت میں سرشار ہو کر اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں کے جذبات اور ضروریات سے اتنے بیگانہ ہو جاتے کہ شاید ان سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے

مگر قدرت نے اُن کو مذہب اور وطن کی خدمت کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اس لیے
امتحانِ سِول سروس کی ناکامیابی درحقیقت اُن کے لئے بڑی خیر و برکت اور
فوز و فلاح کا موجب تھی ؎

انگلستان سے واپسی پر بھی اُن کو کچھ عرصہ تک اپنا مقصودِ اصلی ہاتھ
نہ آیا۔ وہ الہ آباد ہائیکورٹ کے امتحانِ وکالت میں شریک ہوئے لیکن چند نمبروں
کی کمی سے ناکامیاب رہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر وہ امتحانِ وکالت میں کامیاب
ہو کر پیشۂ وکالت انجام دینے لگتے۔ تو بہت تھوڑے عرصہ میں وہ اس پیشہ میں
بے انتہا شہرت اور دولت حاصل کر لیتے۔ کیونکہ اُن کا دماغ اس کام کے لئے
بے حد موزوں معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں بھی خدمتِ ملک و ملت کے مواقع
محدود ہو جاتے اور اُن کا وجود قوم و ملک کے لئے اِتنا مفید ثابت نہ ہوتا
جتنا کہ اب ہوا ہے۔ وہ کچھ عرصہ تک ریاست رامپور میں محکمۂ تعلیمات کے
ناظم رہے۔ اور اس کے بعد بڑودہ میں تعلق ملازمت پیدا ہو گیا ؎

ریاست بڑودہ میں وہ کئی اعلےٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اور ہر خدمت
کے فرائض اُنھوں نے نہایت خوش اسلوبی اور قابلِ اطمینان طریقہ پر انجام
دِئے۔ کچھ عرصہ تک اُنھوں نے محکمۂ افیون میں کام کیا اور اُن کے زمانہ میں
اُس کا منافع بیس گنا ہو گیا۔ اِسی طرح ہر کام میں اُنھوں نے اپنی اعلےٰ انتظامی
قابلیت کا ثبوت دیا۔ اور رعایا اور حکمران دونوں کی خوشنودی حاصل کی ؎

مہاراجہ صاحب بڑودہ اُن پر نہایت عنایت کی نظر رکھتے تھے
اور اگر مسٹر محمد علی کچھ زیادہ عرصہ تک بڑودہ میں قیام کرتے۔ تو ریاست کے
اعلےٰ ترین عہدوں پر اُن کا پہونچنا کچھ بھی داخلِ تعجب نہ تھا۔ لیکن ایک عرصہ
تک اِدھر اُدھر سرگرداں پھرنے کے بعد مسٹر محمد علی نے اپنی زندگی کے مقصدِ اصلی

کو پالیا۔ اور بالآخر اس نے ترک ملازمت پر مجبور کیا۔ وہ دو سال کی رخصت لیکر
کلکتہ کو روانہ ہوگئے۔ تاکہ اپنا ذاتی اخبار "کامریڈ" نکالیں۔ اور اس ذریعہ سے
حسب خواہش دلی خدمت ملک وملت میں مصروف ہوں۔ اسی زمانہ میں
نواب صاحب جاورہ اور سر مائیکل اڈوائر نے جو اب پنجاب کے لفٹننٹ گورنر
ہیں اور اس وقت پولیٹکل ایجنٹ تھے مسٹر محمد علی کو باصرار تمام ریاست جاورہ
کی وزارت کا عہدہ پیش کیا۔ لیکن مسٹر محمد علی اجرائے اخبار کا مصمم عہد
کرچکے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس اعلےٰ عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔

اجرائے "کامریڈ" کے بہت قبل مسٹر محمد علی مختلف اخبارات میں
مضمون نگاری کیا کرتے تھے۔ اور ان کے مضامین خاص وقعت کی نگاہ سے
دیکھے جاتے تھے جس زمانہ میں وہ ریاست بڑودہ کے رشتہ ملازمت میں منسلک
تھے انہوں نے "ٹائمز آف انڈیا" میں ایک سلسلہ مضامین لکھا تھا جو
بعد میں "تھاٹس آن پریزنٹ ڈسکنٹنٹ" (موجودہ بے چینی پر خیالات)
کے عنوان سے علیحدہ رسالہ کی شکل میں طبع ہوئے۔ ان مضامین میں انہوں
نے اس وقت کے اہم مسائل سیاسیات ہند پر رائے زنی کی تھی۔ اور یہ کل
مضامین شاید صرف ایک شب میں سپرد قلم کئے گئے تھے۔ یہ مضامین بہت
شوق اور پسندیدگی کے ساتھ مطالعہ کئے گئے۔ یہاں تک کہ خود لارڈ منٹو نے انکی
مدح سرائی کی۔ علاوہ اس کے وہ اکثر اوقات "ٹائمز آف انڈیا" میں
مختلف مسائل پر مضمون لکھتے رہتے تھے۔ جن کو اخبار مذکور کے کالموں
میں اعزازی جگہ ملا کرتی تھی۔ "ٹائمز آف انڈیا" ہندوستان کا ایک نہایت
سر بر آوردہ اور ثقہ انگریزی اخبار ہے۔ اس میں کسی ہندوستانی کے
مضمون کو اس وقت تک جگہ نہیں ملسکتی جب تک کہ وہ مضمون ادبی نقطہ

نگاہ سے انگریزی انشا پردازی کا بہترین نمونہ نہ ہو مسٹر محمد علی کو انگریزی انشاپردازی
میں جو ملکہ ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ انکے مضامین اس مقتدر پرچہ
میں بھی نہایت شوق سے قبول کئے جاتے تھے۔ اور بعض اوقات اُن کو لیڈنگ
آرٹیکل کے کالموں میں جگہ دی جاتی تھی۔ اسی طرح "انڈین اسپکٹیٹر" اور
"ہندوستانی ریویو" کے صفحات میں بھی انکے مضامین نہایت وقعت کے ساتھ
شائع ہوتے تھے۔ علاوہ ان کے وہ دوسرے انگریزی اور اُردو اخبارات
میں بھی مختلف مضامین پر خامہ فرسائی کرتے تھے۔ بالخصوص علیگڈھ کالج کے
حالات پر۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اجرائے "کامریڈ" کے بہت قبل انکے
دل میں یہ چنگاری سُلگ رہی تھی۔ کہ قدرت کی فیاضی سے انشا پردازی کا
جو لاثانی ملکہ اُن کو ملا ہے۔ اس سے خدمت ابنائے وطن میں کام لیا جائے
بالآخر یہ آگ بھڑک اُٹھی۔ اور اُنہوں نے یہ ارادہ کرلیا۔ کہ خدا کی دی ہوئی طاقتوں
سے کام لینا چاہیئے۔ اور جس طرح سے ہوسکے۔ خدمت مُلک و ملّت میں
مصروف ہوجانا چاہیئے۔ ریاست بڑودہ میں دُنیاوی ترقی کے جو وسیع
مواقع حاصل تھے۔ اُن کو ترک کرکے وہ اجرائے اخبار کے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی
غرض سے کلکتہ روانہ ہوگئے۔

کلکتہ میں جب تمام انتظامات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے۔ تو بالآخر ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء
کو "کامریڈ" کا پہلا پرچہ بصد آب و تاب شائع ہوا۔ اس پرچہ میں اُنہوں نے
اپنے اخبار کے اغراض و مقاصد پر حسب ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

"ہم کسی کے جانب دار نہیں ہیں اور سب کے ساتھی ہیں۔ ہم مختلف اقوام
اور مختلف مذاہب کے روز افزوں اختلافات کے خطرات کو بخوبی محسوس
کرتے ہیں۔ اور ہماری دِلی آرزو یہ ہے۔ کہ ہندوستان کے سیاسی نظام کے

مختلف اجزاء میں بہتر تعلقات پیدا ہوں" اسی طرح راعی و رعایا کے تعلقات کی نسبت اُن کی آرزو یہ تھی۔ کہ ان دونوں کے مابین جو مابہ الامتیاز خط حائل ہے وہ بالکل محو ہو جائے اور شاعر کا یہ خواب پورا ہو جائے کہ ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مسٹر محمد علی کا منشاء یہ تھا۔ کہ جہاں ایک طرف اپنی قوم کے خاص حقوق کی حفاظت کریں۔ وہاں ہندوستان کی مختلف قوموں کے مابین رشتۂ اتحاد و اتفاق کو ترقی دیں۔ اور گورنمنٹ کے افعال پر نیک نیتی کے ساتھ نکتہ چینی کریں تاکہ راعی و رعایا کے تمام امتیازات یکسر محو ہو جائیں۔ اور ہندوستانی انگریزوں کی حکومت کو خود اپنی حکومت سمجھنے لگیں۔

"کامریڈ" کے پہلے پرچہ ہی سے ہونہاری کے آثار ہویدا تھے ہندوستان کی اسلامی صحافت کی تاریخ میں اس شان کا کوئی پرچہ نہ نکلا تھا۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ وہ تمام ہندوستانی صحافت کے لئے مایۂ ناز اور باعث فخر تھا۔ اس کے معاصرین نے فوراً یہ محسوس کر لیا کہ ہم میں ایک ایسے رُکن کا اضافہ ہوا ہے جس کی کسی مسئلہ میں موافقت ہمارے لئے بے انتہا تقویت کا موجب ہوگی۔ اور جس کی مخالفت آسان کام نہ ہوگا۔ کلکتہ میں کسی جدید اخبار کا قدم جمانا بہت مشکل کام تھا کیونکہ علاوہ کئی مؤقر اینگلو انڈین پرچوں کے دو نامور پرچے یعنی "بنگالی" اور "امرتا بازار پترکا" خاص ہندوستانیوں کے موجود تھے جو نہایت قابل اور کہنہ مشق اڈیٹروں کی زیر ادارت شائع ہوتے تھے مسٹر محمد علی کو اپنی اخبار نویسانہ حیثیت میں سب سے پہلے اِن دو پرچوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اپنی قوم کے خاص حقوق اور مقاصد کی حفاظت کرتے ہوئے مسٹر محمد علی کو "بنگالی" اور "امرتا بازار پترکا"

کے ساتھ میدان صحافت میں نبرد آزمائی کرنی پڑی اور دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ یہ نوخیز
اخبار نویس ہر طرح بنگالیوں کے بہترین دماغوں کی ہمسری کر سکتا ہے۔ اور اس
کو مسٹر سریندر ناتھ بینرجی اور مسٹر موتی لال گھوش جیسے کہن سال اور دیرینہ مشق
اخبار نویسوں سے برابر کا مقابلہ کرنے میں ذرہ بھی باک نہیں ہے۔ اسی طرح مسٹر محمد علی
کو اینگلو انڈین پرچوں کے ساتھ بھی معرکۃ الآرا مقابلے کرنے پڑے۔ اور ان سب
میں انہوں نے اپنی اعلیٰ قابلیت اور حاکمانہ شخصیت کا سکہ جما دیا۔ بہت تھوڑے
عرصہ میں "کامریڈ" کو موافق و مخالف ہر قسم کے حلقوں میں غیر معمولی شہرت اور
اثر حاصل ہو گیا۔ اس کے مضامین جہاں ایک طرف پبلک میں نہایت دلچسپی سے
پڑھے جاتے تھے۔ وہاں دوسری جانب اعلیٰ حکام بھی انکو نہایت غور اور شوق
سے دیکھتے تھے۔ لارڈ ہارڈنگ۔ سر جیمس مسٹن اور گورنمنٹ ہند کے دیگر ممتاز
اراکین نے اکثر "کامریڈ" کے مضامین کی مدح سرائی کی ہے۔ ان مضامین
کی سب سے دلچسپ خصوصیت تو وہ بے نظیر انشا پردازی ہوتی تھی۔ جو مسٹر محمد علی
کا خاص انداز ہے۔ اسی کے ساتھ دلائل کی قوت اور کہیں کہیں مذاق اور ہجو ملیح کی
چاشنی ان کو بہت زور دار اور پر لطف بنا دیتی تھی +

تقریباً دو سال تک کلکتہ میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھلانے کے بعد مسٹر محمد علی
نے تبدیلی دارالسلطنت کے ساتھ ساتھ اپنا دفتر بھی کلکتہ سے دہلی کو منتقل کر دیا۔
دہلی کی آب و ہوا راس نہ آئی اور مشکلات کا وہ باب شروع ہو گیا جس نے بالآخر
کامریڈ کو کم از کم عارضی طور پر معدوم کر دیا۔ تقسیم بنگالہ کی منسوخی سے مسلمان تعلیمیافتہ
نوجوانوں کے خیالات میں ایک ہیجان عظیم پیدا ہو گیا۔ اور وہ اس امر پر غور کرنے
لگے کہ جب ہماری مسلسل وفاداری کے باوجود دوسری اقوام کے مقابلہ میں گورنمنٹ
ہمارے مفاد کو مد نظر رکھنا پسند نہیں کرتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہم سیاسی

معاملات میں اپنے دیگر برادران وطن کی ہمنوائی کرنے لگیں۔ ابتک ہندوؤں سے
علیحدگی اسی بنا پر تھی کہ اس طرح ہم اپنے خاص اغراض و مقاصد کو گورنمنٹ سے
تسلیم کرالیا کرتے تھے۔ لیکن جب گورنمنٹ ہمارے مفاد کو مدنظر نہیں رکھ سکتی ہے
تو پھر علیحدہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے اور ہم کو کانگریس کے مطالبات میں شریک
ہو جانا چاہیئے۔ یہ خیالات دماغوں میں چکر ہی لگا رہے تھے۔ کہ عالم اسلامی میں
وہ پُرآشوب دَور شروع ہوگیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دِل رنج و غم سے
لبریز ہوگئے۔ اور ان کے خیالات میں سخت ہیجان برپا ہوگیا۔ انہی خیالات سے
مسٹر محمد علی بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کی ہمدردی اور حمایت
میں زوردار مضامین شائع کرنے شروع کئے۔ × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × ×

مسٹر محمد علی نے جس وقت سے اخبار نویسی کی زندگی میں قدم رکھا تھا۔ اُن کا
خیال تھا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے انگریزی اخبار کے ساتھ قوم کو ایک عمدہ اُردو اخبار کی

بھی ضرورت ہے۔ انگریزی اخبار تو صرف ایک محدود طبقہ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس کا اصلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکام وقت کو رعایا کے خیالات اور جذبات سے آشنا کیا جائے۔ لیکن رعایا کے جذبات و خیالات کی ترجمانی کے علاوہ اس امر کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ خود رعایا کو مہمات مسائل کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ اور ان کو صحیح رائے قائم کرنے کی تعلیم دی جائے۔ یہ ضرورت یوں تو ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔ لیکن ہندوستان میں چونکہ آبادی کا بڑا حصہ سیاسی مسائل سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو صحیح تعلیم کی بے حد ضرورت ہے۔ یہ مقصد انگریزی اخبار کے ذریعہ سے کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے لئے ضرورت ہے۔ کہ خود ملک کی زبان میں کوئی اخبار شائع ہو۔ چنانچہ انہوں نے دہلی پہونچ کر ایک اعلیٰ قسم کا اُردو روزنامہ نکالنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اسی سلسلہ میں انہوں نے اُردو زبان پر وہ عظیم احسان کرنا چاہا۔ جو افسوس ہے ملک کی بد مذاقی کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ اُردو زبان دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے شانہ بشانہ اس وقت تک نہیں چل سکتی ہے جب تک کہ ٹائپ کا استعمال اختیار نہ کیا جائے۔ ٹائپ کا استعمال بالخصوص ایک روزانہ اخبار کے لئے تو بے حد ضروری چیز ہے کیونکہ اس کے بغیر تازہ بتازہ خبروں اور مضامین کا مہیا کرنا بہت دشوار ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے بصرف زر کثیر اُردو کا ٹائپ منگوایا اور تمام انتظامات مکمل ہونے پر ایک روزانہ اخبار کا اجرا "ہمدرد" کے نام سے ہو گیا۔ "ہمدرد" پہلا اُردو روزنامہ تھا جو ٹائپ کے چھاپہ سے طبع ہوتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ عوام نے مسٹر محمد علی کے کثیر مالی نقصان کی کچھ قدر نہ کی۔ اُنکی آنکھیں چونکہ ٹائپ کے رسم الخط سے بالکل غیر مانوس تھیں۔ اس لئے انہوں نے اس کو پسند نہ کیا اور اس ناپسندیدگی کا اظہار اس کثرت سے ہونے لگا کہ بالآخر

مجبور ہو کر مسٹر محمد علی کو وہ "ہمدرد" لکھنؤ کے چھاپہ میں نکالنا پڑا۔ سٹاف میں راجا غلام حسین
پروفیسر غلام محمد طور اور مولانا شرر جیسے اہل قلم کو مقرر کیا گیا۔ اور یہ پرچہ ایک ایسی
نرالی شان کے ساتھ شائع ہونے لگا۔ جو آج تک کسی اردو اخبار کو نصیب نہ ہوئی
تھی۔ مسٹر محمد علی "ہمدرد" میں خود تو بہت کم مضمون لکھتے تھے۔ لیکن وہ تمام اہم
مسائل پر اپنے سب ایڈیٹروں کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے اور اس
بحث و مباحثہ کے بعد جو رائے قرار پاتی تھی۔ اس کے موافق سب ایڈیٹر مضامین
لکھا کرتے تھے۔ اخبار کی اشاعت دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئی۔ اور اگر
گورنمنٹ کے حکم سے وہ بند نہ ہو گیا ہوتا۔ تو آج وہ ملک کا نہایت زبردست
اور طاقتور آرگن ہوتا۔

مسٹر محمد علی اپنی قوم اور ملک کی خدمت صرف "کامریڈ" اور "ہمدرد"
کے ذریعہ سے ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ قوم کے تمام عملی کاموں میں بھی نہایت
سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ وہ مسلم لیگ میں اس کے ابتدائے زمانہ قیام سے
شریک ہیں۔ اور لیگ نے جو اپنا نصب العین حکومت خود اختیاری قرار دیا ہے۔
اس میں مسٹر محمد علی کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔ انہوں نے اپنی زبردست تحریرات
اور طاقتور شخصیت کے ذریعہ سے اپنی قوم کو اس نصب العین کے اختیار کرنے کی
جانب مائل کیا۔ اسی طرح مسلم یونیورسٹی کے معاملہ میں مسٹر محمد علی نے ہمیشہ نہایت
سرگرمی سے حصہ لیا۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق ایک نہایت
قابلانہ رسالہ تالیف کیا تھا۔ جو محمڈن کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں پڑھا گیا۔ اس
کے بعد سنہ ۱۹۱۱ء میں جب ہز ہائینس سر آغا خاں نے اس تحریک میں نئی روح پھونکی
تو مسٹر محمد علی نے اپنی تحریرات اور اپنی عملی مساعی کے ذریعہ سے اس تحریک کو بیحد
تقویت پہنچائی۔ وہ جب تک آزاد رہے مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں برابر اظہار

دلچسپی کرتے رہے اور زمانۂ نظر بندی میں بھی بذریعہ خط و کتابت اپنی رائے کو کارکنان
مجوزہ یونیورسٹی کے گوش گذار کرتے رہے جس زمانہ میں وہ کلکتہ میں تھے۔ تو ڈھاکہ
یونیورسٹی کے لئے کانسٹی ٹیوشن مرتب کرنے کے واسطے گورنمنٹ ہند نے ایک
کمیٹی مقرر کی تھی۔ جس میں مسٹر محمد علی کو بھی ممبر نامزد کیا تھا۔ مسٹر محمد علی نے اس کمیٹی کے
ممبر کی حیثیت سے اپنی قوم کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور اپنے ہم قوموں کے
حقوق کی نہایت قابلیت سے حفاظت کرکے کانسٹی ٹیوشن کے مسودہ میں بہت
سی ایسی تجاویز شامل کرا دیں۔ جو مشرقی بنگالہ کی کثیر اسلامی آبادی کے لئے بے حد
مفید اور سودمند ثابت ہونگی +

جنگ بلقان کے زمانہ میں مسٹر محمد علی نے اپنے ہم مذہبوں کی جو اعلےٰ اور قابل قدر
خدمات سرانجام پائی ہیں۔ ان سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ انہوں نے
ایک طرف تو گورنمنٹ کے روبرو اپنے ہمقوموں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی اور دوسری
جانب خود ترکوں کو عملی امداد بہم پہونچانے کا سامان کیا۔ انہوں نے ترک مجروحین اور
مریضوں کو طبّی امداد بہم پہونچانے کے لئے اعلےٰ پیمانہ پر ایک میڈیکل مشن مرتب
کرنے کا انتظام کیا۔ خوش قسمتی سے انکو ڈاکٹر مختار احمد انصاری جیسا ماہر فن اور
ہمدرد قوم اس دشوار کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے مل گیا۔ جب اسکیم کا خاکہ بغرض اطلاع
عام "کامریڈ" میں شایع کیا گیا تو پبلک نے اس تحریک کا نہایت تپاک اور گرمجوشی
سے خیر مقدم کیا۔ اخراجات مشن کے لئے جس بیش مقدار رقم کی ضرورت تھی۔ وہ
مسلمانوں کی مفلس اور درماندہ قوم نے بہت جلد فراہم کر دی۔ ڈاکٹر انصاری
مشن کے سردار قرار پائے۔ اور دو درجن سے زیادہ مسلمان نوجوان مختلف
اقطاع ہند سے خدمات متعلقہ مشن کی انجام دہی کے لئے منتخب کئے گئے۔
مسلمان نوجوانوں کی یہ سرگرم جماعت جو اپنے دلوں میں اپنے پاک مذہب کی

محبت کے جذبات لئے ہوئے تھی۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کو بمبئی سے روانہ ہوئی۔ تقریباً چھ ماہ تک انہوں نے ٹرکی میں قیام کر کے ترک مجروحین اور مریضوں کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہ مشن ایسے وقت ٹرکی پہنچا۔ جبکہ وہاں طبی امداد کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اور ممبران مشن اپنی ہمدردی اور توجہ کی بدولت بہت سے بندگان خدا کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے۔

ترکوں کے دلوں پر اس امر کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ کہ ان کے ہندی مسلمان بھائی اپنا دور دراز سفر طے کر کے انکی غمخواری اور خدمت کے لئے آئے ہیں یہ مشن نہایت عمدہ نمونہ تھا۔ اس اخوت کا جو مذہب اسلام کا بہترین تمغائے امتیاز ہے۔ اس سے ٹرکی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے مابین رشتۂ اتحاد و اخوت کو بے انتہا تقویت پہونچی۔ اور اگر بعد میں عالمگیر جنگ یورپ کی وجہ سے مشکلات نہ پیدا ہو گئی ہوتیں تو اس رشتۂ اتحاد میں روز افزوں ترقی ہوتی۔ بہرحال مسٹر محمد علی کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ تھا۔ جو نہ صرف اُن کی ذات کے لئے بلکہ کل مسلمانان ہند کے واسطے سرمایۂ فخر و ناز ہے۔

جنگ بلقان کی وجہ سے مسلمانوں میں جو عام بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ابھی فرو نہ ہونے پایا تھا۔ کہ خود ہندوستان کے اندر ایک افسوسناک واقعہ ایسا ہو گیا۔ جس نے انکے مذہبی جذبات کو سخت صدمہ پہونچایا۔ اور تمام قوم میں ایک عام بےچینی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ مسجد مچھلی بازار کانپور کا واقعہ تھا۔ چونکہ اس کی یاد ابھی فراموش نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف یہ بتلا دینا کافی ہے۔ کہ آرائش بلدۂ کانپور کے ضمن میں ایک سڑک کو وسعت دینے کی غرض سے مسجد مچھلی بازار کا ایک حصہ منہدم کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے تمام مسلمانان ہند کو اور بالخصوص مسلمان کانپور کو سخت صدمہ پہونچا۔ کیونکہ مذہب اسلام

کی رو سے یہ فعل قابل اعتراض تھا۔ ۳ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان کانپور عیدگاہ میں اسی مسئلہ پر غور کرنے کی غرض سے جمع ہوئے اور جلسہ ختم ہونے کے بعد کچھ نوجوانوں نے مسجد پر پہونچکر منہدم شدہ حصہ پر خالی اینٹیں جمانا شروع کیں یہ ایک فوری جوش کا نتیجہ تھا۔ جو اگر خاموشی سے برداشت کرلیا جاتا۔ تو مزید مشکلات نہ پیش آتیں۔ لیکن مقامی حکام اس فعل کی جو انکی نظر میں سخت گستاخی اور شوریدہ سری پر مبنی تھا تاب نہ لاسکے شہر میں پولیس اور فوج بلالی گئی ۔ ۔ × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × وسیع پیمانہ پر گرفتاریاں عمل میں آئیں ۔ اور بلوہ کے الزام میں ایک کثیر گروہ مسلمانوں کا چالان کیا گیا ۔ ان واقعات کا علم جب اخباری اطلاعات کے ذریعہ سے مسلمان پبلک کو ہوا تو سخت ناراضگی اور جوش کے آثار پیدا ہوگئے ۔

مسٹر محمد علی نے ابتدا میں اپنے اخبار کے ذریعہ سے اس مسئلہ پر کوئی رائے زنی نہیں کی ۔ وہ ایک عرصہ تک سر جیمس مسٹن لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ سے پرائیویٹ طور پر خط وکتابت کرتے رہے ۔ کیونکہ ان کو سر جیمس مسٹن کی معاملہ فہمی اور دوراندیشی سے توقع تھی کہ وہ اس معاملہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر دینگے ۔ لیکن ان کو جب اس کوشش میں ناکامی ہوئی ۔ اور سر جیمس مسٹن نے اس ڈیپوٹیشن کے جواب میں جو اس مسئلہ کے متعلق معروضات پیش کرنے حاضر ہوا تھا ۔ حکام کانپور کی کارروائیوں میں دست اندازی کرنے سے انکار کردیا ۔ تو مسٹر محمد علی نے اپنی پوری طاقت اور زور کے ساتھ ایجی ٹیشن میں حصہ لینا شروع کردیا ۔ اس خیال سے کہ ہندوستان میں ایجی ٹیشن سے کچھ زیادہ مفید نتائج برآمد ہونے کی توقع نہیں ہے

وہ مسٹر وزیر حسن سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی ہمراہی میں خاموشی کے ساتھ
انگلستان کو روانہ ہوگئے۔ تاکہ وہاں کے اعلےٰ حکام اور پبلک کو صحیح واقعات
سے مطلع کرکے انکو غریب مسلمانوں کی دادرسی پر آمادہ کریں۔ افسوس ہے۔ کہ
انگلستان میں ان ہر دو صاحب اور مسٹر امیر علی کے مابین ناگوار اختلافات رونما
ہوگئے۔ جس کی وجہ سے انکے کام میں سخت رکاوٹیں پیدا ہوگئیں × × ×

× × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × بہرحال مسٹر محمد علی سے جو کچھ کوشش ممکن تھی۔ اس
میں انہوں نے کوتاہی نہیں کی۔ اور وہ بعض دیگر حکام تک رسائی حاصل کرنے میں
کامیاب ہوئے۔ ایک واقفکار شخص کا بیان ہے کہ یہ مسٹر محمد علی اور سر جیمس لاٹوش
سابق لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ وحال ممبر انڈیا کونسل کی ملاقات ہی کا نتیجہ تھا
کہ صاحب موخر الذکر نے وزیر ہند کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ لارڈ ہارڈنگ کو مسئلہ مسجد
مچھلی بازار کو باحسن وجوہ طے کرنیکی ہدایت دیں۔ اسی ہدایت کی بنا پر لارڈ ہارڈنگ
بنفس نفیس کانپور تشریف لے گئے۔ اور تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر کرنے کے
علاوہ خود مسئلہ متنازعہ فیہ کو بھی ایک حدتک طے کردیا × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × × ×

اور اس سے کم از کم وہ عام بے چینی اور اضطراب رفع ہو گیا۔ جو مسئلہ مذکور کی وجہ سے مسلمانانِ ہند میں پیدا ہو گیا تھا۔

مسٹر محمد علی کو اپنی مادر علمی یعنی علیگڈھ کالج کے ساتھ جو محبت ہے وہ عشق کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہے۔ زمانہ ملازمت ہی سے وہ معاملات علیگڈھ میں خاص دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ اور جب ملازمت کی قیود سے آزاد ہو کر اُنہوں نے پبلک لائف میں قدم رکھا۔ تو علیگڈھ کا کوئی جلسہ یا معاملہ ایسا نہ ہوتا تھا جس میں وہ حصہ نہ لیتے ہوں۔ بہ حیثیت ٹرسٹی کالج اُنہوں نے بہت سی اصلاحات کو نافذ کرانا چاہا لیکن قدامت پسند گروہ کے غلبہ کی وجہ سے اُن کو بیشتر اوقات ناکامی ہوئی۔ باوجود اس کے اُن کے اثر کو ہر شخص محسوس کرتا تھا اور اُنکی مخالفت کچھ آسان کام نہ تھا۔ شاید یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ولایت سے فارغ التحصیل ہوکر واپس آنے پر مسٹر محمد علی کی خواہش تھی کہ اُن کو علیگڈھ کالج میں پروفیسری کا عہدہ ملجائے تو وہ اپنی زندگی قوم کی تعلیمی خدمات میں صرف کر دیں۔ اس وقت کالج کی سکرٹری شپ کے عہدہ جلیلہ پر نواب محسن الملک مرحوم متمکن تھے۔ اُنہوں نے مسٹر محمد علی جیسے شوریدہ سر نوجوان کو کالج کی ملازمت میں لینا پسند نہ کیا۔ اور مسٹر محمد علی کی تمنائے دلی بر نہ آسکی۔ لیکن اُنہوں نے مادر علمی کی خدمت کو اپنے اوپر فرض سمجھ لیا تھا۔ اور اس فرض کی ادائیگی سے وہ کبھی غافل نہ ہوئے۔ اُنکے ذاتی کاروبار کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا۔ وہ علیگڈھ کے ہر جلسہ میں شرکت کرتے تھے۔ اور اپنے خیال اور رائے کے موافق ہر معاملہ میں حصہ لیتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ان کو کالج کے طلبہ میں ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی۔ جو ان کے مخالفین کے لئے باعث صد رشک تھی۔

ان امور سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا۔ کہ مسٹر محمد علی اپنے اوقات کو انہی کاموں میں

صرف کرتے تھے جن میں حصولِ شہرت کے مواقع زیادہ تھے اور وہ اِن چھوٹے کاموں میں حصہ لینا پسند نہیں کرتے تھے جن میں نام و نمود کا کوئی موقع نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر اُس کام میں حصہ لینے کو تیار رہتے جس میں آنکے ہم قوموں کے کسی بھی طبقہ کی فلاح و بہبود مقصود ہو۔ خواہ وہ کام حقیر اور چھوٹا ہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ اُس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سے آنھوں نے پایۂ تخت دہلی میں سکونت اختیار کی۔ اُس وقت سے وہ برابر شہر دہلی کی پبلک لائف میں نئی رُوح پھونکنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ ہمیشہ غریب مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہتے تھے۔ اور ان کے ساتھ مل جل کر اُن کے جذبات و خیالات سے واقفیت حاصل کرنا کسرِشان نہ سمجھتے تھے۔ ہمارے کتنے فیشن ایبل لیڈر ایسے ہیں جو غریب مسلمانوں کے ساتھ اسی بے تکلفی سے ملنا گوارا کرینگے۔ جو مسٹر محمد علی کا امتیازی شیوہ ہے۔ آنکے قیام دہلی کے زمانہ میں میونسپل حکام کے بعض احکام کی وجہ سے قصابوں نے ایک عام ہڑتال کردی تھی جس کی وجہ سے دہلی کی پبلک سخت تکلیف میں مبتلا ہوگئی تھی۔ مسٹر محمد علی نے قصابوں کے خیالات اور شکایات کی ترجمانی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اور انکے مطالبات کو ایک حد تک قبول کرانے میں کامیاب ہوئے۔ یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے اُن کو ہر طبقہ اور ہر جماعت میں غیر معمولی عزت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی +

غرضیکہ مسٹر محمد علی نہ صرف "کامریڈ" اور "ہمدرد" کے ذریعہ سے قوم اور ملک کی شاندار خدمات انجام دے رہے تھے بلکہ اپنی دیگر عملی سرگرمیوں کی وجہ سے بھی اُنھوں نے اپنے وجود کو اپنی قوم کے لئے مفید اور سُود مند بنا لیا تھا۔ اُنھوں نے قوم میں ایک نئی اسپرٹ پیدا کردی تھی اور خدامت پسند لیڈروں کے زیر نگرانی جو قومی کام چل رہے تھے۔ ان سے قوم بددل ہوگئی تھی۔ اور ان کی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ اب ضرورت اس کی تھی کہ یا تو نئی پود ان کاموں کو اپنے ہاتھ میں لیتی۔ یا نئے جدید کاموں کی

بنا ڈالتی۔ مسٹر محمد علی ابھی یہ کام شروع نہ کرنے پائے تھے کہ یورپ کی خونریز اور جہانسوز جنگ کی ابتدا ہوگئی۔ اور مسلمان نہایت بیتابی سے ساتھ ترکوں کے طرزِ عمل کا انتظار کرنے لگے۔ جنگ میں ترکوں کی شرکت سے مسلمانانِ ہند کی پوزیشن سخت نازک ہوئی جاتی تھی۔ ایک طرف تو ترکوں کے ساتھ مذہبی اخوت کا رشتہ تھا جس کی وجہ سے ترکوں کے درد سے مسلمانانِ ہند متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ اور دوسری جانب حکمرانِ وقت کی طاعت کی ذمہ داری کا بارِ گراں ان کے دوش پر تھا۔

یہ ایام مسلمانانِ ہند کے لئے سخت پریشانی اور تشویش کے ایام تھے۔ انہی دنوں میں "ٹائمز آف لنڈن" میں ایک مضمون شائع ہوا۔ جس میں سخت اہانت آمیز طریقہ سے ترکوں کو غیر جانبدار رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ مسٹر محمد علی کی ذاتی رائے بھی یہی تھی کہ ترکوں کو شرکت جنگ سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اور خاموشی کے ساتھ ملک کے نظم و نسق کو درست کرنا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے اور ڈاکٹر انصاری نے اپنی اس رائے کی اطلاع بذریعہ تار ترکی حکومت کے ذمہ دار ارکین کو بھی کر دی تھی۔ لیکن "ٹائمز" کے مضمون کے بعض حصے ایسے تھے جن کا جواب دینا ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے "کامریڈ" میں ایک مضمون "دی چوائس آف دی ٹرکس" (ترکوں کی پسند) کے عنوان سے لکھا تھا جس میں انہوں نے ترکوں کو رائے تو غیر جانبداری ہی کی دی لیکن "ٹائمز" کے حملوں کا نہایت دندان شکن جواب دیا۔ یہ طویل مضمون شب و روز کی ایک مسلسل نشست میں لکھا گیا اور مسٹر محمد علی کے بعض دوست اس کو ان کے زورِ قلم کا بہترین نمونہ خیال کرتے ہیں۔ چونکہ مضمون کے بعض حصوں میں چند گزشتہ ناگوار واقعات کا اعادہ کیا گیا تھا۔ اس کی اشاعت کے تقریباً ایک ماہ بعد مسٹر محمد علی کو یہ حکم ملا کہ اس مضمون کی پاداش میں ان کی دو ہزار کی ضمانت جو دہلی میں قیام پریس کے وقت داخل کی گئی تھی ضبط کر لی گئی ہے اور اسی کے ساتھ "کامریڈ" کے ان تمام

پرچوں کی جن میں مضمون مذکور شائع ہوا تھا جہاں کہیں بھی ملیں ضبطی کا حکم صادر ہوا۔
مسٹر محمد علی نے حکم ضبطی ضمانت کے برخلاف پنجاب چیف کورٹ میں اپیل
دائر کیا اور خود اپنی زبان سے نہایت قابلیت کے ساتھ مضمون کے مطالب
ججان چیف کورٹ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی لیکن چیفکورٹ نے
اپیل نامنظور کر کے حکم ضبطی ضمانت کو بحال رکھا۔ بالآخر مجبور ہو کر مسٹر محمد علی کو "کامریڈ"
کی اشاعت ملتوی کرنی پڑی لیکن "ہمدرد" کی مفید خدمات کا سلسلہ بدستور جاری
رہا۔ "ہمدرد" کے مضامین سے گورنمنٹ کو ابتک کوئی وجہ شکایت نہیں پیدا ہوئی
تھی اور یہ توقع کیجاتی تھی کہ کم از کم "ہمدرد" نظر بد سے محفوظ رہیگا۔ اس زمانہ میں
اس کی اشاعت حیرت انگیز طریقہ پر ترقی کر گئی تھی۔ اور مسٹر محمد علی نے اس کے اجراء
میں جو کثیر نقصانات برداشت کئے تھے اُن کی تلافی کا اب وقت آرہا تھا۔
ان دنوں میں مسٹر محمد علی کی صحت کثرت کار اور غلبہ تفکرات کے باعث خراب
ہو گئی تھی۔ اور اُن کا عارضہ ذیابیطس ترقی پکڑ گیا تھا۔ انکے طبی مشیروں نے ان کو
چندماہ کے واسطے دماغی کام یک لخت ترک کردینے اور کامل سکون و آرام اختیار
کرنے کا مشورہ دیا تھا چنانچہ اس مشورہ کے موافق وہ "ہمدرد" کا انتظام ایک کمیٹی
کے سپرد کر کے اپنے وطن رامپور روانہ ہوئے۔ اور ارادہ تھا کہ چندے رامپور میں
قیام کر کے مصوری کی صحت بخش اور خوشگوار آب وہوا میں کچھ روز بسر کر کے صحت
کی حالت کو درست کرینگے۔ اس غرض کے لئے مصوری میں رہائش کا انتظام بھی
کرلیا گیا تھا۔ چند روز رامپور میں قیام کرنے کے بعد مسٹر محمد علی نے حضرت معین الدین
چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں شرکت کے ارادہ سے اجمیر جانے کا قصد کیا اور
راستہ میں دو چار روز کے لئے دہلی میں قیام کیا۔ ۱۵ مئی ۱۹۱۵ء کو دہلی میں اُن کو
اور ان کے اخی معظم مسٹر شوکت علی کو احکام نظر بندی پہونچا دئے گئے۔ جس کی رو سے

وہ مہرولی کی حدود میں جو دہلی سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے نظر بند کیے گئے ۔

جمعہ کے روز دونوں بھائیوں نے جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ اور احکام نظر بندی کی تعمیل میں مہرولی روانہ ہوئے۔ ہزاروں مسلمانوں کا مجمع جس میں بچے سے لیکر بوڑھے اور غریب سے لیکر امیر تک ہر عمر اور ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ انکو الوداع کہنے کے لئے جمع ہو گیا۔ اور ان سب نے باچشم نم اُن کو رخصت کیا لیکن اُن کے دوست و احباب روزانہ مہرولی پہونچتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کو وہاں قیود نظر بندی کا کچھ زیادہ احساس نہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ لینسڈون بھیجدیئے گئے جو ایک کوہی مقام ہے اور جب سردی کا موسم آیا تو ان کو چھندواڑہ (صوبہ متوسط) میں منتقل کر دیا گیا۔

ایام نظر بندی میں دونوں بھائیوں پر مذہبی رنگ غالب ہو گیا ہے۔ اور شاید مسٹر محمد علی نے حفظ قرآن مجید کی سعادت بھی حاصل کرلی ہے۔ مسٹر محمد علی و مسٹر شوکت علی دونوں چھندواڑہ میں بے انتہا ہر دلعزیز ہو گئے ہیں۔ اور انکی کوششوں سے وہاں ایک خوبصورت اور خوشنما مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ فراہمی چندہ کا کام مسٹر شوکت علی کے سپرد ہے۔ کیونکہ وہ اس فن میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور تعمیر کی نگرانی اور نقشہ کی تیاری کا کام مسٹر محمد علی کے ذمہ ہے۔ یہ مختصر سی خوشنما مسجد اس شہر میں ان دونوں بھائیوں کی نظر بندی کی یادگار رہیگی۔ مذہبی اشتغال اور اخبار بینی و کتب بینی سے فرصت پاکر مسٹر محمد علی کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے ہیں۔ جو افسوس ہے کہ بہت کم ان کے محدود حلقۂ احباب کے باہر اشاعت پاتے ہیں۔ یہ اشعار بھی اسی درد اور مذہبی رنگ کا پرتو ہیں جو مسٹر محمد علی کی طبیعت پر غلبہ پائے ہوئے ہے۔ بلحاظ نفس شاعری بھی یہ اشعار اعلیٰ پایہ کے سمجھے جاسکتے ہیں۔ مسٹر محمد علی ابتدا ہی سے سخن سنجی

اور سخن فہمی کا نہایت صحیح مذاق رکھتے ہیں اور غالب کے خاص قدردان ہیں" کامریڈ" کے مضامین میں غالب کے اشعار کا برمحل استعمال انکے انداز تحریر کی دلچسپ خصوصیت تھی۔ غالب کے مقبرہ کی تیاری کے واسطے انہوں نے "کامریڈ" میں ایک فنڈ بھی کھولا تھا۔ مگر انکی نظربندی نے جہاں انکی دوسری سرگرمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ وہاں یہ تحریک بھی سرد پڑگئی +

مسٹر محمد علی کی نظربندی کے بعد ان کے لائق اسٹاف نے "ہمدرد" کی اشاعت کو کچھ عرصہ تک بدستور جاری رکھا۔ لیکن گورنمنٹ نے اس پر ایک سنسر مقرر کر دیا۔ اور حکم دیا کہ کوئی مضمون بغیر سنسر کی منظوری اور ملاحظہ کے شائع نہ کیا جاوے۔ اس پر کارکنان نے اخبار کا جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور بدرجۂ مجبوری اخبار کی اشاعت بند کر دینا پڑی۔ یہ مسٹر محمد علی کی ذات کے واسطے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ کیونکہ "ہمدرد" کی اشاعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی آمدنی اور منافع میں معقول اضافہ ہو رہا تھا۔ اور ان کثیر رقوم کی وصولی کی امید بندھ رہی تھی۔ جو اجرائے پریس و اخبار میں صرف ہوئی تھیں × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

مسٹر محمد علی کی نظربندی سے عام مسلمین کو سخت صدمہ پہنچا۔ اور انہوں نے اپنے جذبات کو گورنمنٹ کے گوش گذار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن گورنمنٹ نے اپنی خاص مصلحتوں کی بنا پر رعایا کے ایک بڑے طبقہ کی

کی خواہشات کو منظور کرنا مناسب نہیں خیال فرمایا۔ مسز اینی بسنٹ کی نظربندی کے سلسلہ میں مسٹر محمد علی و مسٹر شوکت علی کی رہائی کا مسئلہ بھی پھر نہایت زور و شور سے اٹھایا گیا۔ اور کچھ روز تک عام طور پر یہ یاور کیا جانے لگا۔ کہ انکی رہائی کا مژدہ جانفزا عنقریب ہمارے کانوں تک پہونچیگا۔ لیکن یہ سب اُمیدیں مبدل بہ یاس و ناکامی ہو گئیں۔ اور گورنمنٹ اور محمد علی کے مابین شرائطِ رہائی پر اتفاق نہ ہونے کے باعث معاملہ اپنی اصلی حالت پر برقرار رہا۔ مگر اعلانِ شاہی کے نافذ ہونے پر دونو بھائی رہا کیے گئے۔ وہ کانگرس لیگ اور خلافت کانفرنس میں شامل ہوئے۔ اور جا بجا ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا +

زمانۂ نظربندی میں چونکہ مسٹر محمد علی اور مسٹر شوکت علی کے تمام ذرائع آمدنی یک لخت مسدود ہو گئے۔ اور گورنمنٹ سے ان کو جو گذارہ ملا۔ وہ ان کے کثیر خاندان کے اخراجات کے واسطے کسی طرح مکتفی نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس لئے مسٹر محمد علی کو اپنی آبائی جائداد کا ایک معقول حصہ فروخت کر دینا پڑا۔ عجب اتفاق ہے کہ وہ وہی جائداد جو دادا کو غدر کے پُر آشوب زمانہ میں خیر خواہی برٹش گورنمنٹ کے صلے میں عطا ہوئی تھی۔ اس کو پوتے اُسی گورنمنٹ کے احکام کی بدولت فروخت کرنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن مسٹر محمد علی نے اپنے کثیر مالی نقصانات اور آزادی جیسی عزیز چیز کی قربانی کو سکون اور اطمینان کے ساتھ برداشت کیا۔ اور اُن کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ آیا۔ بات اصل یہ ہے کہ جب سے دُنیاوی ترقی کے ورزش مواقع کو خیرباد کہہ کر انھوں نے خدمت ملک و ملت کی دشوار گذار راہ میں قدم رکھا ہے انھوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ کوئی دشواری اور کوئی مشکل انکے عزم راسخ کو متزلزل نہ کر سکیگی۔ اور وہ تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہینگے

اگر غور کیا جائے تو یہ نظر بندی بھی خالی از فائدہ نہیں تھی ۔ ایک طرف تو اُس کی وجہ سے قوم کے دِلوں میں انکی حقیقی عظمت اور محبت جاگزین ہوگئی ہے اور دوسری جانب ان کا عزم اور استقلال پہلے سے زیادہ راسخ اور مضبوط ہوگیا ہے ۔

اِس موقع پر ہم اس ہمت اور استقلال کا ذکر کرنے سے باز نہیں رہ سکتے جو ابتدائے زمانۂ نظر بندی سے مسٹر محمد علی کی والدہ ماجدہ سے ظہور میں آیا ہے ۔ باوجود اس پیرانہ سالی کے وہ نظر بندی کے روزِ اول سے اپنے فدائے قوم بیٹوں کے ساتھ ہیں ۔ اور نہ صرف انکی رنج و تکلیف میں برابر کا حصہ لے رہی ہیں بلکہ ان کے دِلوں میں محبت ملک و ملت کی آگ کو برابر تیز کرتی رہتی ہیں ۔ دونوں سعادتمند بیٹے اپنی والدہ ماجدہ کی بیحد عزت کرتے ہیں ۔ اور انکے ارشاد کو بسرو چشم قبول کرتے ہیں ۔

خلاصہ یہ ہے ۔ کہ مسٹر محمد علی کا گرانمایہ وجود ہماری قوم اور ملک کے لئے باعث صد نازش و افتخار ہے ۔ اُن کی اعلےٰ قابلیت ۔ ان کا بے مثل ایثار نفس ۔ ان کا حیرت انگیز جوش ۔ اُن کا خلوص اور خدمت و ہمدردی قوم کے پاک جذبات یہ وہ چیزیں ہیں جنکی وجہ سے انکو قوم میں ایک ممتاز رتبہ حاصل ہوگیا ہے ممکن ہے کہ ہر شخص انکی رائے اور خیالات سے اتفاق نہ کرے اور خود کاتب تحریر انکے اکثر خیالات سے اتفاق نہ رکھتا ہو لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم انکی حقیقی خوبیوں پر خاک ڈالدیں اور انکے خلوص اور نیک نیتی پر شبہ کرنے لگیں وہ اپنی رائے اور عقیدہ کے موافق خلوص اور نیک نیتی سے قوم اور ملک کی خدمت کرتے ہیں اور یہی چیز ہمارے دِلوں میں انکی عزت اور عظمت جاگزین کرنیکے لئے کافی ہے ہماری درماندہ قوم کیلئے ان کا وجود مغتنمات میں سے ہے اور ہم کو خدا سے دُعا کرنا چاہئے کہ انکی قابل قدر ہستی ہماری قوم کیلئے بیش از بیش فوائد کا موجب ہو ۔

آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے

تمہید

اگرچہ آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں نوجوان تھے لیکن اُنہوں نے بلحاظ اپنے نمایاں کارناموں کے وہ شہرت و ہردلعزیزی حاصل کی کہ ہندوستان کے تمام لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت ان کی عزت و توقیر کرتے تھے۔ اور اینگلو انڈین آبادی بھی انکی عزت کرتی تھی ؞

اوائل حالات و زمانۂ تعلیم

مسٹر گوکھلے ۱۸۶۶ء میں کولھاپور کے مرہٹہ برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے کولھاپور کے کالج میں ہی ایف۔ اے پاس کیا۔ اور ایف۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ الفنسٹن کالج بمبئی میں داخل ہوئے۔ جہاں سے اُنہوں نے ۱۸۸۴ء میں بی۔ اے کی سند حاصل کی ؞

زمانۂ ملازمت

بی۔ اے کی سند لینے سے ان کا زمانۂ طالب علمی ختم ہو گیا۔ اور اُنہوں نے سکول کی ملازمت کو ترجیح دی۔ کمال درجہ کے شریفانہ مقصد سے وہ دکن کی اس تعلیمی سوسائٹی میں شامل ہو گئے۔ جو تعلیم و تربیت کی توسیع میں نہایت سرگرمی سے کام کرتی ہے۔ چنانچہ وہ فرگوسن پونا کالج میں بمشاہرہ ستر روپیہ ماہوار

ہسٹری اور پولیٹیکل اکانمی کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں اُنہوں نے اس کام میں بیس سال تک کام کرنے کا عہد کیا۔ اُنہوں نے اپنے اِس عہد پر صدق دل سے عمل کیا اور اسی اثنا میں وہ فرگوسن کالج کے پرنسپل مقرر کیے گئے۔ کالج میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں طلباء نے ان سے تعلیم حاصل کی۔ اور وہ اِن کے جوشِ طبعی اور ذوق ذاتی سے بہت متاثر ہوئے۔ کیونکہ جب آنریبل گوکھلے جیسے باصفات آدمی اپنی زندگی صدق و اخلاص کے ساتھ تعلیمی مطالب کے لئے وقف کریں تو ضروری ہے کہ طلباء ان کے شریفانہ اثرات سے بہرہ یاب ہوں۔ اگرچہ بیس سال کے عرصہ میں جب مسٹر گوکھلے فرگوسن کالج میں کام کرتے تھے۔ اُنہوں نے پبلک اور پریس میں سرگرمی ظاہر نہ کی۔ لیکن پھر بھی اسی عرصہ میں بے شمار نوجوانوں نے اپنے چال چلن کی اصلاح اور قوائے ذہنی کی ترقی کے لحاظ سے اِن سے بہت سا فائدہ حاصل کیا۔

جب مسٹر گوکھلے فرگوسن کالج میں تھے۔ اُنہوں نے تعلیمی سرگرمی میں نمایاں حصہ لیا۔ مذکورہ کالج میں ملازم ہوتے ہی انکی شناسائی مسٹر جسٹس راناڈے سے ہو گئی۔ اور مسٹر جسٹس راناڈے کے عادات و خصائل سے مسٹر گوکھلے کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ اُنہوں نے جج صاحب موصوف کی راہنمائی سے تقریباً بارہ سال تک علم الاقتصاد کا مطالعہ کیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر گوکھلے اِن چیدہ معزز اشخاص کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ جو سیاسیات میں دسترس رکھنے کا دعوے رکھنے کے لئے سیاسی امور پر اپنی رائے صائب آزادی سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے مسٹر گوکھلے جج صاحب موصوف کو اپنا گرو جانتے تھے۔

زمانہ ادارت اور بعد کی سرگرمی

۱۸۸۷ء میں مسٹر گوکھلے جج صاحب کے ایما پر پونا سروجنک سبھا کے سہ ماہی رسالہ کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اور اس کے بعد میں وہ دکن سبھا کے آنریری سیکرٹری بنائے گئے۔ اس کے علاوہ وہ پونا کے ایک انگریزی مرہٹی رسالہ کے ایڈیٹر رہے۔

انڈین نیشنل کانگریس کے سیکرٹری ہوئے

مسٹر گکھلے چار سال تک صوبہ بمبئی کی کانفرنس اور ۱۸۹۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ پونا کے سیکرٹری بھی رہے۔ ان کی علمی معلومات اس قدر بڑھ گئیں اور عام امور میں انہیں اس قدر دسترس حاصل ہو گئی۔ کہ لوگ انہیں دکن کا چمکتا ہوا ستارہ" کہا کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ عوام الناس نے انکو ۱۸۹۷ء میں منتخب کر کے مسٹر واچا کے ساتھ ہندوستانی اخراجات کی تحقیقات کرنیوالی ویلبی کمیشن کے روبرو شہادت دینے کے لئے ولایت میں بھیجا۔ اور مذکورہ بالا اقتصادی امور پر جس قسم کی شہادت اُنہوں نے دی۔ اُس سے انکی اعلےٰ قابلیت کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ اُنہوں نے ولایت کے قیام کے دوران میں دیگر ہندوستانی امور پر بھی تقریریں کیں۔

ولایت سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد وہ صوبہ بمبئی کی آئینی کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں وہ فرگوسن کالج کے پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ اور اُنہوں نے صرف پچیس روپے ماہوار پنشن قبول کی۔ تقریباً اُسی وقت سر فیروز شاہ مہتہ کی ناسازیٔ طبع کے باعث وہ اعلےٰ آئینی کونسل کے ممبر بنائے گئے۔ اور اُنہوں نے اس خوش اسلوبی سے کام کیا۔ کہ بعد میں بھی

انہیں منتخب کیا گیا ✣

حضور وائیسرائے کی قانونی کونسل کے ممبر ہوئے

حضور وائیسرائے کی قانونی کونسل کے ممبر مقرر ہونے سے انکی زندگی کا ایک شاندار باب شروع ہو گیا۔ کیونکہ اُنہوں نے اِس حیثیت میں ملک کی وہ اعلےٰ خدمات کیں جو کسی شیدائے ملک و قوم نے شاذ و نادر ہی کی ہونگی۔ سب سے پہلے اُنہوں نے بجٹ پر تقریر کی۔ جو عوام الناس میں نہایت دلچسپی سے پڑھی گئی۔ مسٹر گوکھلے واقعات زر قوم اور انتظامی امور سے بخوبی واقف تھے۔ اور اُنہوں نے اپنی تقریروں کو اسی وجہ سے خاص طور پر پُر زور بنایا ہے۔ انکی طرز تقریر معتدل ہوا کرتی تھی۔ اور ان کا لب و لہجہ ہمیشہ مئوّدب ہوتا تھا۔ سالوں تک وہ اسی بات پر زور دیتے رہے۔ کہ ہندوستانی لوگوں کو سرکاری عہدوں پر مقرر کیا جائے اور فوجی اخراجات کو کم کیا جائے ✣

نمک کے محصول کو ہٹانے کے لئے اور آبپاشی اور صنعتی تعلیم کی ترقی کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہے اور خاص قابل ذکر کوشش تو وہ ہے جو وہ مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم اور دیگر اصلاحات کے لئے کرتے رہے ہیں ✣

مسٹر گوکھلے حضور وائیسرائے کی کونسل میں اس طریق میں تقریریں کیا کرتے تھے۔ کہ اینگلو انڈین جماعت کے اصحاب بھی ان کو عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اور لارڈ کرزن بھی مسٹر گوکھلے کے مداح تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وجہ سے مسٹر گوکھلے کو سی۔ آئی۔ ای کا اعزاز عطاء فرمایا ✣

انگلستان کا سفر

مسٹر گوکھلے کانگریس کے شروع مراحل میں ہی انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کانگریس کے کئی جلسوں میں تقریریں کیں ۱۹۰۴ء میں اُنہوں نے کانگریس میں زوائد کے عنوان سے ایک تقریر کی تھی۔ جس کے متعلق سر ہنری کاٹن نے نہایت اچھی رائے دی تھی +

۱۹۰۵ء میں صوبہ بمبئی کے عوام الناس نے مسٹر گوکھلے کو ہندوستان کی سیاسی حالت کی وضاحت کے لئے ڈیلیگیٹ بنا کر انگلستان میں بھیجا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے انگلستان میں پچاس روز کے قیام میں ۵۴ تقریریں کیں جو انگلستان کے سیاسی ماہرین میں بہت حد تک مقبول عام ہوئیں۔ انگلستان سے ہندوستان کو روانگی سے پہلے مسٹر گوکھلے کانگریس کے اجلاس منعقدہ بنارس کے پریذیڈنٹ بنائے گئے۔ انگلستان میں محنت سے کام کرنے سے اُنکی صحت پر ایسا اثر پڑا کہ ہندوستان کو روانہ ہونے سے پہلے ان کے گلے پر جراحی عمل کیا گیا۔ نیشنل کانگریس کے اجلاس میں اُن کی صدارتی تقریر نہایت موثر ثابت ہوئی +

بنارس کانگریس کے اجلاس سے کچھ ہی دیر بعد وہ دوبارہ انگلستان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس مرتبہ اُنہوں نے لارڈ مارلے سابق وزیر ہند سے کئی بار ملاقات کی۔ ۱۹۰۸ء میں مسٹر گوکھلے منٹو مارلے ریفارم کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے سہ بارہ انگلستان میں گئے +

مسٹر گوکھلے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ ہندوستان کے ہر ایک صوبہ میں چند ایسے اشخاص موجود ہونے چاہئیں۔ جو مذہبی تنگ خیالی سے

اپنی زندگی سیاسی امور کے لیئے وقف کر دیں۔ چنانچہ اُن کی یہ آرزو بر آئی
"سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی" قایم کی گئی۔ جو نہایت اعلےٰ اغراض ومقا
مدّ نظر رکھتی ہے۔ اور جس سوسائٹی کے ممبر نہایت ایثار وتن وہی سے ملک
کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ مسٹر گوکھلے نے پبلک سروس کمیشن میں بھ
نہایت سرگرمی اور مصروفیت سے کام کیا۔ مگر افسوس کہ اُنھوں نے اپنی اس
محنت کا ثمرہ نہ دیکھا۔ اور وہ جلدی ہی سُرگباش ہوگئے +

جنوبی افریقہ میں قیام

قوائے انسانی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اور مسٹر گوکھلے نے اس محنت
اور جانفشانی سے کام کیا تھا۔ کہ ان کی صحت پر اس کا زبون اثر نمودار ہوگیا۔ و
جنوبی افریقہ کی ایشیائی آبادی کی تکالیف اور ہندوستان کے لوگوں کی مصائب
کا مشاہدہ کرنے کے لیئے ہندوستان پر سفر کرنے کے علاوہ جنوبی افریقہ میں
بھی گئے۔ پبلک سروس کمیشن کے متعلق ان کو ولایت میں بھی جانا پڑا۔ ان کا
جسم پہلے سے کمزور تھا۔ مگر ان کی محنت وجانفشانی اور انکی لگاتار مصروفیت کے
باعث آخر ملک دملّت کے شیدائیوں کو ان کے کوس رحلت کی ناگوار آوا
نے بے چین کردیا۔ اور فروری ۱۹۱۵ء میں وہ اس دار فانی سے انتقال کر گئے +

مسٹر گوکھلے کی خدمات

مسٹر گوکھلے کسی عالم رویائی فضا میں نہیں رہتے تھے۔ بلکہ حقیقی نصب العین
کے حصول کے لیئے انھوں نے قول وفعل میں ایک قسم کی یگانگت پیدا کر رکھی تھی
اقتصادی امور پر انہیں کمال حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ملک کے لوگوں کو اپنے اس

علمی کمال سے ایسا مستفید کیا کہ آج ایک عالم ان کی تعریف کر رہا ہے۔ وہ پاکیزگی اور ایثار کا نمونہ تھے۔ اور انہوں نے سر سید احمد مرحوم کی طرح اپنی زندگی ملک و قوم کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ خود غرضی اور خودستائی سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔

مسٹر گوکھلے تقریر کے حق میں بھی اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔ وہ بہت زیادہ فصیح و بلیغ تو نہیں تھے۔ مگر جب کبھی انسانی حیات کو بالائے طاق رکھ کر وہ تقریر کیا کرتے تھے۔ تو سامعین کو ان کی باتوں کا یقین آجاتا تھا۔ ان کی یاد واقعات و اعداد سے معمور تھی۔ انکی طرز تقریر سادہ اور پُر زور تھی۔ اور نفس مضمون ہمیشہ مدلل ہوا کرتا تھا۔

مسٹر جسٹس رانا ڈے نے مسٹر گوکھلے پر اپنے خاص اثرات ڈالے تھے۔ اور جیسا کہ ایک سعادتمند شاگرد سے امید ہو سکتی ہے مسٹر گوکھلے ایک اعلےٰ پایہ کے معاشرتی مصلح ثابت ہوئے۔

مسٹر گوکھلے کا طرز زندگی

مسٹر گوکھلے کا طرز بود و باش نہایت سادہ تھا۔ اور جیسا کہ مسٹر نیوسن بیان کرتے ہیں۔ وہ ایک مخلص برہمن کی طرح حلم و زہد کو باعث فخر جانتے تھے سادہ طرز زندگی اور اعلےٰ تخیل کو دنیا کے تمام سامان عشرت پر ترجیح دیتے تھے۔

غرضکہ مسٹر گوکھلے نے ملک و قوم کی خدمت کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اور انہوں نے اپنے ملکات فاضلہ کی بدولت اپنے اندر وہ فضائل پیدا کئے کہ آج انکے احباب و اعدا یکساں انکے نام کی عزت کرتے ہیں۔

بابو سرندرا ناتھ بنرجی

تمہید

بابو سرندرا ناتھ بینرجی کا نام کس شخص نے نہیں سنا ہوگا۔ اُن کی شہرت ہندوستان کے ہر گوشہ میں پھیل چکی ہے۔ اور کوہستان ہمالیہ سے راس کماری اور دریائے اٹک سے آسام تک اُن کے نام نامی سے سب لوگ آشنا ہیں۔ اور واقعی بابو صاحب نے اپنے ملک و ملت کی خدمت میں وہ عزت حاصل کی ہے۔ جو دُنیا میں چند ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے +

حالات اوائل

مسٹر بینرجی ۱۸۴۸ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے والد ماجد بابو درگا چرن بینرجی برہمنوں کے گھرانے سے تھے جو بنگال کے سربرآوردہ ڈاکٹروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور اُن کی صفات سے مسٹر بینرجی نے ایسا فائدہ اُٹھایا۔ کہ سرگرمی اور محنت شعاری اِن کی طبعی خصوصیت بن گئی +

زمانۂ تعلیم

مسٹر بینرجی اوائل عمر میں ہی ابتدائی تعلیم کے لئے ایک پاٹھ شالہ میں بھیجے گئے۔ سات سال کی عمر میں وہ ڈوٹن کالج میں داخل ہوئے۔ جس میں اینگلو انڈین طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اینگلو انڈین نوجوان طلبا میں رہنے سہنے

سے ان کو تقریر کا ملکہ حاصل ہو گیا۔ انہوں نے لاطینی زبان کو بطور اختیاری مضمون کے پڑھا اور ۱۸۶۳ء میں وہ انٹرنس کے فسٹ کلاس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور انہیں وظیفہ مل گیا۔ انہوں نے ایف۔ اے کا امتحان بھی سکنڈ کلاس میں ہی پاس کیا جس کے صلہ میں انہیں وظیفہ ملا۔ ۱۸۶۸ء میں انہوں نے بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ مگر بوجہ بیماری کے وہ سیکنڈ کلاس میں ہی پاس ہو سکے ۔

انڈین سول سروس کا امتحان

ڈوٹن کالج کے پرنسپل کی سفارش سے باوجود اپنے متعلقین کی منشاء کے خلاف وہ ۱۸۶۸ء میں انڈین سول سروس کے امتحان کے لئے ولایت میں بھیجے گئے۔ وہ لنڈن کے یونیورسٹی کالج میں داخل ہوئے۔ اور انہوں نے پروفیسر ہنری مارلے سے انگریزی اور پروفیسر گولڈسٹکر سے سنسکرت پڑھی ۱۸۶۹ء میں انہوں نے مسٹر آر سی دت۔ مسٹر بہاری لعل گپتا۔ اور مسٹر سر سید پاباجی ٹھاکر کے ساتھ انڈین سول سروس کا امتحان دیا۔ پہلے تو یہ اعتراض کیا گیا۔ کہ ان کی عمر مقررہ عمر سے زیادہ ہے مگر بعد میں حکام نے اس اعتراض کو نظر انداز کر دیا۔ اور آخر کار وہ امتحان میں بیٹھے اور کامیاب ہو گئے۔ ستمبر ۱۸۷۱ء میں وہ سلہٹ میں اسسٹنٹ مجسٹریٹ مقرر کئے جانے پر ولایت سے اپنے والد کی وفات کے کچھ ہی دیر بعد ہندوستان میں آ گئے ۔

سرکاری ملازمت سے علیحدگی

دو سال کے بعد مسٹر بینرجی انڈین سول سروس میں داخل ہوئے۔ مگر ان کے طرز عمل کے خلاف کچھ اعتراضات کئے گئے۔ اگرچہ اعتراضات تو خفیف سے تھے۔

نگران کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن بٹھائی گئی۔ مسٹر بنیرجی نے ہر چند زور دیا کہ
تحقیقات علانیہ ہو۔ مگر ان کی کسی نے نہ سنی۔ اور کمیشن نے کلکتہ کے باہر خفیہ طور
پر تحقیقات کر کے مسٹر بنیرجی کو قصوار ٹھیرایا۔ آخر کار گورنمنٹ نے انکو پچاس روپیہ
ماہوار پنشن دیکر انڈین سول سروس سے علیحدہ کر دیا۔ مسٹر بنیرجی اپنے مقدمہ کی
اپیل کے لئے ولایت چلے گئے۔ مگر چونکہ انہیں وہاں ناکامی ہوئی۔ اس لئے
پھر وہ ہندوستان میں آ گئے۔ اور اگرچہ انڈین سول سروس سے علیحدگی میں
ان کا ذاتی نقصان ہو گیا۔ مگر ملک کو ان کی ذات سے بہت سے مفاد حاصل ہوئے

کانگریس کی تحریک

مسٹر بنیرجی ایک اعلیٰ پایہ کے محب وطن ہیں۔ اور انہوں نے ہی ہندوستان
میں انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک شروع کی یہ بات نہایت ہی تعجب انگیز ہے۔ کہ ہندوستان
میں قومی تحریک کے سرکردہ آدمی اعلیٰ درجہ کے معلم ثابت ہوئے ہیں۔
مسٹر آربندو گھوش نے اپنی زندگی کا زیادہ عرصہ بڑودہ کالج کی پروفیسری میں
گذارا۔ مسٹر تلک اور مسٹر گوکھلے فرگوسن کالج پونا میں پروفیسر رہے۔ اور مسٹر
اے۔ ایم۔ بوس نے بھی تعلیمات میں ہی نام پیدا کیا۔ جونہی مسٹر بنیرجی انڈین سول
سروس سے علیحدہ ہوئے۔ وہ میٹروپالیٹن کالج میں انگریزی زبان کے پروفیسر
مقرر کئے گئے۔ ۱۸۸۱ء میں انہوں نے اس کالج کے ساتھ تعلق رکھنے کے
علاوہ فری چرچ کالج میں بھی کام شروع کر دیا۔ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے
ایک اپنا ہی سکول قائم کر لیا۔ جس میں تقریباً ایک سو طلبا داخل ہوئے۔ اور
جو سات سال کے عرصہ میں ایک بڑی تعلیم گاہ بن گئی۔ اور اسے بعد میں کالج
بنا کر اس کا نام رپن کالج رکھا گیا۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبا تعلیم پاتے

ہے اور جو اب بنگال ہیں تو کیا ہندوستان بھر میں ایک اعلےٰ پایہ کا کالج شمار کیا جاتا ہے۔ اس ہیں تقریباً تمام ہندوستانی گریجوبیٹ ہی کام کرتے ہیں۔ اس کے بعد عوام الناس کی طرف سے یہ کالج مشہور و معروف بنگالیوں کی کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ اور جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہے مسٹر بنرجی نے ہی اپنی مساعی جمیلہ سے رپن کالج کو ہندوستان کا ایک بہترین کالج بنا دیا۔ اور مسٹر بینرجی اس کا جس قدر بھی زیادہ فخر کریں کم ہے +

اخبار بنگالی کی ادارت

تعلیمی کام کے علاوہ مسٹر بینرجی نے انگریزی اخبار بنگالی ہیں بھی بطور ایڈیٹر کام شروع کر دیا۔ اور اُنھوں نے اس کام میں بھی ایسی کمال درجہ کی سرگرمی دکھائی کہ یہ اخبار بھی تھوڑی مُدت ہیں عوام الناس ہیں مقبول ہو گیا۔ جونہی اس اخبار کی خریداری ہیں افزادی ہوئی۔ اسے بجائے ہفتہ وار کے روزانہ کر دیا گیا۔ چنانچہ آجکل اس اخبار کی اشاعت چھ سات ہزار سے زیادہ ہی ہوگی اور اس کی مالی حالت بھی ایسی ترقی پذیر ہوگئی۔ کہ اس نے براہِ راست رائٹر ایجنسی سے خبریں لینی شروع کر دیں۔ ایک بار اخبار میں کچھ ایسے مضامین شائع ہوتے۔ جو قابل اعتراض قرار دئے گئے۔ اور جس کے باعث مقدمہ چلا نے پر مسٹر بینرجی کو دو ماہ کی سزائے قید دیگئی۔ مگر اُنھوں نے معذرت پیش کی۔ جب مسٹر بینرجی رہا ہوتے۔ تو اُنھوں نے تمام شمالی ہندوستان میں سفر کیا۔ اور لوگوں نے ہر جگہ کمال عزت و توقیر سے اُنکا خیر مقدم کیا +

مسٹر بنرجی کی قومی خدمات

مسٹر بنرجی نے اخبار بنگالی کے ذریعہ اپنے زمانہ ادارت میں ملک کی سیاسی حیات کو بیدار کر دیا۔ لارڈ ڈفرن۔ لارڈ رپن۔ لارڈ کرزن۔ اور لارڈ منٹو کی گورنمنٹ کے زمانہ میں اخبار بنگالی نے رائے عامہ پر نمایاں ترین اثر پیدا کیا۔ چنانچہ اسی وجہ سے مسٹر بنرجی کو "امپیریل پریس کانفرنس" کے اجلاس میں مدعو کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کانفرنس میں ایسا کام کیا۔ کہ سب لوگ انکی خدمت کو قابل قدر جانتے ہیں۔ انہوں نے کانفرنس میں ایک ایسی مؤثر تقریر کی کہ جب وہ تقریر ختم کر چکے۔ تو ہندوستان پریس کے متعلق کچھ نکات بیان کرنیکے لئے لارڈ کروسر کو تقریر کرنی پڑی۔

۲۶۔ جولائی ۱۸۷۶ء کو کلکتہ کی ہندوستانی ایسوسی ایشن قائم کی گئی۔ مسٹر بنرجی اور مسٹر بوس کے علاوہ اور کئی اصحاب بھی اس کام میں شریک ہوئے۔ مگر افسوس کہ جس دن مذکورہ ایسوسی ایشن وجود میں آئی۔ مسٹر بنرجی کا اکلوتا بیٹا فوت ہو گیا مگر مسٹر بنرجی اپنے فرائض کی ادائیگی کے اس قدر پابند تھے۔ کہ شام کے وقت وہ ایسوسی ایشن کے قائم کرنے کے لئے جلسہ میں بھی شریک ہوئے۔ مسٹر بنرجی اس ایسوسی ایشن کے عرصہ تک ممبر رہے۔ اور تمام سیاسی تحریکات میں انہوں نے نہایت سرگرمی سے کام کیا۔

کانگریس میں چندے کی اپیل

مسٹر بنرجی کانگریس کی تحریک کے "روشن ستارے" رہے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اس کے افتتاحی جلسہ منعقدہ بمبئی میں شریک نہ ہو سکے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ وہ تقریباً ہر ایک اجلاس میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ سالوں تک وہ سچا دیش بھگتی کرتے

رہے ہیں۔ کانگریس کے پانچویں جلسہ میں انہوں نے چندے کے لئے حاضرین سے ایسی زبردست اپیل کی تھی۔ کہ اسی وقت ساٹھ ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ پانچویں کانگریس کے اجلاس میں ہی ایک رزولیوشن پیش کیا گیا۔ کہ قانونی کونسل میں اصلاح ہونی چاہئے۔ چنانچہ کانگریس کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن ولایت میں بھیجا گیا۔ مسٹر بینرجی بھی اس ڈیپوٹیشن میں شامل تھے۔ ولایت میں انہوں نے کئی جلسوں میں بہت سی تقریریں کیں۔ اور انہوں نے وہاں کے عوام الناس کی توجہ کو اپنے اغراض و مقاصد کی طرف مبذول کر لیا۔ ولایت کے ایک معتمد اور قابل صاحب نے مسٹر بینرجی کی بابت لکھا۔ کہ وہ بھی ولیم پیٹ۔ فاکس۔ برک اور شیریڈن کی طرح فصیح البیان اور طلیق اللسان ہیں۔ ۱۸۹۵ء میں مسٹر بینرجی کو کانگریس کے اجلاس منعقدہ پونا کا صدر بنایا گیا۔ اس وقت کانگریس کے ارکان کے درمیان تنازعات ہو رہے تھے۔ مگر مسٹر بینرجی نے اس مصالحانہ طریق میں کام کیا۔ کہ تمام خلش مٹ جانے سے کام بآسانی جاری رہا۔ کانگریس میں انہوں نے تین گھنٹہ تک ایک ایسی تقریر کی جو سراپا فصاحت و بلاغت سے مملو تھی۔ ۱۹۰۲ء میں بھی مسٹر بینرجی ہی کانگریس کے اجلاس کے صدر بنائے گئے ٭

تقسیم بنگال کے سوال میں بھی مسٹر بینرجی نے نہایت سرگرمی اور جانفشانی دکھائی۔ ۱۸۹۷ء میں مسٹر بینرجی ویلبی کمشن کے روبرو شہادت دینے کے لئے ولایت بھیجے گئے۔ اور انہوں نے ولایت کے قیام کے دوران میں وہاں ایسی تقریریں کیں۔ کہ لوگوں نے نہ صرف ان کی ہی عزت کی۔ بلکہ ان کی نگاہوں میں ہندوستان اور ہندوستانیوں کی عظمت بھی بیٹھ گئی ٭

میونسپل بورڈ کلکتہ کی میونسپل کمشنری

سنہ ۱۸۷۶ء میں مسٹر بینرجی کلکتہ کی میونسپل کمیٹی میں میونسپل کمشنر منتخب کئے گئے ۔
اور ۱۸۹۹ء تک وہ میونسپل کمیٹی کے متواتر ۲۳ سال کے لئے ممبر رہے مگر آخر کار وہ خاص
وجوہات کے باعث مستعفی ہوگئے سنہ ۱۸۹۳ء میں مسٹر بینرجی اصلاح شدہ قانونی کونسل کے
ممبر بنائے گئے سنہ ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۶ء میں وہ کلکتہ کی میونسپل کمیٹی اور سنہ ۱۸۹۵ء میں وہ پریذیڈنسی
ڈویژن کے ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے لئے منتخب کئے گئے ۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں میونسپل
بل پر بحث کرنے کے لئے وہ دوبارہ منتخب ہوئے ۔ کونسل میں رہ کر انھوں نے
حفظان صحت کا قانون سنہ ۱۸۹۵ء میں پاس کرایا ۔ وہ دوبارہ حضور وائسرائے کی آئینی
کونسل کی ممبری کے لئے اٹھے مگر ناکام ہونے کے باوجود بھی تیسری بار وہ اس کونسل
کے ممبر ہوگئے ۔ اور انھوں نے کونسل میں نہایت جانفشانی سے کام کیا ۔ اب بھی
وہ حضور وائسرائے کی قانونی کونسل کے ممبر ہیں اور مسودہ اصلاحات پر تقریریں کرنے
کے لئے ولایت میں تشریف لے گئے تھے ۔

مسٹر بینرجی کی اولاد

مسٹر بینرجی کے ہاں ایک لڑکا اور پانچ لڑکیاں ہیں ۔ چونکہ وہ خود ایک معاشرتی
مصلح ہیں ۔ اس لئے انھوں نے اپنے بچوں کو بھی اچھی طرح تعلیم دی ہے مسٹر بینرجی کلکتہ
سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں رہتے ہیں ۔ جس کا نام منی رام پور ہے ان کو باغبانی
کا خاص شوق ہے اور وہ کئی گھنٹہ روزانہ اسی کام میں بسر کرتے ہیں ۔ اگرچہ ان کی عمر
ستر سال ہے ۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ روزانہ باقاعدہ ورزش
کرتے ہیں ۔

پرائیویٹ زندگی

مسٹر بینرجی نے تقریباً چالیس سال تک ملک و قوم کی خدمت کی ہے اور انہوں نے ہر شعبہ زندگی میں عزت و شہرت حاصل کی ہے۔ وہ ایک سادہ مزاج اور صاف گو انسان ہیں۔ ان کے اعلےٰ دِل و دماغ اور ان کی قوت نطق نے ان کو ہندوستان کے اعلےٰ ترین پایہ کے لوگوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے۔ وہ ایسے لسان اور فصیح البیان ہیں۔ کہ اگر ان کو اٹلی کا سسرو اور یونان کا ڈی ماسینز کہا جائے تو بجا ہے۔ ان کی قوت متخیلہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اور وہ اپنے ارادے کے پکے ہیں۔ وہ کام کاج سے ذرا نہیں کتراتے۔ جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں نیک نیتی اور صاف بیانی سے کہہ دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سرکار دولت مدار اور عوام الناس ان کی عزت و توقیر کرتے ہیں ✤

آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ

تمہید

آنریبل پنڈت مدن موہن مالویہ پکے برہمنوں کے خاندان میں سے ہیں۔ جن کا اصلی وطن مالوہ ہے۔ تقریباً چار سو سال گذرے۔ اُن کا مورث اعلےٰ مالوہ سے الٰہ آباد میں آیا تھا۔ اس خاندان میں پشتوں تک سنسکرت کے فاضل و قابل مصنف پیدا ہوتے رہے ہیں۔ پنڈت جی کے والد ماجد پنڈت برج ناتھ جو چند سال گذرے سرگباش ہو گئے۔ اپنے زمانہ کے فاضل اجل ہوئے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے ایک مشہور و معروف واعظ تھے۔ اور سمترمیت بھاگوت اور دیگر پرانوں میں سے تقریر کرنا انہی پر ختم تھا۔ مہاراجہ صاحب دربھنگہ۔ مہاراجہ صاحب بنارس اور کئی ہندوستان کے راجا اُن کی بہت عزت کرتے اور ان کو تقریباً اپنا گروہی جانتے تھے۔ پنڈت جی مہاراج نے زبان سنسکرت میں کئی مستند کتابیں لکھیں۔ جو پنڈت مالوی جی نے چند ہی سال گذرے شائع کی ہیں۔ اگرچہ پنڈت جی کا خاندان امیر دولتمند خاندان نہیں تھا۔ لیکن ان کے والد ماجد نے کمال درجہ کے حوصلہ و ایثار سے اپنے بچوں کو تعلیم دی۔ اور یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے پنڈت مالوی جی کے عروج و کمال کو دیکھا اور واقعی یہی ان کے اعلےٰ ایثار کا ثمرہ ہونا چاہیئے تھا۔

الٰہ آباد کی اُلفت

پنڈت مدن موہن مالویہ اپنے باپ کے تیسرے بیٹے ہیں۔ وہ ۲۵ - دسمبر ۱۸۶۱ء

کو الہ آباد میں اپنے جدی مکان میں پیدا ہوئے۔ اور چالیس سال کی عمر میں وہ ہندوستان کی غیر سرکاری پارلیمنٹ کے پریزیڈنٹ بن گئے۔ پنڈت مالوی جی الہ آباد میں پیدا ہوئے تھے اور اسی شہر میں انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اس شہر سے بہت اُنس رکھتے ہیں +

زمانۂ تعلیم و مُلازمت

سب سے پہلے پنڈت مدن موہن مالوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دھرم جنیو پدیشک پاٹھ شالہ اور ودیا دھرم وردھنی سبھا میں سنسکرت کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے اور اس کے بعد وہ ایک انگریزی سکول میں داخل کرائے گئے۔ انہوں نے الہ آباد کے ضلع سکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد وہ سنٹرل میور کالج میں داخل ہوئے۔ زمانۂ تعلیم میں ہی انہوں نے رفاہِ عام کے معاملات میں سرگرمی سے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ اور تعلیم و تربیت اور مذہب کے سوالات پر ان کی طبیعت فطرتاً راغب تھی۔ وہ بھی ان اصحاب کے ساتھ شامل تھے جنہوں نے الہ آباد کی علمی انسٹی ٹیوشن اور ہندو سماج کی بنا ڈالی تھی۔ پنڈت مدن موہن مالوی اپنے زمانۂ تعلیم میں کوئی قابل ترین طالب علم نہیں تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس اور ۱۸۸۱ء میں ایف۔ اے۔ اور ۱۸۸۴ء میں بی۔ اے کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۸۸۴ء کے وسط تک وہ مشاہرہ پچاس یا پچھتر روپے ماہوار گورنمنٹ ہائی سکول الہ آباد میں اسسٹنٹ ماسٹر رہے۔ اور ناظرین کے لئے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ کہ آپ کے اس عرصہ ملازمت میں ڈاکٹر ستیش چندر بنرجی نے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے ان سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ اگرچہ پنڈت جی سرکار کے ملازم تھے لیکن اس کے باوجود بھی وہ سیاسی تحریکات میں نمایاں حصہ لیتے رہے۔ اسی عرصہ

ملازمت میں انہوں نے کانگریس کے ایک اجلاس میں تقریر کی۔ اور ان کے گرو پنڈت ادتیا رام بھی اگرچہ میور سنٹرل کالج میں پروفیسر تھے۔ لیکن وہ بھی ۱۸۸۶ء میں کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں ڈیلیگیٹ ہو کر گئے ۔

ان کے خیالات پر دیگر معزز اصحاب کے اثرات

کانگریس کی تحریکات میں سرگرمی سے حصہ لینے کی بدولت پنڈت مالوی جی کی واقفیت کالاکنکر کے راجا رام پال سنگھ پروپرائیٹر اخبار ہندوستان سے ہو گئی۔ راجا صاحب پنڈت جی کی بہت عزت کرتے تھے اور پنڈت جی راجا صاحب کے ایما پر مذکورہ اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ چنانچہ پنڈت جی نے طوعاً و کرہاً سکول کی ملازمت کو ترک کر کے اخبار کی ادارت منظور کر لی۔ کیونکہ وہ سکول ماسٹر کے کام کو قابل ترجیح سمجھتے تھے۔ پنڈت جی دو سال تک بمشاہرہ دو سو روپیہ ماہوار اخبار ہندوستان کے ایڈیٹر رہے۔ انہوں نے قابلیت اور اعتدال سے اس پرچہ کی اشاعت کو اس خوش اسلوبی سے جاری رکھا۔ کہ گورنمنٹ کی انتظامی رپورٹ میں بھی پنڈت جی کی اعلےٰ اور قابلانہ خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ اس کے بعد وہ پنڈت اجودھیا ناتھ کے ایک آزاد گفتار اخبار "انڈین یونین" کے ایڈیٹر ہو گئے مگر انہوں نے اخبار ہندوستان سے قطع تعلق نہ کیا۔ اس اخبار میں بھی پنڈت بلدیو رام دیو کے ساتھ بلکہ وہ اچھی طرح کام کرتے رہے۔ پنڈت جی کے زمانہ ادارت کے بعد بابو برہما نند سہنا انڈین یونین کے ایڈیٹر ہوئے۔ پنڈت جی کا یہ قومی اعتقاد ہے۔ کہ اخبارات کے ذریعہ رائے عامہ اور حکام کے رویہ پر مناسب طریق پر کافی اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ اور انہوں نے کچھ عرصہ بعد لکھو دیا نام ایک ہندی اخبار جاری کیا۔ جو ہفتہ میں دو بار شائع ہو کر دیر سے قومی خدمت بجا لا

رہا ہے مگر پنڈت جی ایک روزانہ اخبار جاری کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ انکی ہی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ الہ آباد سے ایک روزانہ انگریزی اخبار لیڈر کی اشاعت شروع ہوئی +

امتحان وکالت

جب پنڈت جی نے اخبار ہندوستان کو جاری کر رکھا تھا۔ تو مسٹر ہیوم جیسے بعض اصحاب نے جن کا انہیں بہت زیادہ پاس تھا۔ انہیں قانون کے مطالعہ کے لئے مجبور کیا۔ پنڈت اجودھیا ناتھ۔ راجہ رام پال سنگھ اور پنڈت سندرلال نے بھی پنڈت مالوی جی کو قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا مگر پنڈت جی رفاہ عام کے سوا اور کسی کام کے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ مذہب و تعلیم کی ترویج کے خواہاں تھے اور ان کا مطلب زراندوزی نہیں تھا۔ تاہم اُنہوں نے اصحاب مذکور کے مشورہ سے قانونی جماعتوں میں داخل ہو کر تعلیم قانون شروع کر دی اور ساتھ ہی اخبار ہندوستان کو بھی وہ شائع کرتے رہے۔ ۱۸۹۱ء میں پنڈت جی نے ایل ایل بی کی سند حاصل کی اور ۱۸۹۳ء میں اُنہوں نے ہائیکورٹ الہ آباد میں کام شروع کر دیا۔ اگرچہ انہیں بہت سے موقعہ ملے لیکن اُنہوں نے ان کو حقیر جان کر اپنے تئیں رفاہ عام کے کاموں میں ہی مشغول رکھا +

انڈین نیشنل کانگریس میں شرکت

یہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ پنڈت جی زمانہ تعلیم میں بھی رفاہ عام کے کاموں میں نہایت سرگرمی سے شریک ہوا کرتے تھے۔ اور الہ آباد کی انسٹی ٹیوٹ میں اپنے آپ کو ایسا بنانے کے لئے وہ مشق کرتے رہے تھے۔ اُنہوں نے بعض سرکردہ

اصحاب کے ساتھ مل کر ہندو سماج کی بنا ڈالی تھی۔ اور وہ اس کے ایک سرگرم رکن تھے۔ اس کے علاوہ سیاسیات میں بھی وہ نمایاں حصہ لیتے رہے تھے۔ ۱۸۸۶ء میں پنڈت جی انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے۔ جب اس کا اجلاس دوسری مرتبہ مسٹر دادا بھائی نوروجی کے زیر صدارت کلکتہ میں ہوا تھا۔ اور جب انہوں نے اجلاس میں بعض اصحاب کو تقریر کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ان کے دل میں بھی تقریر کا خیال آیا۔ چنانچہ پنڈت اودھیارام کی تحریک سے انہوں نے ایک تقریر کی جس سے سامعین پر خوشگوار اثر پڑا۔ اگلے سال بھی کانگریس کے اجلاس منعقدہ مدراس میں انہوں نے قانونی کونسل کی اصلاح پر تقریر کی۔ اور ان کو اس کے بھی تقریر میں بہت کامیابی ہوئی کیونکہ سرٹی مادھو راؤ۔ دیوان بہادر رگھوناتھ راؤ مسٹر ارڈلی نارٹن اور مسٹر ہیوم جیسے سرکردہ اور باعلم احباب نے پنڈت جی کی اس موقعہ پر بہت تعریف کی۔ سر چارلس شون۔ سر فیروز شاہ مہتہ۔ مسٹر کین۔ مسٹر ڈگبی۔ اور دیگر حضرات نے بھی اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ اور پنڈت جی نے کانگریس کو ترقی دینے کے لیے اس ساعی جمیلہ سے کام کیا۔ کہ کانگریس کے اجلاس منعقدہ مدراس میں ممالک متحدہ کی طرف سے بھی اجلاس میں ڈیلیگیٹ شامل ہوئے۔

کانگریسی کمیٹی کے سیکرٹری

مسٹر ہیوم کے ایما پر وہ ممالک متحدہ کی ایسوسی ایشن اور سٹینڈنگ کانگریس کمیٹی کے سیکرٹری بھی ہوگئے۔ اور کئی سالوں تک وہ یہ کام کرتے رہے۔ مسٹر ہیوم چاہتے تھے۔ کہ مدراس کے بعد کانگریس کا اجلاس الہ آباد میں ہو۔ چنانچہ اسی سلسلہ کے متعلق انہوں نے پنڈت جی سے کہا اور ۱۸۸۸ء کا اجلاس الہ آباد میں ہی ہوا اگرچہ پنڈت بشمبر ناتھ نے سرگرمی سے کام کیا۔ مگر تاہم پنڈت اجودھیا ناتھ بعد میں

شامل ہو گئے اور اُنھوں نے نہایت فیاضی سے کام کیا۔ پنڈت جی سیکرٹری کا کام
کرتے تھے۔ اور رائے بہادر لالہ رام چرنداس اور بابو چرو چندر مترا بھی شامل رہے
۱۸۹۲ء میں یہ ارادہ کیا گیا کہ کانگرس کا آٹھواں اجلاس الہ آباد میں ہو۔ مگر چونکہ پنڈت
اجودھیا ناتھ سرگباش ہو چکے تھے۔ اس لئے لوگوں کو بہت زیادہ مایوسی تھی۔ اور
کانگریس کے جائنٹ جنرل سیکرٹری مسٹر ڈبلیو سی بنیرجی کو لکھا گیا کہ کانگریس
الہ آباد میں نہ ہو مگر باہمت پنڈت مدن موہن مالوی نے پنڈت بشمبر ناتھ کے ساتھ مشورہ
کرکے کانگریس کا اجلاس الہ آباد میں ہی منعقد کیا۔ ۱۹۰۸ء میں پنڈت جی ممالک
متحدہ کی کانفرنس کے صدر بنے اور ۱۹۰۹ء میں انہیں ایک اور تحریک کا پریذیڈنٹ
بنایا گیا ؎

میونسپل بورڈ کے ممبر رہے

بہت زیادہ سال گذرے پنڈت جی الہ آباد میونسپل بورڈ کے ممبر بھی رہ چکے
ہیں۔ اور اسی عرصہ میں وہ ایک یا دو مرتبہ اُس کے وائس پریذیڈنٹ بھی رہے
پندرہ سال گذرے وہ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بھی بنائے گئے۔ اس کے بعد وہ پنڈت
بشمبر ناتھ کی ضعیفی کے باعث ۱۹۰۲ء میں انکی جگہ ممالک متحدہ کی قانونی کونسل کے
ممبر بھی ہوئے۔ اور اس وقت سے وہ مذکورہ کونسل کے ممبر چلے آتے ہیں۔
زمانہ ممبری میں اُنہوں نے اپنی قابلیت۔ اعتدال پسندی۔ اور ذمہ داری
کے احساس کی بدولت اپنے آپ کو ممتاز بنا لیا۔ بندیل کھنڈ کے قانون آراضی
اور مسکرات کے قانون پر اُنہوں نے جو تقریریں کیں۔ اُن سے پنڈت جی کی قابلیت
کا مکمل انکشاف ہوتا ہے۔ اور آنریبل پنڈت موتی لال نہرو اور آنریبل بابو گنگا پرشاد
کے ساتھ ملکر وہ رائے عامہ کا اظہار کرتے رہے۔ صوبہ کی مالی آمدنی کے غیر برگذری

بنانے اور صوبہ کی گورنمنٹ کی آئینی حالت کے متعلق انہوں نے ڈی سنٹرلائزیشن کمیشن کے
سامنے نہایت واضح شہادت دی اقتصادی امور پر وہ نہایت وضاحت سے تقریریں
کرتے رہے۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ وہ بعد میں حضور وائسرائے کی قانونی کونسل کے غیر سرکاری
ممبر بھی منتخب کئے گئے۔ عدالت میں ہندی کی ترویج کے سوال پر بھی پنڈت جی نے
دو سال تک محنت سے غور و خوض کی +

تعلیمات میں سرگرمی

پنڈت جی طلباء کے طبقہ کی بہبودی کے لئے نہایت سرگرمی سے کام کرتے
رہے ہیں۔ انہوں نے آنریبل پنڈت سندر لال کی معیت میں الہ آباد میں ہندو بورڈنگ ہوس
کے بنانے کی تحریک کی۔ چنانچہ یہ عمارت بھی تیار ہو گئی۔ اور سر انٹنی میکڈانل کے جانشین
سر جیمس لاٹوش نے اس عمارت کا افتتاح کیا۔ طلبا کی بہبودی کے کام میں سرگرمی
کے اظہار کے بدولت پنڈت جی سکول کمیٹی کے ممبر بنائے گئے +

مذہبی جوش و اعتقادات

پنڈت جی کے مذہبی جوش کا پہلے بھی کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ ایک
فیصلہ شدہ سوال ہے کہ انہوں نے تمام اچھے خصائل اور اچھے اخلاق مذہبی پابندیوں
کی بنا پر ہی اپنے آپ میں پیدا کئے ہیں۔ پنڈت جی ریت و رسم پر یقین رکھتے ہیں۔ اور
وہ ملک میں مذہبی تجدید کی توقع رکھتے ہیں۔ سکولوں میں وہ مذہبی تعلیم کو مقدم جانتے ہیں۔
اسی لئے انہوں نے سکولوں میں مذہبی تعلیم کے جاری کرنے کے لئے مذہبی کتابیں
خود مرتب کی ہیں۔ انہوں نے جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں الہ آباد میں سناتن دھرم کی مہاسبھا کا
کے اجلاس کا انتظام کیا۔ اور اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے سبھا کے انعقاد

بہت روپیہ صرف کرنے کے علاوہ بہت زیادہ محنت بھی کی۔

پنڈت جی کا عقیدہ ہے کہ حقیقی تعلیم یعنی مذہبی تعلیم کی بدولت ہی طلباء ترقی کر سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بنارس میں ہندو یونیورسٹی کی بنا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انکی متواتر کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ بنارس کی مجوزہ یونیورسٹی ایک حقیقت بن کر ہندوستان میں قائم ہو گئی۔

سودیشی کی تحریک

پنڈت مدن موہن مالویہ گذشتہ تیس سال سے سودیشی تحریک کے زبردست موید ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دیسی مال کے مقبول کرنے کے لئے ۱۸۸۱ء میں دیسی تجارت کمپنی کی دکان کھلوائی۔ وہ خود اس کے زبردست حامی بنے اور گذشتہ کئی سال سے وہ دیسی اشیائ کے استعمال پر زور دیتے رہے ہیں۔ وہ یورپین مال کے بائیکاٹ کو اچھا نہیں سمجھتے لیکن دیسی اشیاء کو وہ نفیس اور یورپین اشیاء پر ترجیح دیتے۔

صنعت کی حمایت

پنڈت جی نے صنعتی تحریک کے مقبول بنانے میں بھی معتدبہ کوششیں کی ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں انہوں نے ہندوستانی صنعتی کانفرنس کا اجلاس بنارس میں اور ۱۹۰۷ء میں ممالک متحدہ کی صنعتی انجمن کا جلسہ الہ آباد میں منعقد کر دیا۔ اصطلاحی تعلیم کی ترقی کے سوال میں بھی وہ نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ بنارس کی ہندو یونیورسٹی انہوں نے زیادہ تر اسی نیت سے قائم کرائی ہے۔ کہ وہاں صنعتی اور اصطلاحی تعلیم کو رائج کیا جائے۔ سر جان ہیوٹ کی گورنمنٹ نے ۱۹۰۷ء میں نینی تال میں صنعتی کانفرنس کا اجلاس کیا تھا پنڈت جی اس کے ممبر مقرر ہوئے۔ اور انہوں نے پریاگ کی جینی کی تجارتی

کمپنی کے قائم کرنے میں بہت زیادہ حصّہ لیا۔

خانگی زندگی میں بھی پنڈت جی ایک مخیّر طبع انسان ثابت ہوئے ہیں اُنہوں نے اگرچہ کسی جگہ بہت زیادہ رقم بطور خیرات نہیں دی مگر ایسی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ جن سے اُنکی سخاوت کا ثبوت ملتا ہے۔ معاشرتی اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے کاموں میں اُنہوں نے بہت حصّہ لیا ہے۔ ایک بار الہ آباد میں پلیگ کا دورہ شروع ہو گیا۔ اُس وقت مسٹر فیرر ڈسی۔ آئی۔ ای جو ایک ہردلعزیز افسر تھے الہ آباد کے کالکٹر تھے۔ اُنہوں نے پنڈت مدن موہن مالویہ جی سے جو اس وقت میونسپل بورڈ الہ آباد کے وائس پریذیڈنٹ تھے انسدادی تدابیر کے عمل میں لانے کے لئے کہا اور آفرین کا مقام ہے کہ پنڈت جی نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ الہ آباد کی ایک تاریک گلی میں اس مرض کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی صفائی جاری تھی۔ اور پنڈت جی تقریباً پندرہ روز تک خود اس کا معائنہ کرتے رہے۔ جب بد قسمتی سے شہر کے دیگر محلوں میں بھی مرض شروع ہو گیا تو دیگر میونسپل کمشنروں نے بھی پنڈت جی کی تقلید کی۔

انسداد طاعون کے لئے اُنہوں نے صحتیہ باغ میں ایک کیمپ بنوایا جہاں قریباً ۹۰۰ نفوس کو مرض سے نجات رہی۔ پنڈت جی اس کیمپ کے معائنہ کے لئے صبح و شام روزانہ دو بار جایا کرتے تھے۔ طاعون کے ہسپتال میں وہ خود بھی مریضوں کے دیکھنے کے لئے جاتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی بیماروں کی عیادت و تیمارداری کی ترغیب دیتے تھے۔ دوسرے سال مذکورہ کیمپ اس قدر مقبول عام ہو گیا۔ کہ وہاں تقریباً تین ہزار نفوس نے سکونت اختیار کر لی۔

قانونی کونسل میں پنڈت جی نمونہ کی سرکاری بستیوں کے بنانے کے متعلق زور دیتے رہے ہیں۔ اور ملکٹ گنج کی تعمیر انہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ صوبہ کی گورنمنٹ نے نینی تال میں حفظان صحت کی کانفرنس قائم کی تھی۔ پنڈت جی اس کے بھی ممبر بنائے

گئے۔ پنڈت جی ہندوستان کی فلاح و بہبودی کے لئے نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہے ہیں چنانچہ لارڈ ہارڈنگ نے اپنی تقریر میں ہندو یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھتے وقت پنڈت جی کی قابلانہ خدمات کا اعتراف کیا تھا۔

پرائیویٹ زندگی

پنڈت جی نے ملک کی صنعتی اور اصلاحی ترقی کے لئے اپنا وجود وقف کر رکھا ہے اور انہیں اپنی کوشش میں کامیاب ہونے کا یقین کامل ہے۔ وہ ایک سادہ مزاج بلند خیال۔ وسیع النظر اور محب وطن انسان ہیں۔ اور جب کبھی ملک کو ان کی خدمت کی ضرورت پڑی ہے انہوں نے اعلےٰ درجہ کا ایثار دکھا کر اپنی خدمات پیش کر دی ہیں۔ قانونی مسائل پر انکو وہ عبور و دسترس ہے کہ اعلےٰ حکام بھی اُنکے مداح ہیں۔ بہرحال پنڈت جی کا وجود اہل ہندوستان کے لئے مغتنم ہے اور امید ہے۔ کہ انکی ذات بابرکات سے ملک کے لوگ عرصہ تک مستفید ہوتے رہیں گے۔

پنڈت مالوی جی کی خدمت پنجاب

پنڈت جی نے حضور وائسرائے ہند کی کونسل کے اجلاس منعقدہ ماہ ستمبر میں پنجاب کے معاملات کا نہایت خوش اسلوبی سے ذکر کیا اور رہبر قوم کی مشکلات کے باوجود بھی انہوں نے نہایت مستقل مزاجی سے تن تنہا وہ کام کیا جو بہت سے اراکین کونسل بھی ملکر سرانجام نہیں دے سکتے تھے انہوں نے پنجاب کے فساد زدہ اضلاع میں دورہ کر کے فسادات کے متعلق ہر قسم کی واقفیت حاصل کی اور اس کی بنا پر انہوں نے کونسل میں فسادات پنجاب کے سلسلہ میں ۹۲ سوال پوچھے۔ جہاں تک معلوم ہوتا ہے انہوں نے واقعات پنجاب کی تحقیقات نہایت تندہی اور سرگرمی سے کی ہے اور معاملات پنجاب کے متعلق جو تقریر انہوں نے کونسل

میں کی ہے وہ بھی استدلال و اعتدال کے لحاظ سے نہایت سوجہ اور موضح ہے۔ انگریزی
اخبار "بمبئی کرانیکل" ان کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جن حضرات نے کونسل میں
ملکی حمایت میں مساعی جمیلہ کا ثبوت دیا ہے ان میں سے پنڈت جی کا نام قابل فخر ہے ہمیں
یقین ہے کہ ہندوستان کے لوگ متفق الزبان ہو کر اُن کی اِن نمایاں خدمات کے صلہ
میں تشکر و امتنان کا اظہار کرینگے۔ اور پنڈت جی کی یہ اہم خدمات بھی بہت دیر
تک یادگار رہینگی +

سر رابندرا ناتھ ٹیگور

تمہید

ہندوستان کے علمی آسمان کے افق پر سر رابندرا ناتھ ٹیگور ایک روشن ترین ستارے کی مانند ہیں وہ بنگال کے زندہ شعرا میں سے کامل ترین شاعر ہیں اور انہوں نے صوبہ کی علمی تجدید میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ اِس کے علاوہ انہوں نے بنگال کے دیگر امور میں بھی بہت زیادہ اصلاح کی ہے ؏

زمانۂ طفولیت

سر رابندرا ناتھ ٹیگور سنہ ۱۸۶۱ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے والد ماجد مہارشی دیبندرا ناتھ ٹیگور نے آدی برہمو سماج کی بنا ڈالی تھی اور وہ کمال درجہ کے محب وطن تھے۔ دنیاوی نمود سے وہ معرا تھے اور سادگی انکی مزاج کا خاصہ تھا۔ سر رابندرا ناتھ ٹیگور مہارشی صاحب کے سب سے چھوٹے لڑکے ہیں۔ ان کی والدہ ان کی اوائل عمر میں رحلت کر گئیں۔ اور اس وقت سے ہی انہوں نے مادر قدرت کو اپنی ماد ِ شفیق سمجھا۔ سکول میں اُن کا زمانہ تعلیم فرحت آمیز نہیں تھا۔ کیونکہ وہ تعلیم جسے عصر جدید کی تعلیم کہا جاتا ہے اُن کے مذاق کے مقابلہ میں بالکل بے لذت اور بے ذوق تھی۔ ان کے والد ان کو اپنے سفر ہمالیہ میں ہمراہ لے گئے۔ اور وہ سفر میں نہایت بشاش رہے۔ ان کا علمی زمانہ کی ابتدا جلدی ہی ہو گئی اور ودیا پتی اور چانڈی داس کے کلام منظوم سے وہ بہت حد تک متاثر ہوئے۔ چنانچہ صبح و شام کی اُن کی دعائیہ نظموں میں ان کی قابلیت اور

چھاپہ خانہ طبع مشرقی ہے۔ اُن کا خاندان بھارتی کے نام سے ایک رسالہ شائع کرتا تھا۔ اور وہ اس کے لئے مضامین لکھا کرتے تھے۔

زمانۂ تعلیم و سفر انگلستان

مسٹر رابندر ناتھ ٹیگور سترہ سال کی عمر میں تعلیم کے لئے انگلستان بھیجے گئے۔ اور ولایت میں وہ کچھ عرصہ تک یونیورسٹی کالج میں تعلیم پاتے رہے۔ تقریباً ایک سال کے بعد وہ ولایت سے واپس آ گئے۔ اور کچھ عرصہ یہاں بسر کر کے دوبارہ ولایت چلے گئے۔ مگر انہوں نے اپنے اندر قانونی مذاق کی کمی پائی۔ اور وہ پھر ہندوستان میں ہی آ گئے۔

علمی سرگرمی کا آغاز

ہندوستان میں واپسی کے وقت سے ہی اُنہوں نے مضامین نثر نظمیں گیت اور ترانے۔ کہانیاں۔ ڈرامے اور بھجن لکھنے شروع کر دیئے۔ اور فی الحقیقت انکی نغزگوئی نہایت ہی قابل تعریف ہے۔ جب انکی عمر تیئیس سال ہوئی تو اُنہوں نے شادی کی۔ اس وقت ان کے والد ماجد نے انہیں کہا کہ وہ شلیڈہ کی جاگیر میں جاکر اراضیات کا انتظام کریں اگرچہ مسٹر ٹیگور نے اول اول اپنی نارضامندی ظاہر کی۔ مگر جب وہ طوعاً و کرہاً وہاں تشریف لے گئے تو اہل بنگال کی زندگی کے حالات۔ بنگال کے رسم و رواج اور قدرت کے مشاہدات سے اُن کے خیالات پر بہت گہرا اثر پڑا۔ وہاں بھی اُنہوں نے کئی ڈرامے تصنیف کئے۔ جب انکی عمر بتیس سال کی ہوئی۔ تو اُنہوں نے بنگالی زبان میں عشقیہ نظمیں موزوں کیں شلیڈہ میں مسٹر ٹیگور تقریباً سترہ سال تک رہے۔ اور اس کے بعد انکی دھرم پتنی لڑکی اور سب سے چھوٹا لڑکا فوت ہو گیا۔ ان حوادث سے وہ مغموم نہ ہوئے۔ بلکہ ان کے خیالات میں اور بھی وسعت ہو گئی۔ کیونکہ شاعر کے دل کا خاصہ ہے کہ رنج و غم کے طوفان سے اس

کے خیالات میں ایک سچا پن پیدا ہوتا ہے اور وہ اس جوشِ طبعی کی بدولت بلند طبقات تخیل کی سیر کرتا ہے چنانچہ بیوی۔ لڑکی اور بچے کی وفات کے بعد انہوں نے گیتانجلی لکھی انہوں نے اپنا ایک لڑکا تعلیم کے لئے ولایت بھیج رکھا تھا چنانچہ وہ اپنی صحت اور اپنے لڑکے کی ملاقات کے لئے ولایت تشریف لے گئے۔

انگلستان میں پہنچنے کے بعد انہوں نے بہت سی نظموں کا منظوم ترجمہ کیا اور انہی نظموں کے اعلےٰ پایہ کی بدولت انہیں آٹھ ہزار (۸۰۰۰) پونڈ ۱۹۱۳ء میں بطور انعام ملے۔ یہ انعام "نوبل پرائز" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس شخص کو دیا جاتا ہے جو اپنے مضامین نثر اور کلام منظوم یا کسی اور صیغہ علم میں دنیا بھر میں سبقت و فوقیت حاصل کرے۔

بول پور سکول کی افتتاح

اس رقم سے انہوں نے بول پور میں ایک سکول جاری کیا ۱۹۱۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے انہیں "ڈاکٹر آف لٹریچر" کی ڈگری عطا کی گئی۔ اور اس کے بعد ہی انہیں "سر" کا اعزاز عنایت کیا گیا۔ اس کے بعد وہ جاپان اور امریکہ میں تشریف لے گئے۔ اور انہوں نے وہ تمام رقوم جو انہیں انکی نظموں اور ان کے لیکچروں کے عوض ملیں اپنے سکول کے اخراجات کے لئے دیدیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک "آرٹ ہوس" بھی کھول رکھا ہے جہاں فن و ہنر اور صنعت و حرفت بھی سکھائی جاتی ہے اور ان کا سکول ہندوستان کے اعلےٰ سکولوں کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔

سر رابندرا ناتھ ٹیگور کی شخصیت

سر ٹیگور ایک جنٹیل و شباہت کے آدمی ہیں چنانچہ مسٹر بسنت کمار رائے لکھتے

ہیں کہ نامور ہندو شاعر ٹیگور کے لمبے بال۔ کشادہ پیشانی جو تقاضا طبیلتی اثر رکھنے والی روشن اور سیاہ آنکھیں۔ باریک ناک۔ نرم ٹھوڑی۔ نرم ہاتھ۔ سُریلی آواز۔ خوشگوار تبسم طرز مذاق اور فطرتی شرافت بھی ان کی شخصیت کا آئینہ ہیں۔ ان کی ملاقات ایک صادق صاحب ہنر کی ملاقات ہے۔ اور انکی شیریں طبع اور بے غرضانہ خصائل سے ہر ایک ملاقاتی کے دل میں ان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ تیرنے اور کشتی کھینے کے بہت مشتاق ہیں۔ اور موسیقی میں انہیں خاص مذاق حاصل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کئی بار صبح سے لیکر شام تک متواتر نغمہ سرائی میں مصروف رہے ہیں۔ قدرت کی رنگینیوں سے انہیں عشق صادق ہے اور اُن کا مذہبی جوش بھی قابل مثال ہے۔ ان کے نصب العین حقیقی ہیں اور وہ نہایت فراخدل انسان ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب ان کے مزارعان اجارے کی آدائیگی نہیں کر سکتے۔ تو وہ انہیں معاف بھی کر دیا کرتے ہیں

بول پور کے سکول میں وہ بچوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اور بچے بھی ان سے بہت اُنس رکھتے ہیں اگرچہ وہ شاعرانہ طبیعت کے آدمی ہیں۔ مگر اپنے ملک کی خدمت میں بھی وہ سرگرمی سے حصّہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں اُنھوں نے صوبہ کی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پبنہ کی صدارت بھی قبول کی تھی۔ ان کے اقوال و افعال اور خیالات سے حب الوطنی مترشح ہے۔ وہ شاعر ہی نہیں بلکہ اپنے خصائل کی بدولت ایک ولی یا سنت بھی کہلانے کے مستحق ہیں +

بول پور سکول کا حال

بول پور میں سر ٹیگور کا سکول بھی قابل ذکر ہے۔ اِس میں ہندوستانی طلبا کی صحت اور ان میں قابلیت پیدا کرنے کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ہندوستان قدیم کے طریقہ تعلیم اور تہذیب کا خاص احترام کیا جاتا تھا۔ اُستاد کی خاص عزت کی جاتی تھی۔ اور طالب علم

کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ متعلم و معلم کے ذہن میں تعلیم کا تجارتی نقشہ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ طلباء کو باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دیا جاتا تھا۔ مگر مسٹر ٹیگور کے سکول کی خصوصیت ہے کہ قدیم و جدید طریقۂ تعلیم کی آمیزش کر دی گئی ہے۔ تعلیم بنگالی میں دی جاتی ہے۔ علی الصباح ساڑھے چار بجے طلباء کی ایک جماعت نغمہ سرائی کرتی ہوئی سکول کے گرد چکر لگا کر خفتگانِ غفلت کو صبح کے نظاروں کی دید کے لئے بیدار کرتی ہے۔ سکول کے لڑکے اپنے کمروں کی خود صفائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کھلی ہوا میں جسمانی ورزش اور غسل کے لئے جاتے ہیں اور اشنان سے فارغ ہو کر وہ آدھ گھنٹہ کے لئے پرارتھنا کرتے ہیں۔ صبح کے سات بجے سے دس بجے تک اور سہ پہر کو ۲ بجے سے ۵ بجے تک سکول کی تعلیم ہوتی ہے۔ اگر موسم خوشگوار ہو تو بچوں کو درختوں کے پُر فضا سایہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ شام کے وقت بڑی جماعتوں کے لڑکے دیہاتی لڑکوں کو پڑھانے کے لئے مضافات کے دیہات میں چلے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو موسیقی بھی سکھائی جاتی ہے اور کسی قسم کی جسمانی سزا انہیں دی جاتی۔ غرضیکہ یہ سکول لڑکوں کی جمہوریت ہے اور سکول کا انتظام بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔ معلم متعلمین کے ساتھ نہایت خوش و خرم رہتے ہیں۔ تعطیلات میں استاد اور لڑکے سیر کے لئے مختلف مقامات میں چلے جاتے ہیں۔ دن کے کام کاج کے بعد لڑکے ساڑھے نو بجے سو جاتے ہیں اور اس وقت بھی طلباء کا ایک گروہ شام کا ترانہ گاتا ہوا سکول کے گرد چکر لگاتا ہے یعنی صبح و شام دونوں وقت بچے دن کی ابتدا اور اس کا خاتمہ موسیقی سے ہی کرتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر ٹیگور کے سکول کے متعلق مسٹر ریمزے میکڈانلڈ فرماتے ہیں۔ کہ یہ سکول بچوں کی مذہبی تعلیم کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ یہاں ہندوستان کی زندگی کی مثالیں موجود ہیں۔ لڑکے بیرونی حالات سے واقف ہیں۔ اور زندگی کا عجیب لطف اٹھاتے ہیں +

سر ٹیگور کا دل و دماغ اور فنِ شاعری

سر ٹیگور کو خدا نے وہ دِل اور دماغ عطا کیا ہے کہ ان کے نفس کی خوبی کا اندازہ لگانا محال معلوم ہوتا ہے اُنھوں نے اپنے مضامین نثر اور کلام منظوم میں ہندوستانی زبانوں کی خوبیاں منعکس کر دکھائی ہیں۔ اور اپنی زبان بنگلہ کو تو ایسا پُر زور کر دکھایا ہے کہ اقوامِ عالم بھی اب اس کا سکہ مانتی ہیں۔ ان کا انگریزی طرزِ تحریر بھی فرنگستان کے زباندانوں کے نکتہ نظر سے نہایت ہی اچھوتا اور عجیب و غریب ہے۔ ان کے کلام میں تصوف اور روحانیت کے ارتقائے اعلےٰ کا منظر مستور ہے۔ رنگین شعلے اور سریلے اشارے جو سر ٹیگور موسیقی کی بدولت اپنے کلام منظوم میں کرتے ہیں۔ ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کرۂ زمین پر نہیں۔ کرۂ باد میں نہیں بلکہ کسی ایسے رُوحانی کرہ کے مکین ہیں جہاں ملائک اپنی سُریلی تانوں میں حمدِ الٰہی کے ترانے گاتے اور جوشِ مسرت سے وجد و حال میں آتے ہیں سر ٹیگور ہندوستانِ قدیم کے علمی کمالات کا مجسمہ ہیں۔ اور انکے کلام منظوم میں عشق کا سمندر متلاطم دکھائی دیتا ہے چنانچہ مسز بسنت کا رائے رقمطراز ہیں۔ کہ مسٹر ٹیگور کے دِل و دماغ اور روح سے عشق کا آبشار متواتر جاری ہے اور ثریے و ثریا کے درمیان اور محدود و لا متناہی کے مابین وہ عجیب عجیب رنگ دکھلاتے ہیں۔ ان کے کلام میں ماں اور باپ میاں اور بیوی اور عاشق و معشوق کی اُلفت و محبت کا فوٹو نظر آتا ہے۔ وہ قدرت کے حسن اور روحانیت کی ترنگ کی آمیزش سے جذباتِ انسانی کو متاثر کرتے اور انسانی رُوح پر ایسا پُر لطف اثر ڈالتے ہیں کہ انسان کو سرورِ حقیقی حاصل ہوتا ہے۔ ان کی داستانوں اور ان کے ڈراموں سے بھی موسیقی کی لے مترشح ہے۔ اور شاعری کی افضل ترین خوبی تو یہ ہے کہ اس میں سادگی اور آمد ہو۔ چنانچہ نظم کا مقام ہے کہتا ہے کہ گرگ شدت کے موجب فخر و مایۂ ناز سر ٹیگور میں سادگی۔ جدت اور آمد بھی کمال درجہ کی موجود ہے۔ چنانچہ

ریورنڈ مسٹر سی۔ ایف۔ اینڈریوز لکھتے ہیں۔ کہ سر رابندرا ناتھ ٹیگور میں بھی انگلستان کے شہرۂ آفاق شاعر شیکسپیئر کی مانند سادگی موجود ہے۔ اور سادہ انسانی حسیات معصوم بچوں اور نوجوانوں کے جذبات معمولی مسرت اور غم۔ انسان کی وصال حقیقی کی آرزوئیں۔ سوز و گداز، سادگی اور اعلےٰ خیالات سر ٹیگور کا خاصہ ہیں۔ اس کے علاوہ سر ٹیگور کی شاعری قومی شاعری ہے اور ان کے کلام منظوم میں قومی درد اور قومی ہمدردی کی جھلک ہی نہیں بلکہ قومی سوز و گداز کا مجسمہ فانوس مشتعل دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ ہندوستان کے زندہ اور روشن ترین اوتار معلوم ہوتے ہیں ٭

سر ٹیگور کی شاعری

سر ٹیگور کے کلام منظوم میں سے "کریسینٹ مون" ہماری توجہ کو خاص طور پر اپنی طرف منعطف کرتی ہے۔ اس نظم میں آسمان بچہ کے دل و دماغ کا ایک گہوارہ ہے جس میں بچہ عالم طفولیت میں زندگی کے نئے نئے لطف حاصل کرتا ہے۔ اس نظم سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بچے مسرت کا ایک عام سرچشمہ ہیں۔ اور بچوں کی فطرت میں آسمانی سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ اس نظم میں بچوں کی فطری راحت اور قابل محبت طبیعت کا ذکر ہے اور بتلایا گیا ہے۔ کہ بچے خوبصورت کھلونوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور اُن کا تخیل سادہ اور معصومانہ ہوتا ہے۔ اس نظم کا بہترین سبق یہ ہے کہ بچے ہمارے خیالات میں زندگی کے عناصر کو زندہ رکھتے ہیں اور انکے ذریعہ خدا سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ سر ٹیگور کی نظم بعنوان گارڈنر میں عشق و محبت کا حقیقی فوٹو کھینچا گیا ہے۔ یہ نظم عشقیہ ہے اور اس میں بھی لطافت و سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ شاعر نے اس نظم میں زندگی کے پرجوش نظارہ کی کیفیت بیان کی ہے سر ٹیگور کی باقی نظموں میں بھی جن کا ابھی تک ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یہی رنگ بھرا ہے۔ سر ٹیگور اور بھگت کبیر کی قوت تخیل یکساں معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ

ہے کہ انہوں نے بھگت کبیر کی تقریباً ایک سو نظموں کا آسانی سے ترجمہ کیا ہے گیتانجلی میں وہ شاعرانہ شان دکھائی گئی ہے کہ شاعر کے قوائے ذہنی اور قوتِ خیال کا بیّن ثبوت اس نظم سے ملتا ہے ہر ایک خیال ایک درخشندہ گوہر ہے اور نظم حقیقی شاعری کا سچا نمونہ ہے۔ اس نظم کا خاصہ یہ ہے کہ انسانی زندگی ارتقائے روحانی کے بعد وصالِ یزدانی سے بہرہ اندوز ہوتی اور آخر کار وہ زندگی کے اس چشمۂ لامتناہی میں مل جاتی ہے۔ جہاں سے انسان کا آغاز ہوتا ہے۔ نظموں کے مطالعہ سے دل ایک وجدانی کیفیت سے معمور ہو کر مسرت اور بہشت کے جذبۂ لافانی کا حظ اٹھاتا ہے۔ چنانچہ مسٹر ییٹس گیتانجلی کی تمہید لکھتے وقت کہتے ہیں کہ "ٹیگور نے روح کے ماخذ کا پتہ لگا کر اپنے تئیں رضائے الٰہی کے سپرد کر دیا ہے اور سادگی اور عصمت کو اپنا مطمح نظر بنا لیا ہے"۔ فرٹ گیدرنگ میں بھی حسن و لطافت کا تذکرہ ہے اور اس سے پتہ ملتا ہے کہ ہندوستان کے مشاہیر کے واقعاتِ زندگی پر بھی خوبصورتی اور روحانی جذبہ کی موج متلاطم تھی اور انہوں نے اسی کی بدولت کارہائے نمایاں کر دکھائے تھے۔ انسان اس نظم کے مطالعہ سے بھی خود بخود متاثر ہو کر اپنے آپ کو عالمِ بالا میں پاتا ہے جس کی سیر زہد و اتقا اور صدق و صفا کی بدولت ہی میسر ہو سکتی ہے۔

ٹیگور کے ڈرامے

ٹیگور کے ڈرامے ایسے معمولی مغربی ڈراموں کی تقلید میں نہیں لکھے گئے جن میں محض ڈرامے کے لوگوں۔ ان کے چال چلن اور ان کے کارناموں کا ہی ذکر ہوتا ہے بلکہ ٹیگور نے اپنے ڈراموں میں مسرت کی برکت۔ زندگی کے فرائض اور اشیاء کے روحانی منشا و اثر کی شان پیدا کر دی ہے "والمیکی پرتیبھا" انہوں نے سب سے پہلے لکھا تھا۔ اور اس میں رموزِ فوقانی کو اچھی طرح مدِ نظر رکھا گیا ہے "پراکرتی پرتیشودھا"

ہیں علم پر محبت کی فوقیت بتلائی گئی ہے۔ دیگر ڈراموں میں بھی سادگی تخیل اور روحانیت کی تلاش کا تذکرہ ہے۔

سر ٹیگور کی داستانیں

ہندوستان میں جتنی داستانیں بنائی گئی اور زبان زد خلائق ہیں اتنی داستانیں کسی اور ملک میں شاید ہی لوگوں میں مشہور ہونگی۔ چنانچہ ہمارے لئے یہ بھی موجب فخر ہے۔ کہ ہمارے ملک کی داستانیں ہی تمام مہذب دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اور اگرچہ آج ہندوستان نے نئی تہذیب کی پوشاک زیب تن کر لی ہے۔ مگر پھر بھی دیہات میں میرزادے اور جوگی لوگ پرانے قصوں کہانیوں اور افسانوں سے دیہاتیوں کے دل کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ سر ٹیگور نے بھی اپنی قوت کمال سے ان پرانی کہانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ اور ان کی بنائی ہوئی داستانوں میں ہندوستانیوں کی حقیقی زندگی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

سادھنا

سر ٹیگور نے اس کتاب میں مسئلہ حیات پر بحث کی ہے۔ پہلے صفحات میں انہوں نے دکھایا ہے۔ کہ ہندوستان کی تہذیب کا مخزن شہر نہیں بلکہ دیہات ہیں دوسرے حصہ میں روح کی بیداری کا ذکر ہے تیسرے حصہ میں بدی پر بحث کی گئی ہے اور چوتھے حصہ میں خودی کا تذکرہ ہے۔ سر ٹیگور لکھتے ہیں۔ کہ انسان کا اعلٰے فرض یہ ہے کہ وہ اتحاد قلبی حاصل کرے۔ آخری چار حصوں میں علم۔ فعل۔ حسن اور خدا کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ سر ٹیگور کی تعلیم کا لب لباب یہ ہے۔ کہ حقیقی خوشی اشیاء کے حصول میں مضمر نہیں۔ بلکہ حقیقی خوشی یہ ہے کہ انسان اپنے ملک اپنے اہل وطن اور اپنے

خدا کے متعلق غور و خوض کرنا ہوا روحانی اصلاح اور اپنے وطن کی فلاح کا خواہاں ہو

سر ٹیگور کی باقی تحریریں

ان ڈراموں نظموں۔ ناولوں۔ داستانوں اور کہانیوں کے علاوہ سر ٹیگور نے بیشمار تاریخی۔ ادبی۔ معاشرتی اور تمدنی مضامین بھی لکھے ہیں۔ ان کے ملفوظات احساس اور دانش سے معمور ہیں اور ان میں اُن کی مقدس اور خوشنما شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ سر ٹیگور نے نوجوان ہندوستانیوں کو یہ سبق دیا ہے۔ کہ وہ اپنی اعلے ذات پر نازاں رہ کر ہندوستان قدیم کی تہذیب کو باعث فخر جانتے ہوئے مغرب کی تہذیب جدید سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور سائنس۔ تجارت اور انتظام حکومت میں مہارت پیدا کریں۔ سر ٹیگور ہندوستانیوں کا یہ فرض قائم کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے علم و ہنر اور اپنے آبائی مذہب پر کاربند ہو کر اسے فروغ دیں۔ زبان سنسکرت اور اپنی مادری زبانوں کی قدر کریں۔ اور اپنے ملک اور ابنائے وطن سے اُلفت رکھیں۔ قول فعل اور خیال میں یگانگت پیدا کریں۔ اور اپنے ملبوسات وعادات۔ خیالات وجذبات اور حالات میں اپنے قومی رویہ کو ترک نہ کریں۔ سر ٹیگور فرماتے ہیں۔ کہ محبت و مسرت دونوں متعلقہ نعمتیں ہیں۔ اور انسان کو چاہیے کہ وہ خود ضبطی۔ خود داری۔ ایثار اور زہد و اطاعت اور عبادت سے مخلوق و خدا کی خدمت کرے۔ تاکہ اسے سعادت دارین حاصل ہو۔

سر ٹیگور کی خوش خلقی

سر ٹیگور کے خیالات صوفیانہ ہیں۔ اور ان میں فلسفیانہ رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ ان کے خیالات کی سادگی اور لطافت اُنکی طبیعت کی سادگی اور شرافت پر دلالت

کرتی ہے۔ نمود و شہرت سے سرٹیگور نفور ہیں۔ اور وہ ہمیشہ اپنا وقت علمی ذوق و شوق میں بسر کرتے ہیں۔ وہ ایک خوش اخلاق انسان ہیں اور ہمیشہ خدا ترسی اور حضوری حق کے خواہاں ہیں۔ حقیقی شاعر کا دل ہمیشہ خدا کی اُلفت سے معمور رہتا ہے اور سرٹیگور بھی اپنے خدا سے عشق حقیقی رکھتے ہیں۔ اور جیساکہ ان کے اقوال سے ظاہر ہے وہ ابنائے وطن کی خدمت بھی اپنا فرض لازمی جانتے ہیں چنانچہ جو روپیہ اُن کو یورپ سے بطور انعام ملا تھا اُنہوں نے اس انعام کی تمام رقم بول پور سکول کے قائم کرنے میں صرف کر دی تھی۔ اور یہ ان کے ایثار کی اعلےٰ مثال ہے۔ غرضیکہ سرٹیگور ایک ایسے ہندوستانی ہیں۔ کہ ان کا وجود ہندوستان کے لئے مایہ ناز۔ موجب فخر اور باعث برکت ہے۔

سر رابندر ناتھ ٹیگور کی اہالیانِ پنجاب سے ہمدردی

شاعر کا دل قدرتاً بنی آدم اور کائنات کی اُلفت و محبت کے شراب طہور سے مخمور و سرشار ہوتا ہے چنانچہ گذشتہ فسادات پنجاب میں جب غیر متوقع واقعات کا ظہور ہوا۔ تو اُس وقت سر رابندر ناتھ ٹیگور نے اہالیانِ پنجاب کی امداد کے لئے حضور وائسرائے ہند سے اپیل کی اور غالباً یہ سرٹیگور جیسے باا‌ثر حضرات کی ہمدردی کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ گورنمنٹ نے مراحم خسروانہ سے سزا یافتگانِ پنجاب کی سزاؤں میں تخفیف کر دی اور مُلک کی مختلف انجمنوں نے چندہ فراہم کرکے مصیبت زدگانِ پنجاب کی مالی امداد پر آمادگی ظاہر کی۔ اغلب تھا کہ سرٹیگور بھی خاک پاک پنجاب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشتے۔ مگر اُن کی گوشہ نشینی اور عزلت گزینی اس میں مانع رہی۔ اور وہ علالت طبع کے باعث ہی پنجاب میں تشریف لانے سے قاصر رہے۔

ڈاکٹر دادا بھائی نوروجی

تمہید

ڈاکٹر دادا بھائی نوروجی ۴ ستمبر ۱۸۲۵ء کو شہر بمبئی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آبا و اجداد ۶ سال تک اپنے فرقہ کے مذہبی پیشوا رہے ہیں اور وہ اپنے خاندان کے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مذہبی کاموں کو چھوڑ کر امورِ عامہ میں حصہ لینا شروع کیا۔ بدقسمتی سے چار سال کی عمر میں ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی والدہ نے ہی ان کی پرورش کی۔ مگر خوش قسمتی سے ان کی والدہ ایسی قابلیت رکھتی تھیں۔ کہ اُنہوں نے اپنے فرزند ارجمند کو نہایت اچھی طرح تعلیم دی۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر نوروجی خود تسلیم کرتے ہیں انکی والدہ ماجدہ کے مفید اثر سے ہی وہ ہندوستان کے سربرآوردہ آدمیوں میں اشمار ہوئے ہیں ؎

زمانۂ طفولیت و تعلیم

مسٹر نوروجی کے زمانۂ طفولیت میں بمبئی میں تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ اور یہ بات ان کے لئے بہت ہی مفید ہوئی۔ کیونکہ انکی والدہ ان کے تعلیمی مصارف برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ گورنمنٹ سکول بمبئی میں تعلیم پانے کے بعد مسٹر نوروجی الفنسٹن کالج بمبئی میں داخل ہوئے۔ کالج کی تعلیم کے دوران میں مسٹر نوروجی اس محنت اور سرگرمی سے کام کرتے رہے کہ وہ تقریبًا ہر ایک انعام حاصل کرتے تھے۔ مسز ہوٹن اپنی کتاب "ویسٹرن انڈیا" میں لکھتی ہیں کہ میں ایک بار معائنہ کے لئے سکول میں گئی۔ اور جب

کرتی تمام جماعت کو ایک سوال حل کرنے کے لیے دیا گیا۔ تو مسٹر نوروجی نے تمام کلاس کے
ہی لڑکوں میں سے سب سے پہلے اس سوال کو حل کر دیا اور ان کی نقل و حرکت سے ظاہر
ہوتا تھا۔ کہ وہ اپنی قابلیت کی بدولت باقی طلباء پر سبقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔
یہی ۱۸۵۰ء میں جب مسٹر نوروجی کی عمر ۲۵ سال کی تھی تو وہ بمبئی کے شہر میں اپنے معاصرین
ایشیائی ایک قابل شخص مانے جاتے تھے۔ اور تعلیمی بورڈ کے پریذیڈنٹ چیف جسٹس سر ارسکن پیری
انہوں نے جو نہایت رعایا پرور اور علم دوست تھے مسٹر نوروجی کی قابلیت، علمیت اور تیز
طبیعت سے متاثر ہو کر تجویز کی کہ مسٹر نوروجی کو قانون کی تعلیم کے لیے ولایت بھیج دیا
جائے اور نصف خرچ میں برداشت کروں گا۔ باقی خرچ کا ذمہ مسٹر جمشید جی جی جی بھائی اور
چند اور معززین نے لیا۔ جب ولایت بھیجنے کا تقریباً فیصلہ ہو ہی چکا تھا۔ تو مسٹر جمشید جی
کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں مسٹر نوروجی ولایت میں جا کر اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کر دیں۔
مگر اس میں بھی کوئی حکمت ازلی مضمر تھی۔ کیونکہ مسٹر نوروجی نے ولایت میں تعلیم نہ پانے
کے باوجود بھی بیش بہا ملکی خدمات کیں اور ممکن تھا کہ اگر وہ ولایت سے تعلیم حاصل کرنے
کے لیے چلے جاتے تو بعض وجوہات ان کے لیے خدمت ملک میں مانع ہوتیں۔ مسٹر نوروجی
کی مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی اور وہ ولایت نہ جا سکے۔

سکول کی ملازمت و ملکی خدمت

مسٹر نوروجی اپنے سکول میں ہی ہیڈ اسسٹنٹ ماسٹر مقرر کیے گئے۔ اور تقسیم
انعام کے وقت کالج کے پرنسپل نے انہیں ریاضی میں اول رہنے کے سلسلہ میں طلائی تمغہ بطور
انعام دیا۔ ۱۸۵۵ء میں ریاضی اور طبیعات کا پروفیسر رخصت ہو گیا۔ اور مسٹر نوروجی اس
جگہ مقرر کیے گئے۔ اور وہ پہلے ہی ہندوستانی تھے جن کو یہ اعزاز حاصل تھا۔ اور
یہ بھی خوشی کا مقام ہے کہ مسٹر نوروجی نے بھی اپنی قابلیت اور محنت سے اپنے آپ کو

اِس عہد سے کا مستحق ثابت کردیا۔ ۱۸۴۵ء سے لیکر ۱۸۵۳ء تک مسٹر نوروجی صرف اپنی
جماعتوں کو ہی تعلیم نہ دیتے رہے بلکہ اُنہوں نے باوجود سرکردہ اہل شہر کی مخالفت کے
بھی بمبئی میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک سکول جاری کیا۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے
معاشرتی۔ تعلیمی۔ ادبی اور مذہبی مفاد کے لئے انجمنیں وغیرہ بھی قائم کیں۔ لٹریری
وسائنٹیفک سوسائٹی۔ بمبئی ایسوسی ایشن۔ کاوس جی انسٹی ٹیوٹ۔ ایرانی فنڈ۔
پارسی جمنیزیم۔ بیوہ عورتوں کی شادی کی ایسوسی ایشن۔ وکٹوریا میوزیم اور البرٹ میوزیم
کا قیام ان کی متواتر کوششوں کا ہی نتیجہ تھا۔ مسٹر نوروجی اِس عرصہ میں ہمیشہ سرگرمی
سے کام کرتے رہے۔ اور اُنہوں نے تعلیم نسواں۔ ذکور واناث کے مجالس میں شریک
ہونے۔ بچوں کے سکول۔ طلباء کی علمی اور ادبی جماعتوں پارسی اصلاحات۔ طفلی کی
شادی کے ترک کرنے۔ ہندوؤں میں بیوگان کی دوسری شادی اور پارسی مذہب کی
اصلاح کے مسائل کو حل کرنے میں نہایت دماغ سوزی دکھائی۔ ۱۸۵۱ء میں اُنہوں نے
گجراتی زبان میں "راست گفتار" کے نام سے ایک اہل ہندوستان کی معاشرتی تعلیمی
اور مذہبی اصلاح کے لئے ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ جسے وہ نہایت محنت سے
دو سال تک شائع کرتے رہے +

ولایت کا سفر

۱۸۵۵ء میں بمبئی کے سوداگران میسرز کاما اینڈ کمپنی نے ولایت میں اپنی دکان
کی ایک شاخ جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ ابھی تک مسٹر نوروجی کو تجارت یا مال کی خرید
فروخت کا تجربہ نہیں تھا۔ مگر مذکورہ کمپنی کو ان پر اس قدر اعتماد تھا۔ کہ اس نے انہیں اپنی
دکان کا حصہ دار بنا لیا اور اس طریق سے مسٹر نوروجی کا ولایت میں تعلق قائم ہوگیا اور
وہ دکان کے کاروبار کے لئے ولایت میں چلے گئے +

مسٹر نوروجی کی ولایت میں سرگرمی

مسٹر نوروجی نے برطانیہ عظمیٰ کے لوگوں کو اُن کی ہندوستان کے متعلق اہم ذمہ واریوں کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ اُنہوں نے لنڈن انڈیا سوسائٹی قائم کی جو باوجود ہر قسم کی رکاوٹوں کے اپنے قائم کرانے والے کی کوشش کی بدولت پچاس سال تک جاری رہی۔ ۱۸۶۷ء میں مسٹر نوروجی نے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن قائم کی جو سوسائٹی اپنے قیام کے آغاز میں ہندوستانی مسائل کی درست کیفیت کے متعلق عوام کو اطلاع دیتی رہی۔ اور ہندوستان کے سیاسی اور اقتصادی سوالات کا حل وعقد کرتی رہی ہے۔ اور ان دونوں انجمنوں کی کوشش کی بدولت ہندوستانی معاملات کو ولایت میں ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی۔ مگر مسٹر نوروجی نے اپنی کمپنی کے کام اور دو مذکورہ انجمنوں کی مصروفیت میں ہی کفایت نہ کی۔ اور وہ ولایت کی دیگر انجمنوں کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کے علاوہ یونیورسٹی کالج لنڈن میں پروفیسر اور سینیٹ کے ممبر ہو گئے۔ مسٹر نوروجی نے مارکوئس آف ڈلہوزی کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی۔ اور وہ ایک بیمہ کمپنی کے ڈائرکٹر منتخب کئے گئے۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستانی امور کے متعلق ہندوستان کے مختلف ذرائع سے خط وکتابت اور عوام الناس کے سامنے واقعات کی درست حقیقت پیش کرتے رہتے ۔

ولایت میں مسٹر نوروجی کا مالی نقصان اور ہندوستان میں واپسی

مسٹر نوروجی نے انگلستان میں قیام کے عرصہ میں تاجر کی حیثیت میں اپنی دیانتداری اور آزادروی کو ثابت کر دکھایا تھا۔ مگر وہ اپنے آپ تجارت پیشہ درست نہ

کو کسی مخمصہ سے تجارت چھوڑتے ہوئے اپنی دکان کا نقصان کر بیٹھے۔ اور انہیں تین لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔ مگر ان کے قرضخواہ ان کی شہرہ آفاق ایمانداری اور انصاف پسندی کے باعث انکی اس قدر عزت کرتے تھے۔ کہ انہوں نے ان کے ساتھ کمال درجہ کا اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اُن کو ادائگی کا موقعہ دینے کے لیئے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا اور مسٹر نوروجی اپنے احباب سے قرض لیکر نہایت وقت سے تمام معاملات کو صاف کرکے انگلستان میں محنت و سرگرمی کے سال بسر کرکے ۱۸۶۹ء میں بمبئی واپس آگئے۔ انکی واپسی کے وقت سر فیروز شاہ مہتہ کے ایما پر شہر بمبئی کے لوگوں نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور بمبئی کے تمام مذہب و ملت کے لوگوں نے ایک مخلوط جلسہ کرکے انہیں استقبالی ایڈریس پیش کرکے تیس ہزار روپے کی رقم بھی بطور نذرانہ دی۔ اور آٹھ ہزار روپیہ صرف کرکے ان کی تصویر کھچوائی گئی جس کی نقاب کشائی ۲۴ نومبر ۱۹۰۰ء کو مسٹر جسٹس رانا ڈے نے کاؤس جی انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے ہال میں کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسٹر نوروجی نے تیس ہزار روپے کی مذکورہ رقم میں سے ایک پائی تک اپنی ذات پر صرف نہیں کی۔ بلکہ یہ رقم انہوں نے مفاد عامہ کے لیئے ہی خرچ کر دی ؞

مسٹر نوروجی ولایت میں

۱۸۷۳ء میں مسٹر نوروجی نے ولایت میں جاکر پارلیمنٹ کی کمیٹی کے روبرو ہندوستانی آمدنی کے متعلق گواہی دی۔ اور اسی شہادت کے دوران میں ہی مسٹر نوروجی نے ہندوستان کے لوگوں کے افلاس کی نسبت رائے صائب قائم کی۔ اس کمیٹی کی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ ہندوستان میں فی کس اوسط آمدنی بیس روپے اور فی کس ایک سال کا محصول آمدنی تین روپے ہے چنانچہ مسٹر نوروجی نے اس نقص کے تدارک کے لئے بہت کچھ زور دیا اور ۱۸۸۲ء میں لارڈ رپن کے زمانہ حکومت میں لارڈ کرومر وزیر مال

نے تخمینہ لگا کر اعلان کر دیا۔ کہ برطانوی ہندوستان کے ہندوستانی کی آمدنی ۲۰ روپے سال سے زیادہ نہیں ہے۔

مسٹر نوروجی دیوان بڑودہ

۱۸۷۴ء میں ملہار رائو والئے بڑودہ نے مسٹر نوروجی کو اپنا دیوان بنالیا۔ اس زمانہ میں جیسا کہ تاریخ دان لوگ جانتے ہیں۔ بڑودہ میں بڑی بدنظمی تھی۔ راجا اور ریزیڈنٹ کے درمیان ناچاقی تھی۔ انتظامی حکام ناکافی تھے۔ عدالتیں اچھی طرح کام نہیں کرتی تھیں۔ پولیس کا تشدد بہت زیادہ تھا۔ لارڈ نارتھ بروک وائسرائے ہند نے نئے دیوان کی تقرری کو بہ نظر استحسان دیکھا۔ اور مسٹر نوروجی نے بھی اپنی جبلی محنت اور فطرتی دیانتداری سے کام شروع کر دیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی انہوں نے عدالتوں میں اصلاح کر دی۔ باقی محکمہ جات کی حالت کو بھی انہوں نے روبہ اصلاح کر دیا۔ مگر افسوس کہ ان کی اس کارروائی سے ان کے ہر طرف سے مخالف پیدا ہو گئے جنہوں نے اپنے مفاد کے جاتے رہنے کے باعث شکایات شروع کر دیں۔ مگر مسٹر نوروجی نے وائسرائے ہند کے پاس اپنی صفائی اس طریق میں پیش کی۔ کہ گورنمنٹ ہند اور انڈیا آفس کو بھی ان کی اعلےٰ خدمات کا اعتراف کرنا پڑا۔

مسٹر نوروجی میونسپل کمیٹی بمبئی کے ممبر

۱۸۷۲ء میں مسٹر نوروجی نے عارضی طور پر بمبئی میں رہائش اختیار کی تھی۔ اور اسی عرصہ میں انہوں نے بمبئی کی میونسپل کمیٹی میں اصلاح کرنے کے لئے زور دیا تھا۔ ۱۸۷۵ء میں جب وہ بڑودہ سے واپس آئے۔ تو بمبئی کی میونسپل کمیٹی میں چند سال تک کام کرتے رہے۔ ۱۸۸۱ء میں بھی وہ اِس کے ممبر تھے۔ اور اسی عرصہ میں انہوں نے

حساب کی ایک غلطی کا پتہ لگایا۔ جو اگر برابر جاری رہتی۔ تو میونسپلٹی کو دس لاکھ روپے کا نقصان ہوتا۔ اگست ۱۸۸۵ء میں لارڈ رے نے مسٹر نوروجی کو اپنی کونسل کا ایڈیشنل ممبر مقرر کر لیا۔ اور اس تقرری کو تمام ہندوستانی اخبارات نے بنظر استحسان دیکھا۔ ۱۸۸۵ء کے خاتمہ پر ہی مسٹر نوروجی انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں شریک ہوئے۔ جس کے صدر رومیش چندر بونرجی تھے۔

مسٹر نوروجی ولایت میں

۱۸۸۶ء کے شروع میں ہی مسٹر نوروجی انگلستان میں چلے گئے۔ اور ۱۸۔ جون ۱۸۸۶ء کو یہ خبر بذریعہ بحری تار مشہور عام ہو گئی۔ کہ ہالیبورن لبرل ایسوسی ایشن نے ان کو پارلیمنٹ کا ممبر ہونے کے قابل قرار دیا ہے۔ دوسرے روز ہی مسٹر نوروجی نے اپنے منتخب کرنے والوں کے نام ایک ایڈریس جاری کیا۔ اگرچہ مسٹر نوروجی کو ایک ہزار ساڑھے نو سو ووٹ ملے۔ مگر پھر بھی وہ ممبر نہ ہو سکے۔ کیونکہ فریق مخالف کے ووٹ زیادہ تھے۔ تاہم مسٹر نوروجی کے انتخاب کے سوال سے ہندوستان و انگلستان میں ایک نیا جوش دکھائی دیتا تھا۔ ۱۸۸۶ء کے آخر میں مسٹر نوروجی ہندوستان میں واپس آ گئے۔ اور انہیں کانگرس کے دوسرے اجلاس منعقدہ کلکتہ کا صدر بنایا گیا۔ ۱۸۸۷ء کے شروع میں پبلک سروس کمیشن کے روبرو شہادت دینے کے بعد وہ پھر پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی کوشش کے لئے ولایت تشریف لے گئے۔

مسٹر نوروجی پارلیمنٹ کے ممبر

پانچ سال کی کوشش کے بعد وہ ۱۸۹۲ء میں سنٹرل فنسبری کی طرف سے ہوس آف کامن

کے ممبر منتخب کئے گئے۔ اور ان کے انتخاب سے ہندوستان اور انگلستان کے لوگوں پر ایک نہایت اثر رونما ہوگیا +

ہوس آف کامنز کے اراکین نے مسٹر نوروجی کی تقریر اوّل کو نہایت دلچسپی سے سُنا۔ اور مسٹر نوروجی پارلیمنٹ کا ممبر ہونے کی حیثیت میں ہندوستان کے امور و مسائل پر خاص زور دیتے رہے۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۸۹۵ء تک تین سال کے لئے مسٹر نوروجی پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔ اور اس عرصہ میں اُنھوں نے اپنے وطن و مولد کی بہبودی کے لئے بہت کوشش کی۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے ممبروں کو انہوں نے ہندوستانی امور کی طرف خاص توجہ دلائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۱۸۹۳ء میں مسٹر ہربرٹ پال نے مسٹر نوروجی کے ایما پر "انڈین سول سروس" کا رزولیوشن پیش کیا۔ مسٹر رسل انڈر سکرٹری نے اس رزولیوشن کی مخالفت کی۔ مگر آخر کار یہ رزولیوشن پاس ہوگیا۔ اس کے بعد مسٹر نوروجی نے اپنے دو رفیقوں سر ولیم ویڈربرن اور مسٹر ڈبلیو ایس کین کی مدد سے "انڈین پارلیمنٹری کمیٹی" قائم کی جو دیر تک ہندوستان کی خدمت کرتی رہی لیکن مسٹر نوروجی کی متواتر کوششوں کا اہم نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۵ء میں ہندوستان کے اخراجات کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کی گئی۔ اور مسٹر نوروجی پہلے ہندوستانی تھے جو اس شاہی کمیشن کے ممبر بنائے گئے۔ مسٹر نوروجی اور ان کے دو مذکورہ بالا رفیقوں نے کمیشن میں کانگرس پارٹی کی نمائندگی کی۔ اور مسٹر نوروجی نے کمیشن کے سامنے سات بیانات دیئے۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی اور اقتصادی امور میں مسٹر نوروجی کو کمال دسترس حاصل تھی۔ اور اپنے وطن سے اُنہیں حقیقی انس تھا +

مسٹر نوروجی کانگریس کے اجلاس کے صدر

۱۸۹۳ء کے آخر میں مسٹر نوروجی ہوس آف کامنز کے پہلے ہندوستانی ہونے کی حیثیت میں کانگریس کے نویں اجلاس منعقدہ لاہور کی صدارت کے لئے انگلستان سے ہندوستان میں تشریف لائے۔ بمبئی سے لیکر لاہور تک راستہ میں ان کا ہر ایک اسٹیشن پر شاہانہ طور پر خیر مقدم ہوتا رہا۔ لاہور کے پنجابیوں نے بھی اس قدر جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا کہ گھوڑوں کی بجائے انہوں نے خود مسٹر نوروجی کی گاڑی پریزیڈنٹ کے جائے قیام تک کھینچی۔ مگر افسوس کہ اسی سال ان کا اکلوتا بیٹا جو ایک کامیاب ڈاکٹر تھا جاں بحق ہو گیا۔

۱۸۹۵ء میں مسٹر نوروجی کا پارلیمنٹ سے کوئی تعلق نہ رہا۔ مگر انہوں نے حب الوطنی کی ایک عدیم المثال نظیر قائم کر دکھائی۔

۱۸۹۹ء میں انہوں نے ولر کلسی کمیٹی کے روبرو دو بیانات دیئے۔ جو ہندوستان کے سیاسی علم ادب میں خاص مطالعہ کے قابل ہیں۔

مسٹر نوروجی کے مضامین کی اشاعت

۱۹۰۱ء میں انہوں نے اپنے مضامین اور ان بیانات کا انتخاب شائع کیا۔ جو وہ مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں کے روبرو ہندوستانی امور کے متعلق دیتے رہے ہیں اور خوشی کا مقام ہے کہ باوجود اس سن وسال کے بھی مسٹر نوروجی ہمیشہ ہندوستانی مسائل کے حل وعقد کے لئے زور دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۰۵ء میں وہ ہوس آف کامنز کے دوبارہ ممبر ہو جاتے مگر بدقسمتی سے انکے منتخب کرنے والے لوگوں کے درمیان باہمی تنازعہ ہو گیا۔ ۱۹۰۶ء میں مسٹر نوروجی انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کے پریذیڈنٹ

ہوئے۔ اور ولایت سے روانگی کے مقام سے واپسی کی جگہ تک ان کا راستے میں ہر جگہ برابر احترام ہوتا رہا۔

ولایت سے روانگی

۲۹۔ نومبر ۱۹۰۶ء کو وہ ہندوستان پہنچنے کے لئے ولایت سے روانہ ہو کر ۱۴۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بمبئی میں پہنچے۔ اور لوگوں نے انکے خیر مقدم کے لیے ایک شاندار جلوس نکالا۔ اور ایک عالیشان منظر پر مسرت کیا۔ مسٹر نوروجی کو موٹر کار میں سوار کر کے ایک آراستہ راستے سے لایا گیا جس کے دورویہ ہندوستان کے ہر مذہب و ملت کے لوگ صف بستہ کھڑے تھے۔ مختلف پچاس مقامات پر جلوس کو ٹھہرا کر کے معزز مہمان اور فرزند ہندوستان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے۔ اور یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کہ ان کو ایسے ہار بھی پہنائے گئے۔ جن میں موتیوں کی لڑیاں آویزاں تھیں۔ کلکتہ میں بھی ان کا خیر مقدم بکمال جوش و خروش سے ہوا۔ بازار آراستہ تھے۔ اور مسٹر نوروجی کو مہاراجہ صاحب دربھنگہ کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ مسٹر نوروجی نے اپنی صدارتی تقریر میں ہندوستان کے تمام سیاسی امور پر بحث کی۔ اور انہوں نے یہ بات حاضرین کے نقش خاطر کر دی۔ کہ وہ خیر ملک ہونے کے [illegible] برطانوی شہری نہیں۔ اور اپنے آپ کو اس قابل بنائیں۔ کہ انہیں انتظام حکومت میں شریک کیا جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد پر بھی زور دیا۔

مسٹر نوروجی پھر ولایت میں

کانگریس کے اجلاس کی صدارت کے بعد مسٹر نوروجی ۱۱ جنوری ۱۹۰۷ء کو ہندوستان سے روانہ ہو کر [illegible]

سے انکی صحت پر زبون اثر پڑا۔ اور ولایت میں بیمار ہوگئے۔ مگر ڈاکٹروں کے مشورہ سے وہ انگلستان سے ہندوستان میں آگئے۔ اور یہاں پہنچکر وہ دس سال کے بعد ملکی اور سیاسی خدمات کے دوران میں ۱۹۱۷ء میں راہی ملک عدم ہوئے ؛

مسٹر نوروجی کی عادات و خصائل

مسٹر نوروجی ایک سچے محب وطن تھے اور انکی عادات صالحانہ تھیں دیانتداری اور ایثار ان کا شیوہ تھا۔ زندگی کے آخری ایام اُنہوں نے وارسوا کے گاؤں میں بسر کئے۔ اور یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کہ ملک کے سیاسی سرکردہ لوگ ہمیشہ ہر کام میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور وہ بھی اپنی زندگی کے آخری دن تک ملکی بہبودی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ مسٹر نوروجی کی سادگی طبع ضرب المثل ہے اور اُنہوں نے فرمانروا اور رعایا کے درمیان حقیقی خوشگوار تعلقات کو قائم رکھنے اور ہندوستانیوں کو حقیقی برطانوی شہری بنانے میں نہایت محنت سے کام کیا۔ یہ ان کی ہر دلعزیزی کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کے علاوہ کانگریس کے تین بار صدر بنائے گئے ؛

مسٹر جسٹس بدرالدین طیّب جی

تمہید

ہندوستان کے مشہور و معروف اور قابل قدر فرزندان ارجمند میں سے مسٹر جسٹس بدرالدین طیب جی بھی ایک اعلےٰ پایہ اور رتبہ کے مستحق ہیں۔ وہ ایک عربی خاندان میں سے ہیں۔ جو صدیوں سے بمبئی میں آباد چلا آتا ہے۔ ان کے والد ماجد طیب جی بھائی میاں صاحب ایک اقبال مند تاجر اور اعلےٰ مذاق کے انسان تھے ؞

پیدائش و طفولیّت اور زمانۂ تعلیم

مسٹر طیب جی ۸ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ اور سب سے پہلے انہیں دادا مکھرا کے مدرسہ میں داخل کرایا گیا۔ جہاں انہوں نے اردو اور فارسی زبانیں سیکھیں۔ اس کے بعد وہ الفنسٹن انسٹی ٹیوشن میں جسے اب الفنسٹن کالج بمبئی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے داخل ہوئے۔ مگر اس کالج میں تھوڑے عرصہ کی تعلیم کے بعد انکے والد ماجد نے ان کو آنکھوں کے طریقۂ علاج کے سیکھنے کے لئے فرانس میں بھیج دیا۔ اور وہاں سے وہ انگلستان میں جا کر ۱۸۶۰ء نیو بری ہالی پارک کالج لنڈن میں داخل ہوگئے۔ اور لنڈن یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ ناسازیٔ طبع کے باعث ہندوستان میں واپس آگئے۔ ایک سال اپنے گھر رہ کر وہ ۱۸۶۵ء میں دوبارہ انگلستان جا کر مڈل ٹمپل کے کالج میں داخل ہوگئے ؞

پیشۂ وکالت کا آغاز

طیب جی اپریل ۱۸۶۷ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے نومبر ۱۸۶۷ء میں ولایت سے روانہ ہو کر ہندوستان میں پہنچے۔ اور انہوں نے دسمبر ۱۸۶۷ء میں ہائیکورٹ بمبئی میں وکالت کا کام شروع کر دیا۔ ان کے بھائی قمر الدین طیب جی اسی عدالت میں اٹارنی کا کام کرتے تھے اس لئے ان کی بدولت انکی وکالت کا کام اچھی طرح شروع ہو گیا۔ اس وقت بمبئی ہائیکورٹ میں زیادہ تر یورپین وکیل ہی کام کرتے تھے اس لئے مسٹر طیب جی کو بہت زیادہ محنت کا متحمل ہونا پڑا۔ اور انہوں نے رطب اللسانی حجج اور مدلل طریقہ وکالت سے جلدی ہی اس قدر نام پیدا کر لیا۔ کہ سر مائیکل ویسٹ ژاپ چیف جسٹس ہائیکورٹ بمبئی نے بھی ایک بار ان کی قابلیت کا اعتراف کیا۔

زندگی کی اہم ذمہ داریوں کی ابتدا

مسٹر طیب جی کی وکالت کا پہلا حصہ تو بہت محنت و سرگرمی میں بسر ہوا اور دوسرے حصے میں زندگی کی نئی ذمہ داریوں کا آغاز ہوا۔ ۱۸۷۹ء میں انہوں نے بمبئی کے باقی سرکردہ اہل شہر کے ساتھ شریک ہو کر مانچسٹر کے تیار شدہ مال درآمد کے محصول کے ہٹانے کے لئے پارلیمنٹ میں ایک درخواست دی۔ اس درخواست کے متعلق جو تقریر انہوں نے کی اسے اطراف واکناف ہند کے لوگوں نے نہایت ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا اور ان کی تقلید میں اور بہت سے لوگوں نے اس بارے میں تقریریں کیں اس وقت ان کی عمر صرف ۳۵ سال تھی ۱۸۸۲ء میں مسٹر جیمس فرگوسن نے انہیں اپنی بمبئی کونسل کا ایڈیشنل ممبر مقرر کیا۔ اور انہوں نے بمبئی کے لوکل بورڈ کے مباحثات اور میونسپل کمیٹی بمبئی کے قانونی مسودات پر بحث کر کے نہایت

سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان کی تقریروں سے ان کے مدلل طریقہ بحث۔ قوتِ فیصلہ۔ فصاحت بیانی اور طلیق اللسانی کا بین ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ کونسل کے پریزیڈنٹ سر جیمس بھی علانیہ انکی خاص مداح بنتے رہے ہیں۔ اور وہ اس وقت بمبئی کے بامذاق سامعین کے طبقہ میں بہت زیادہ ہر دلعزیز ہوگئے۔ اور جب کبھی شہر بمبئی میں کوئی جلسہ ہوتا تھا۔ تو مسٹر طیب جی سے تقریر کے لئے درخواست کی جاتی تھی۔ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے انڈین سول سروس کے سوال پر فریم جی کاؤس جی ہال میں تقریر کی۔ اسی سال انہوں نے ہندوستانی انتظام حکومت کے قانونی مسودہ پر ٹون ہال بمبئی میں لیکچر دیا۔ دسمبر ۱۸۸۴ء میں انہوں نے لارڈ رپن کے خوشگوار زمانۂ حکومت کی یادگار میں ایک تقریر کی۔ اور ان کی یہ تینوں تقریریں خاص دلچسپی کا خزینہ اور علمیت کا گنجینہ ہیں۔ اور ان میں فصاحت و بلاغت کا اعلےٰ نمونہ پیش کیا گیا ہے ٭

کانگریس کی صدارت

مسٹر طیب جی کے اہل وطن نے ۱۸۸۷ء میں انہیں کانگریس کا صدر بنا کر ان کی خاص طور پر عزت افزائی کی۔ اور یہ مدراس کی پہلی کانگریس تھی۔ جو صدارتی تقریر انہوں نے اس جلسہ میں کی۔ اس سے ان کی فصیح البیانی اور طلیق اللسانی مترشح ہے وہ اس وقت جبکہ انہوں نے کانگریس کی صدارت کو قبول کیا۔ انجمن اسلامیہ بمبئی کے ممبر تھے۔ اور ان کی کانگریس میں شمولیت سے مسلمانوں کے کانگریس میں شامل نہ ہونے کا خدشہ جاتا رہا۔ اور خوشی کا مقام ہے کہ مسٹر طیب جی ہمیشہ عمر بھر کانگریس کے حامی رہے۔ ۱۹۰۳ء میں مسٹر طیب جی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے صدر بنائے گئے۔ اگرچہ مسٹر طیب جی کانگریس کی حمایت کیا کرتے تھے مگر وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مطالبات اور تقریروں میں محتاط اور معتدل رہنا چاہیئے ٭

معاشرتی اصلاح

مسٹر طیب جی نے ہندوستان کے مسلمانوں کی سوشیل اصلاح میں بہت نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور انکی یہ رائے تھی۔ کہ سیاسی اصلاحات سے پہلے معاشرتی اصلاح ضروری ہے چنانچہ اُنہوں نے اپنے خاندان میں ہی سوشیل اصلاح شروع کر دی۔ کیونکہ اصلاح گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اُن کی لڑکیاں ولایت میں گئیں۔ اور اُنہوں نے وہاں تعلیم حاصل کی۔ مسٹر طیب جی نے انجمن اسلامیہ بمبئی کے صدر اور ممبر ہونے کی حیثیت میں اپنے مسلمان بھائیوں کی نمایاں خدمت کی جس وقت اِس انجمن کا آغاز ہوا تھا۔ اُس وقت بمبئی میں بہت کم خواندہ آدمی تھے۔ مگر مسٹر بدرالدین طیب کی پُرزور کوششوں کی بدولت ہی آج صوبہ بمبئی میں بہت سے تعلیم یافتہ مُسلمان نظر آتے ہیں۔

ہائی کورٹ کی ججی کے عہدے کی تفویض

۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ نے بھی مسٹر طیب جی کی قابلیت کی قدر وقیمت کے اظہار میں انکی عزت افزائی کے لئے ان کو ہائیکورٹ بمبئی کا جج مقرر کر دیا۔ اور خوشی کا مقام ہے کہ مسٹر طیب جی نے اس نئے عہدے پر مامور ہو کر نہایت قابلیت سے کام کیا۔ اور وہ [illegible] کو استعمال کرتے رہے۔ اپنے ہمعصر ججوں اور وکلا [illegible] [illegible] ہمیشہ عالی حوصلگی [illegible] واقف تھے۔ اور مقدمات میں وہ راز کو فوراً تاڑ کر ان پر جلد قانون عائد کر کے فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ اپنے فیصلہ جات میں زبان پر زور استعمال

کیا کرتے تھے۔

علی گڈھ کالج سے اُنس و اُلفت

مسٹر طیب جی نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں سنہ ۱۹۰۳ء میں اپنے صدارتی ایڈرس میں پردہ کے متعلق نہایت واضح طور پر بحث کی۔ وہ علیگڈھ کالج کے معاملات میں بہت دلچسپی لیتے تھے سنہ ۱۹۰۶ء میں جب وہ ولایت میں تھے۔ تو انہیں کالج ایسوسی ایشن کی طرف سے جلسہ دعوت دیا گیا۔ اور اُنہوں نے کالج کے سرمایہ کے لئے زبردست طور پر اپیل کی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کالج کو ایک یونیورسٹی کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اور تمام ہندوستان میں اس کے ماتحت سکول اور کالج ہوں۔ تاکہ اُن کی بدولت یہ کالج بھی قائم رہ سکے اُنہوں نے اِس موقعہ پر تعلیم نسواں کو ترقی دینے کے معاملہ کی نسبت بھی چند فقرات کہے۔ کیونکہ شمالی ہندوستان میں اُس وقت تک بہت کم تعلیم یافتہ عورتیں تھیں ۰

تہذیب و مذہب کی محبت

مسٹر طیب جی تعلیم و تہذیب اور مذہب سے یکساں اُلفت رکھتے تھے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن میں ایک بار اُنہوں نے تقریر کرتے وقت کہا کہ مُسلمانوں کو دُنیا سے رحلت کرتے وقت اپنی قوم کی تعلیم کے لئے بھی کچھ رقم وقف کرنی چاہیئے ۰

عارضۂ چشم و ولایت کا سفر

سنہ ۱۹۰۶ء میں مسٹر طیب جی کی آنکھوں کا پرانا مرض نمودار ہو گیا۔ اور وہ اُسی سال آسانی سے ولایت چلے گئے۔ جہاں علاج سے ان کی حالت قدرے رو بہ صحت

ہو گئی۔ اور وہ ولایت میں ہندوستانی امور کے متعلق بحث کرنے کے قابل ہو گئے۔ مگر انہیں کوئی عارضہ جگر تھا۔ اور افسوس کہ وہ ۱۹۔ اگست ۱۹۱۶ء کو اس سرائے فانی سے رحلت کر گئے ٭

ماتمی جلسے

انکے انتقال پر ملال کے وقت تمام سر کردہ مسلمان جو ولایت میں تھے۔ ۲۲۔ اگست کو انکی یاد میں ایک جلسہ میں جمع ہوئے۔ جو ترکی سفیر متعینہ لنڈن کی زیر صدارت کیا گیا۔ مسٹر یوسف علی آئی سی ایس نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز تھے۔ انڈین نیشنل کانگرس کی برٹش کمیٹی نے بھی ان کی وفات حسرت آیات پر ایک جلسہ کیا۔ جس میں مسٹر نوروجی نے افسوس و تاسف کا رزولیوشن پیش کیا۔ اور مسٹر گوکھلے نے اس رزولیوشن کی تائید کی ٭

مسٹر طیب جی کے جسم کو معطر و معنبر کر کے ایک جہاز میں رکھ کر بمبئی میں لایا گیا۔ اور وہاں سے ان کا جنازہ بدر باغ میں پہنچایا گیا۔ جہاں نماز جنازہ کے بعد وہ دفن کئے گئے ٭

مسٹر طیّب جی کی صفات

مسٹر طیب جی خاص علمی قابلیت کے مجسمہ تھے۔ انہوں نے اپنی ذہانت و محنت کی بدولت وکالت کے پیشہ میں سبقت حاصل کی تھی۔ اور یہ ان کی دماغی رسائی کا نتیجہ تھا کہ وہ ہائیکورٹ بمبئی کے جج بنائے گئے۔ ان کے دل میں ملکی محبت اور قومی درد مخفی تھا اور وہ اکثر اوقات اس کا اظہار اپنی تقریروں میں کیا کرتے تھے۔ تعلیم سے انہیں خاص محبت تھی اور تعلیم نسواں کے وہ بہت زیادہ حامی تھے۔ باوجود وکالت پیشہ ہونے کے بھی وہ مقدمہ بازی کو ناپسند کرتے تھے اور وہ صورت معاملات سے واقف ہو کر مقدمات کا بہت جلد ہی فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔ الغرض مسٹر طیب جی کا وجود بھی اہل ہندوستان کیلئے باعث فخر اور موجب برکت تھا۔ اور ان کی قومی خدمات سے انکی حب الوطنی اور قومی محبت کا بخوبی پتہ ملتا ہے ٭

مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی

تمہید

مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی عصر حاضرہ میں ہندوستان کے ایک برگزیدہ
لیڈر مانے جاتے ہیں۔ وہ پندرہ سال تک جنوبی افریقہ میں ہندوستانی آبادی کے حامی
اور رہبر رہے ہیں۔ ٹرانسوال میں انہوں نے خاموش مقابلہ کی تحریک کو شروع کیا تھا۔
اور ان کے باعث سے ہندیان جنوبی افریقہ میں اتفاق و اتحاد پیدا ہوگیا ہے۔ مسٹر گاندھی
گذشتہ دس سال سے ہندوستان میں ہر دلعزیز چلے آتے ہیں۔ اور تمام لوگ ان
کے فدائی معلوم ہوتے ہیں ٭

خاندانی حالات

مسٹر گاندھی پوربندر واقع کاٹھیاوار گجرات میں ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو پیدا
ہوئے تھے۔ اور ان کے آباؤ اجداد اس علاقہ میں نہایت مشہور و معروف چلے
آتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کے دادا اتم چند صاحب پوربندر کے دیوان تھے۔ اور ان کے
والد بھی ایک مشہور و معروف شخص تھے۔ وہ بھی اپنے والد کی جگہ پوربندر کے دیوان
تھے۔ مگر اس کے بعد وہ راجکوٹ میں آکر اس ریاست کے دیوان ہو گئے۔ مسٹر گاندھی
کے والد اپنے مذہب کے بہت زیادہ پابند تھے۔ اور وہ بھاگوت گیتا کے [illegible]
بیان کیا جاتا ہے کہ ٹھاکر صاحب راجکوٹ نے ان کو وسیع جاگیر عطا کی۔ مگر انہوں نے
اسے لینے سے انکار کر دیا۔ اور آخر کار ریاست کے ادارے سے وہ تنگ آ گئے تھے

انہوں نے اس کا کچھ حصہ ہی قبول کیا۔ مسٹر گاندھی کی والدہ بھی نہایت اعلیٰ پایہ کی عورت تھیں۔ اور اپنے بچہ پاں کا اثر بہت زیادہ پڑا۔ وہ مذہبی رسوم کی بہت پابند تھیں برت رکھنا اُن کا شیوہ تھا۔ اور رمضافات میں اُنکی خیرات کا اکثر چرچا تھا۔ کیونکہ وہ کسی شخص کو تکلیف میں دیکھنا پسند نہیں کرتی تھیں +

ابتدائی حالات

مناسب وقت پر مسٹر گاندھی کو پوربندر کے سکول میں داخل کرایا گیا لیکن چونکہ خاندان راجکوٹ میں چلا گیا۔ اس لئے وہاں پہلے تو مسٹر گاندھی ایک گجراتی سکول میں پڑھتے رہے۔ اور اس کے بعد وہ کاٹھیاواڑ ہائی سکول میں داخل ہوئے جہاں سے انہوں نے سترہ سال کی عمر میں انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے۔ کہ مسٹر گاندھی کی شادی بارہ سال کی عمر میں کی گئی تھی۔ مسٹر گاندھی ایک وشنو خاندان میں پیدا ہوئے تھے اور انہیں مذہبی رسوم کی پابندی کی پوری واقفیت تھی۔ وشنو عقاید کے لوگ ہلاکت جان کے سخت مخالف اور گوشت سے بہت متنفر ہوتے ہیں۔ مگر سکول کی تعلیم سے مسٹر گاندھی کی زندگی میں ایک اور ہی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے چند طلباء کے ساتھ ملکر گوشت کھانا شروع کر دیا۔ ہر روز شام کے وقت وہ کچھ گوشت خرید لیتے تھے۔ اور ایک ندی کے کنارے جا کر کھایا کرتے تھے مگر مسٹر گاندھی کا ضمیر اس سے مطمئن نہیں ہوتا تھا گھر میں وہ آتے۔ اور جب اُن کی والدہ اُن کو زیادہ خوراک کھانے پر مجبور کرتیں۔ تو وہ ہمیشہ اِدھر اُدھر کی باتوں سے انہیں ٹال دیا کرتے تھے۔ اور کھا بھی وہ کیسے سکتے تھے۔ کیونکہ وہ تو ہمیشہ ندی کے کنارے بیٹھ کر گوشت خوری کے عادی ہو گئے تھے۔ تاہم مسٹر گاندھی ایک صادق القول اور راست گفتار شخص تھے۔ اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں بنانا ناپسند نہیں کرتے تھے۔ اِسلئے اُنہوں نے

گوشت خوری کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا ۔

ولایت کی تعلیم

جب مسٹر گاندھی نے انٹرینس کا امتحان پاس کر لیا۔ تو لوگوں نے انکے والد کو مشورہ دیا۔ کہ مسٹر گاندھی کو تعلیم کے لئے ولایت میں بھیجا جائے۔ لیکن ان کی والدہ اس بات کو بالکل نہیں مانتی تھیں۔ تاہم مسٹر گاندھی نے ولایت جانے کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور ان کی والدہ کو اتفاق رائے کرنا پڑا۔ لیکن ان کی والدہ انہیں ایک جینی کے پاس لے گئیں۔ اور وہاں انہیں شراب۔ گوشت اور شہوت سے باز رہنے کا حلف دیا گیا ۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب مسٹر گاندھی ولایت میں تھے تو وہ مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوست کی ترغیب سے گانا بجانا اور ناچنا شروع کر دیا۔ مگر وہ اس بات کو پسند نہیں کیا کرتے تھے۔ کیونکہ مذکورہ حلف ہمیشہ ان کے وجود میں ایک سنسنی سی پیدا کر دیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ ایک دعوت میں شریک ہوئے۔ وہاں ان کے سامنے گوشت کا شوربا رکھا گیا۔ مگر چونکہ ان کو گوشت سے پرہیز کا حلف دیا گیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے احباب کی ناراضگی کے باوجود بھی جلسہ دعوت سے چلے آئے۔ اور اب انہوں نے گانا بجانا اور ناچنا بالکل ترک کر دیا ۔

بھاگوت گیتا کا مطالعہ

ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ روحانی لوگوں [illegible] اپنی [illegible] پیدا ہوا کرتی ہے۔ مگر مسٹر گاندھی ان وساوس سے بالکل متاثر نہ ہوئے۔ اور انہوں نے

مسئلہ حیات پر غور و خوض شروع کر دیا۔ بھاگوت گیتا کے مطالعہ سے انہیں بہت سرور حاصل ہوا۔ اور ان میں روحانیت کی ایسی برقی رو پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے آپ کو کسی اور ہی عالم بالا کا باشندہ تصور کرنے لگے۔ اور انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا۔ ولایت میں ان چند غیر اہم واقعات کے سوا انہوں نے کوئی اور کام نہ کیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں انہوں نے لنڈن کی یونیورسٹی سے امتحان انٹرینس پاس کر کے بیرسٹری کی سند حاصل کر لی اور ہندوستان میں واپس آ گئے۔

ولایت سے ہندوستان میں واپسی اور سفر افریقہ

جب مسٹر گاندھی شہر بمبئی میں پہنچے۔ تو ان کی والدہ سرگباش ہو چکی تھیں۔ مگر ان کی وفات کی خبر مصلحتاً مسٹر گاندھی کو نہیں دی گئی تھی۔ اور آخر کار واپسی پر انہیں اپنی ماں کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ واپسی کے بعد مسٹر گاندھی اٹھارہ ماہ تک بمبئی اور راجکوٹ میں قانون اور ہندو مذہب کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس کے علاوہ وہ ہائیکورٹ بمبئی میں بھی شامل ہو گئے۔ پوربندر کے سوداگروں کی دکان کی ایک شاخ پریٹوریا (جنوبی افریقہ) میں تھی۔ اور وہاں کوئی مقدمہ پیدا ہو گیا تھا جس میں بہت سے ہندوستانی شامل تھے۔ چونکہ یہ مقدمہ ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لئے جاری رہا۔ اس لئے مسٹر گاندھی کو وکیل مقرر کر کے جنوبی افریقہ میں بھیجا گیا۔

نٹال میں مسٹر گاندھی کا ورود

لیکن جس وقت سے مسٹر گاندھی نٹال میں داخل ہوئے [illegible] تکلیف [illegible] پیش آتی رہی۔ ایک بار عدالت میں انہیں بیرسٹروں کی پگڑی [illegible] باہر نکال دیا گیا اور وہ اس سے بہت برافروختہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد [illegible]

سوار ہو کر ٹرنسوال کو جا رہے تھے۔ کہ گارڈ نے اُن کی توہین کی۔ حالانکہ وہ کرایہ ادا کر چکے تھے۔ ایک بار وہ گاڑی میں سوار ہو کر پری ٹوریا کو جا رہے تھے۔ کہ گارڈ نے آکر اُنہیں جگہ سے اُٹھنے کے لئے کہا۔ مگر اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اور گارڈ نے ان کو دو دھکے لگائے۔ پری ٹوریا میں ایک سنتری نے ان کی ہتک عزت کی۔ اور آخر کار اس مقدمہ کا خاتمہ ہوا جس کی پیروی کے لئے وہ بھیجے گئے تھے۔

جنوبی افریقہ میں قیام

جب اُنہوں نے افریقہ سے مراجعت کا ارادہ کیا۔ تو انہیں ایک الوداعی جلسہ دعوت دیا گیا۔ مگر اُسی دن کی شام کو اُنہوں نے ایک اخبار میں ہندوستانیوں کو حق انتخاب سے محروم کرنے کے قانون کی خبر پڑھی۔

مسٹر گاندھی اس خبر کو پڑھ کر بہت متوحش ہوئے اور اُنہوں نے حاضرین سے کہا کہ اگر ہندوستانی جنوبی افریقہ میں اپنی حالت کو برقرار رکھنے کی فکر میں ہوں تو فوری تدابیر کی ضرورت ہے۔ ان کی درخواست پر نوآبادی کی پارلیمنٹ میں اس قانون پر بحث کرنے کی کارروائی کو ملتوی کرنے کا تار بھیجا گیا۔ اور اس کے بعد ایک درخواست بھی بھیجی گئی جس پر بہت سے سرکردہ ہندوستانیوں کے دستخط ثبت تھے لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ قانون پاس کر دیا گیا۔ مگر نوآبادیوں کے وزیر کے پاس ایک درخواست بھیجی گئی۔ اور شاہی منظوری ملتوی رہی لیکن اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ ایک اور قانون کے ذریعہ جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ نے اپنا مذکورہ مقصد حاصل کر لیا۔ اور اُس وقت ہندوستانی جنوبی افریقہ کے مفاد کی نگہداشت کے لئے مسٹر گاندھی نے وہاں سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ اور وہ جنوبی افریقہ میں ہی آباد ہو کر ہائیکورٹ نٹال کے وکلا کے زمرے میں شامل ہو گئے۔

ہندیان جنوبی افریقہ کی خدمات

جب مسٹر گاندھی جنوبی افریقہ میں آباد ہوئے تو اُس وقت جنوبی افریقہ کے ہندوستانی لوگوں کا کوئی سردار و رہبر نہیں تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ پرماتما نے مسٹر گاندھی کو اپنے بندوں کی حمایت کے لئے غیب سے بھیج دیا تھا۔ سب سے پہلے مسٹر گاندھی نے اپنی وکالت میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور اُس کے بعد اُنہوں نے ہندیان جنوبی افریقہ کی تعلیم و ترتیب کا مطالعہ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا ۱۸۹۶ء میں وہ اپنے کنبہ کو جنوبی افریقہ میں لے جانے کے لئے ہندوستان میں آئے۔ مگر جنوبی افریقہ سے روانگی سے پہلے اُنہوں نے ایک کھلی چٹھی میں ہندیان جنوبی افریقہ کی تکالیف و شکایات کو شائع کردیا تھا۔ اُن کی خدمات کی خبر ہندوستان میں پہنچ چکی تھی۔ اور جب وہ ہندوستان میں پہنچے۔ تو لوگوں نے بلا تفریق مذہب و ملت نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا گیا اور مسٹر گاندھی کو استقبالیہ مجالس میں تقریریں کرنی پڑیں +

جنوبی افریقہ میں مسٹر گاندھی کی واپسی

مگر جب مسٹر گاندھی ڈربن میں واپس پہنچے اور جیسا ایک اور جہاز بھی جس میں چھ سو ہندوستانی سوار تھے وہاں پہنچا۔ تو حفظ ماتقدم کے لئے دونوں جہازوں کو ایک جگہ صفائی کے لئے بہت دیر تک ٹھیرایا گیا۔ اس اثنا میں [illegible] مسٹر گاندھی اور انکے رفیقوں کی نسبت بہت سے [illegible] خیالات پھیل گئے تھے۔ جنوبی افریقہ کے گوروں [illegible] ایشیائی لوگوں کو ملک میں داخل ہونے سے [illegible] کی کوشش [illegible] اور ہندوستانیوں کی واپسی کے لئے جا بجا کوشش کی گئی۔ [illegible] کے خطروں کا احتمال

تھا۔ مگر مسٹر گاندھی اولوالعزم ہے۔ اور جس روز ان کے جہاز منزل مقصود پر پہنچنے والے تھے۔ لوگوں نے جہازوں کی گودیوں میں ایک بہت بڑا جلسہ کیا اور ہندوستانیوں کے خلاف ہر طرح کا اظہار نفرت کیا گیا۔ آخر اٹارنی جنرل کی کوشش سے یہ ہجوم منتشر ہوا۔ مسٹر گاندھی نے اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو پہلے ہی ایک دوست کے گھر بھیج دیا تھا۔ اور جب ان کے تمام رفیق جہاز سے اُتر گئے۔ تو بعد میں مسٹر گاندھی کنارے پر آئے۔ بہت سے لوگوں نے ان کو پہچان کر شور و غوغا شروع کر دیا۔ انہوں نے ایک رکشا کرایہ پر لی۔ مگر ہجوم نے راستہ کو روک دیا۔ اس پر مسٹر گاندھی رکشا سے اُتر کر ایک یورپین دوست کی معیت میں روانہ ہوئے۔ مگر راستہ میں لوگوں کا وہ جم غفیر تھا کہ دونوں دوست جدا ہو گئے۔ ہجوم نے مسٹر گاندھی کو تکلیف دینی شروع کر دی۔ مگر پولیس آ پہنچی۔ اور وہ ایک دوست کے مکان میں پہنچا دیئے گئے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ہجوم سے خدشہ کر کے مسٹر گاندھی کو پولیس کے سپاہی کی وردی پہنا کر پولیس کی چوکی میں پہنچا دیا۔ اور کچھ دیر کے بعد یہ شور و غوغا کم ہوا۔

سلطنت برطانیہ کی وفاداری

اکتوبر ۱۸۹۹ء میں جنگ بوئر شروع ہوئی۔ اور مسٹر گاندھی نے ایک مخلص لیڈر کی طرح تاج برطانیہ کی حمایت پر کمر کس لی۔ اور ان کے ایما پر کئی ہزار ہندیان جنوبی افریقہ نے جنگی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور ہندیان جنوبی افریقہ کو ضرورت کے وقت جنگی خدمت میں شامل کر لیا گیا۔ ہندوستانی ایمبولنس کور میں بھرتی کئے گئے۔ اور وہ نہایت جانبازی سے زخمیوں کو ہسپتالوں میں اٹھا کر لے جایا کرتے چنانچہ جنوبی افریقہ کے لوگ ہندوستانیوں کی اس خدمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایک اور موقعہ پر بھی ہندوستانیوں نے ایسی ہی خوفناک خدمت سرانجام دی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ

ہندوستانی والنٹیر جن میں مسٹر گاندھی خود بھی شامل تھے۔ زخمیوں کو سلسلہ سے اٹھا کر ایک ایسے مقام پر لیجاتے تھے جو بیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ مگر جب لڑائی نہایت زور سے جاری تھی۔ تو میجر بیپٹ نے مسٹر گاندھی کو آکر کہا کہ اگر زخمیوں کو آتشبازی کے سلسلوں سے اٹھایا جائے۔ تو یہ بہتر ہوگا۔ تمام ہندوستانی والنٹیر اس کام میں مشغول ہو گئے۔ اور وہ گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے جا کر زخمیوں کو اٹھا لاتے تھے۔ اور اگرچہ اس روز بہت سے ہندوستانیوں کا نقصان ہو گیا۔ مگر انہوں نے تاج برطانیہ کی حمایت میں کمال درجہ کا ایثار اور وفاداری کا ثبوت دیا۔

مسٹر گاندھی ہندوستان میں

جنگ بوئر کے خاتمہ پر ٹرنسوال سلطنت برطانیہ میں ملحق کر لیا گیا۔ اب مسٹر گاندھی کو ہندیان جنوبی افریقہ کی حالت کی نسبت اطمینان سا ہو گیا۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں آگئے۔ مگر اب ایشیائی اقوام کے انتظام کے لئے ایک اور ہی محکمہ کھولا گیا۔ خراب آثار پھر نمودار ہو گئے۔ اور مسٹر گاندھی ہندوستان سے جنوبی افریقہ میں چلے گئے۔ اس وقت مسٹر جوزف چیمبرلین جنوبی افریقہ میں تھے اور مسٹر گاندھی کی سرکردگی میں ایک ڈیپوٹیشن نٹال میں انکے پاس گیا۔ پری ٹوریا میں بھی ایک اسی طرح کا وفد حاضر ہوا۔ مسٹر گاندھی کے خلاف جنوبی افریقہ میں ہر طرح کا غصہ ظاہر کیا جاتا تھا۔ مگر مسٹر گاندھی اس سے ترساں و لرزاں نہیں تھے۔ بلکہ وہ معاملہ کی صفائی کے لئے پری ٹوریا کی عدالت عالیہ میں وکلا کے زمرے میں شامل ہو گئے۔

اخبار نویسی کا مشغلہ

اس مقصد کیلئے انہوں نے ہندیان جنوبی افریقہ کی سیاسی تعلیم و تربیت اور ترجمانی

کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے "ہندوستانی رائے" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جو انگریزی۔ تامل۔ گجراتی۔ اور ہندی میں شائع ہوا کرتا تھا۔ پہلے سال اُنہوں نے اپنی گرہ سے ۲ ہزار پونڈ کی رقم صرف کی۔ اور اگرچہ بعد میں اس اخبار کی مالی حالت میں اصلاح ہوگئی۔ مگر اس سے کوئی مالی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مگر ناکامیوں کے باوجود بھی یہ اخبار جنوبی افریقہ میں نمایاں کام کرتا رہا ہے ۔

طاعون کا انسداد

سنہ ۱۹۰۴ء میں جوہانسبرگ میں رہنے والے ہندیان جنوبی افریقہ میں طاعون کا مرض پھیل گیا۔ میونسپل حکام اس سے بالکل بے خبر اور لاپرواہ تھے۔ لیکن مسٹر گاندھی نے مذکورہ حکام کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر فوری کارروائی نہ کی گئی۔ تو مرض وبائی صورت اختیار کرلیگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف ایک دن میں ہی پلیگ سے ۱۲ موتیں ہوگئیں۔ مسٹر گاندھی نے تین چار رفیقوں کی مدد سے ایک ہندوستانی کے مکان کو جو خالی پڑا تھا کھول دیا۔ اور تمام مریضوں کو وہاں پہنچا کر ان کا علاج شروع کیا۔ اگلے روز میونسپل حکام کو بھی ہوش آیا۔ اور اُنہوں نے ضروری تدابیر پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ پلیگ ایک ماہ تک رہی۔ اور ایک سو چھپن اس کا شکار ہوئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر مسٹر گاندھی فوری تدابیر عمل میں نہ لاتے۔ تو پلیگ وبائی صورت میں پھیل کر نہایت خوفناک طور پر اتلاف جان کا باعث ہوتی ۔

زمینداری کا شوق

انسدادِ طاعون کے بعد مسٹر گاندھی نے نٹال میں جاکر فنکس کے مقام پر کچھ زمین خریدی۔ یہاں چند مکانات بنائے گئے۔ اور اس کو وہیں ایک گاؤں آباد ہوگیا۔ موضع کے باشندے خواہ مقتدر رہتے یا غریب خود ہی کھیتی باڑی میں مشغول ہوگئے۔ اور جب مسٹر

گاندھی کو فراغت ہوتی تھی۔ تو وہ خود بھی وہاں جاکر کھیتی باڑی کا کام شروع کر دیا کرتے تھے۔

رجسٹر کا سوال

۱۹۰۶ء میں زولو قوم نے بغاوت کر دی اور مسٹر گاندھی نے زخمیوں کو ہسپتال میں پہنچانے کے لئے بیس اور آدمیوں کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ آخر کار یہ بیس آدمی بیماروں کی تیمارداری میں مشغول رہے۔ مگر اسی سال ٹرانسوال کی نئی گورنمنٹ نے ایک ایسا قانون بنانے کا ارادہ کیا جو ایشیائی اقوام کے حق میں بہت مضر تھا۔ اس قانون کے رو سے تمام ہندوستانی لوگوں کو اپنے انگوٹھے کا نشان بہم پہنچا کر اپنے نام درج کرانے تھے۔ اور اس اندراج سے انکی حیثیت مجرموں کی سی ہو جاتی تھی۔ مگر ہندوستانیوں نے عندشہ سے آگاہ ہو کر مسٹر گاندھی اور مسٹر محمد علی کی سرکردگی میں ایک ڈیپوٹیشن ولایت میں بھیجا۔ چنانچہ اس قانون کے نفاذ میں شاہی منظوری نہ دی گئی۔ لنڈن میں لارڈ امپتھل سابق گورنر مدراس کی صدارت میں ہندیان جنوبی افریقہ کی نگہداشت کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب نہی ٹرانسوال میں ایک آئینی حکومت قائم ہوئی۔ مذکورہ قانون پاس کر دیا گیا۔ اور بادشاہ سلامت نے بھی اپنی منظوری دیدی۔ اس قانون کے پاس کرنے میں ابتدائی انسانی حقوق کو پامال کر دیا گیا تھا۔ اور اب ہندوستانی لوگ اندراج نام یا عدم اندراج کی فکر میں تھے مسٹر گاندھی نے جو ہندیان جنوبی افریقہ کے حقوق کی ستعدی سے حفاظت کرتے رہے تھے۔ لوگوں کو کہہ دیا کہ وہ اپنا نام درج نہ کرائیں۔ اور اس وقت انہوں نے لوگوں کو خاموش مقابلہ کی ترغیب دی۔ لوگوں میں ان کے اس پیغام کا بہت اثر ہوا۔ اور انہوں نے عدم اندراج کی ٹھان لی۔ اندراج کے سوال پر ٹرانسوال میں ایک تنازعہ شروع ہو گیا۔ اور خاموش مقابلہ کی ابتدا ہوئی۔ قانون کی مخالفت کی سے ہندوستانیوں کو

قید خانوں میں بھیجا گیا۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں نے قید کو بے عزتی پر ترجیح دی مسٹر گاندھی کو بھی قید محض کی سزا دی گئی۔ جنرل سمٹس نے کہا کہ اگر ہندوستانیوں نے خود بخود اندراج کرا دیا۔ تو قانون کو واپس لیا جائیگا۔ مسٹر گاندھی نے حکام کو الٹواپن سے بچانے کے لئے دفتر میں جاکر اپنا نام درج کرا دیا۔ مگر ایک پٹھان نے جو خاموشش مقابلہ کی تحریک میں شامل تھا۔ مسٹر گاندھی کو بزدل سمجھ کر انہیں ایسے مکے لگائے۔ کہ مسٹر گاندھی بیہوش ہو گئے۔ اور بعد میں جب انکے احباب نے ظالم افغان کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا مشورہ دیا۔ تو انہوں نے کہا کہ پٹھان نے اپنے ضمیر کے مطابق اچھا کیا ہے۔ مگر با ایں ہمہ جنرل سمٹس نے وعدہ ایفائی نہ کی۔ اور قانون کو ہٹایا نہ گیا۔ پھر کشمکش شروع ہو گئی۔ سینکڑوں ہندوستانی قید خانوں میں بھر دیئے گئے۔ اور اب کے مسٹر گاندھی کو دو ماہ قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ رہائی کے بعد ۱۹۰۹ء میں انہیں ایک ڈیپوٹیشن کا سرکردہ بنایا گیا۔ مگر اس کا بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور آج تک یہ کشمکش جاری ہے۔

ہندوستان میں واپسی

ہندیان جنوبی افریقہ کی کوشش کا خواہ کچھ ہی نتیجہ کیوں نہ ہو۔ مگر مسٹر گاندھی کی شخصیت کا راز اسی سے ملا ہے۔ اور یہ بات کہ دینا امر محال نہیں۔ کہ ہندیان جنوبی افریقہ کبھی اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہونگے۔ اور مسٹر گاندھی کا نام ان اصحاب کی فہرست میں سب سے اول ہوگا۔ جنہوں نے غیر ملک میں اجنبی ہونے کی حیثیت میں بھی اپنی قومیت کی جرأت سے حفاظت کی ہے۔ اسی کشمکش کے بعد مسٹر گاندھی بھارت ماتا کی آغوش میں واپس آ گئے۔ اور انہوں نے ملکی حالات کی دیکھ بھال کے لئے ہندوستان میں دورہ کیا۔ اس کے بعد وہ احمد نگر میں آباد ہو گئے۔ اور وہاں

انہوں نے ایک سکول قائم کر رکھا ہے۔

مفسدانہ رولٹ ایکٹ اور خاموش مقابلہ

مسٹر گاندھی ہندوستان میں عرصہ تک خاموش رہے۔ مگر ۱۹۱۹ء کے آغاز میں سرکار عالیہ نے مفسدانہ اور مغویانہ جرائم کی روک تھام کے لئے رولٹ ایکٹ کو پاس کر دیا۔ مسٹر گاندھی نے اس کے خلاف جابجا تقریریں کیں۔ اور خاموش مقابلہ کی تحریک ہندوستان میں بھی جاری کر دی۔ ہندوستان کے بڑے شہروں میں جلسے اور مظاہرے کئے گئے۔ مگر جاہل طبقہ نے خاموش مقابلہ کے غلط مفہوم کی بنا پر قوانین شکنی شروع کر دی۔ اور آخر مسٹر گاندھی کو خاموش مقابلہ کی تحریک کو ترک کرنا پڑا۔

مسٹر گاندھی کے عادات و خصائل

جیساکہ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے فسادات پنجاب کے دوران میں ولایت میں تقریر کی تھی۔ مسٹر گاندھی ایک مشہور و معروف انسان ہیں۔ ان کا نصب العین زندگی نہایت پاکیزہ اور سفلی تمناؤں سے بالاتر ہے۔ انہیں اپنے فرائض کا مکمل احساس ہے۔ اور وہ ایک نہایت ہی پاکیزہ خیال اور خود دار انسان ہیں۔ انکے مطمحات زندگی بلند اور ان کے چال چلن پر کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ وہ ایک بااصول انسان ہیں۔ اور وہ اعلےٰ مقاصد کے حصول کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ وہ مطالب حقہ کے حصول میں ہمیشہ تکلیف برداشت کرتے رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی اولاد کو بھی جفاکش بنایا ہے۔ وہ ایک مستقل مزاج اور روشن ضمیر انسان ہیں۔ اور ملک و قوم کی محبت سے اُن کا شیشۂ دل لبریز ہے۔ وہ محنت و مشقت کی

زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ اور مصیبت زدگان کی حمایت اپنا فرض جانتے ہیں مسٹر گاندھی سلطنت برطانیہ کے ایک سچے شہری ہیں۔ اور وہ ملک کی بہبودی کے لئے دل و جان سے کام کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ وفاداری اور نیک شعاری ان کا خاصہ ہے۔ اور وہ ایک راستباز شخص ہیں۔ ابنائے وطن سے بالخصوص اور بنی آدم سے بالعموم انہیں حقیقی ہمدردی ہے۔ اور وہ ہندوستان کے ان مہاتماؤں۔ منیوں اور رشیوں کی فہرست میں شمار کئے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ جن کی شخصیت پر ہندوستان قدیم و جدید کو ہمیشہ کے لئے ناز ہوگا۔

نظم

یہ نظم دہلی کے عظیم الشان جلسہ میں مورخہ ۸ نومبر ۱۹۱۹ء کو پڑھی گئی۔
جبکہ مہاتما گاندھی کو فسادات پنجاب کے بعد پنجاب میں داخلہ کی اجازت
ہوئی۔ اور آپ دہلی میں تشریف فرما ہوئے۔

یہ آج خیر سے آئے یہاں قدم کس کے ۔۔۔ زبان خلق پہ نعرے ہیں دمبدم کس کے
ہزار دل سے تھے مشتاق دید ہم کس کے ۔۔۔ حصول آج نظارے ہیں بیش و کم کس کے

یہ کس کے آنے سے اتنا سرور پھیلا ہے
خوشی کا جوش سا نزدیک و دور پھیلا ہے

یہ کون جلوہ فگن ہیں مہاتما گاندھی ۔۔۔ یہ کون فخر زمن ہیں مہاتما گاندھی
یہ کون سوختہ تن ہیں مہاتما گاندھی ۔۔۔ یہ کون جان وطن ہیں مہاتما گاندھی

اب ان کے دلی میں آنے کی بندشیں ہیں
کھٹک ہی بغض کی دلوں میں جو کاوشیں نہ رہیں

یہ وہ ہیں قوم پہ تن من لٹائے بیٹھے ہیں ۔۔۔ گدائے ملک میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں

وطن پرستی پہ ایمان لائے بیٹھے ہیں   دھنی ہیں بات کے آسن جمائے بیٹھے ہیں

وہ کر کے رہتے ہیں جو دل میں ٹھان لیتے ہیں

یہ وہ ہیں نام پہ بھارت کے جان دیتے ہیں

محبِ قوم ہیں اہلِ وطن کے پیارے ہیں   یہ چشمِ مادرِ ہندوستان کے تارے ہیں

یہ وہ ہیں خاک نشینوں کے جو سہارے ہیں   ہزار جان سے ہمدرد یہ ہمارے ہیں

یہی ہیں باعثِ صد ناز ہندیوں کے لیئے

یہی ہیں قوم کے دمساز ہندیوں کے لیئے

یہ وہ ہیں دی ہے جنھوں نے صدائے ستیہ گرہ   انہی کے دم سے بندھی ہے ہوائے ستیہ گرہ

یہ رنگ لاتی ہے صدق و صفائے ستیہ گرہ   تمام ہند ہوا ہے فدائے ستیہ گرہ

نہ سمجھو ان کو یہ خالی وطن کے جوگ میں ہیں

ملول قومی شہیدوں کے بھی یہ سوگ میں ہیں

وہی شہید کہ جو ملک پر نثار ہوئے   وہی کہ چھرّوں سے جن کے جگر فگار ہوئے

وہی اجل کا بلا وجہ جو شکار ہوئے   وہی جو راہِ وطن میں مٹے۔ غبار ہوئے

لہو میں اپنے نہائے جو سُرخرو ہو کر

دلوں میں نقش ہوئے داغِ آرزو ہو کر

وطن کے نام پہ جو اپنے جی پہ کھیل گئے   جو سختیاں کہ اٹھانی پڑیں وہ جھیل گئے

جلا وطن ہوئے یا عمر بھر کو جیل گئے   مگر نہ آنکھ سے آنسو گرے نہ بلبل گئے

وفا کی راہ میں ثابت قدم رہے ان کے

بلا سے دم میں جو باقی نہ دم رہے ان کے

انہی شہیدوں کی قربانی میں یادگار بنے   بنے اور ایسی بنے وجہِ افتخار بنے

مٹے نہ جس کا نشان نقش پائدار بنے   کہ ہر ایک ہال ہزاروں میں شاندار بنے

خلیق زندہ رہے نام مٹنے والوں کا

رہے بہار پہ گلشن وطن کے لالوں کا

پنڈت بال گنگا دھر تلک

تمہید

پنڈت تلک ہندوستان کے مشاہیر کی فہرست میں ایک اعلےٰ پایہ کے انسان مانے جاتے ہیں۔ وہ ایک علم دوست اور قوم پرست آدمی ہیں۔ اور ان کے احباب و اعدا یہ بات مسلمہ طور پر مانتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اعلےٰ شخصیت کے زور سے ہر جگہ ہر دلعزیز بن جاتے ہیں +

پیدائش و طفلی اور زمانۂ تعلیم

مسٹر تلک ۲۳ جولائی ۱۸۵۶ء کو رتناگری میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے آباواجداد مرہٹہ راجاؤں کے زمانۂ اقتدار میں بااثر اور بارسوخ لوگ تھے۔ اور ان کے والد مسٹر گنگا دھر رامچندر تلک بھی ایک عالم و فاضل شخص تھے۔ ان کے والد پہلے تو رتناگری میں اسسٹنٹ ٹیچر تھے۔ اور اس کے بعد وہ تھانہ اور پونا میں ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر رہے۔ پنڈت تلک کو بچپن سے ہی اپنے والد کی تقلید میں علم و فن کا شوق تھا۔ مگر ۱۸۷۲ء میں مسٹر تلک کے والد سُرگباش ہوگئے۔ مسٹر تلک کی عمر اس وقت سولہ سال تھی۔ اور وہ انٹرینس کا امتحان پاس کرنے کے بعد دکن کالج میں داخل ہو گئے۔ جہاں سے اُنھوں نے ۱۸۷۶ء میں بی۔ اے کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد وہ قانون کے مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ اور اُنھوں نے ۱۸۷۹ء میں ایل۔ ایل کی سند حاصل کرلی +

عالم شباب کا زمانہ

اس وقت جب ان کے دل میں طرح طرح کی اُمیدیں تھیں۔ ان کا مسٹر اگرکر سے تعلق ہو گیا۔ اور دونوں نوجوانوں نے سرکاری ملازمت کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر ارزاں تعلیم کے لئے ایک سکول اور کالج کھولنے کا ارادہ کیا۔ پہلے پہل تو کسی نے ان کی حوصلہ افزائی نہ کی لیکن کچھ عرصہ کے بعد مسٹر وشنو کرشن چپلن کار سے ان کی شناسائی ہو گئی۔ جو اپنے زمانہ میں مرہٹی زبان کے ایک اچھے ناثر تھے۔ چنانچہ پنڈت تلک نے مسٹر چپلن کار اور مسٹر جوشی کی معیت میں ۲ جنوری ۱۸۸۰ء کو پونا میں نیو انگلش سکول قائم کیا۔ اس کے بعد مسٹر آپٹے۔ ایم۔ اے اور مسٹر اگرکر ایم۔ اے بھی مسٹر تلک کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور اُنہوں نے ملکر اخبار کیسری اور اخبار مرہٹہ جاری کیا۔ جو مسٹر چپلن کار کے قائم کردہ آریہ بھوشن پریس میں چھپا کرتے تھے۔

اخبار نویسی کا پہلا تلخ تجربہ

اُنہوں نے نہایت دلیرانہ طور پر ریاست کولہاپور کے طرز انتظام پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اور ان کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ چلایا گیا۔ مسٹر چپلن کار تو مقدمہ کے دوران میں ہی چل بسے اور مسٹر تلک اور مسٹر اگرکر کو قصوروار پائے جانے پر چار ماہ قید محض کی سزا دی گئی۔

فرگوسن کالج کا قیام

مسٹر تلک نے رہائی پانے کے بعد مسٹر نم جوشی کے ساتھ مل کر پھر سکول کا کام شروع کر دیا۔ اور اُنہوں نے ۱۸۸۴ء میں پونا کی دکن ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی۔ اس کے بعد

پروفیسر کیلکر پروفیسر دھرپ اور پروفیسر گوکھلے بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور انہوں نے دکن کی تعلیمی انجمن کی سرپرستی میں ۱۸۸۵ء میں فرگوسن کالج قائم کیا اور مسٹر تلک ۱۸۹۰ء تک اس سکول اور کالج کے ساتھ تعلق جاری رکھ کر مستعفی ہو گئے۔

معاشرتی اور مذہبی معاملات کے متعلق اختلاف رائے ہو جانے سے ۱۸۸۸ء میں مسٹر اگرکر نے اخبار کیسری سے قطع تعلق کر لیا۔ اور اب دونوں اخبار مسٹر تلک مسٹر کیلکر اور مسٹر گوکھلے کے ہاتھ میں ہی رہ گئے۔ چونکہ مسٹر کیلکر اخبارات کے ساتھ اپنا تعلق قائم نہیں رکھ سکتے تھے اس لئے وہ بھی علیحدہ ہو گئے۔ اور اب دونوں اخبارات کی ادارت مسٹر تلک کے ذمہ ہی رہ گئی۔ بعد میں حصوں کی تقسیم کی گئی۔ مسٹر تلک اخبارات کیسری اور مرہٹہ کے مالک بن گئے اور پروفیسر کیلکر اور مسٹر گوکھلے کے حصہ میں آریہ بھوشن پریس آیا۔

علم قانون کے معلم

اسی زمانہ میں "ایج آف کانسنٹ بل" کا نفاذ ہونے والا تھا۔ مگر مسٹر تلک کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ ہندو سوسائٹی کی رسم و رواج میں گورنمنٹ کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ اس اصلاح کا خیال اور اس کی ترویج لوگوں کی طرف سے ہونی چاہئے۔ عوام الناس کی مخالفت خدمات کے علاوہ اس وقت مسٹر تلک قانونی جماعتوں کو قانون بھی پڑھایا کرتے تھے۔

ویدوں کا مطالعہ

قانون کی تعلیم اور اخبار کی ادارت سے جو وقت بچتا تھا۔ اسے وہ ویدوں کے مطالعہ میں صرف کیا کرتے تھے انہوں نے محققانہ طریقۂ مطالعہ اختیار کیا اور وہ تھوڑے عرصہ میں ہی زبان سنسکرت کے ایک فاضل ہو گئے۔ ۱۸۹۲ء میں السنہ شرقیہ اور علوم مشرقی کی بین الاقوامی کانگرس کا اجلاس لنڈن میں ہوا اور انہوں نے ویدوں کی قدامت کی تشریح کی

کے لئے مختصر سا ایک مسودہ اس اجلاس میں بھیجا۔ اور اس کے بعد انہوں نے اس مسودہ کو کتابی صورت
میں بھی شائع کر دیا۔

پنڈت تلک کی قانونی قابلیت

کچھ عرصہ کے بعد ریاست بڑودہ کے محکمہ مال کے ایک افسر راؤ صاحب این ایس
بد نظمی کے باعث مقدمہ چلایا گیا۔ مگر راؤ صاحب مذکور پنڈت تلک کے بہت دوست
نت جی نے اپنے اخبار کے ذریعہ راؤ صاحب کی اس طریق پر حمایت کی۔ کہ ان کے
سے ان کی قانونی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر پنڈت
وکالت کو شروع کر دیتے تو وہ ہائیکورٹ کے جج بن جاتے۔

صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کے ممبر اور یونیورسٹی کے فیلو

چونکہ مسٹر تلک کو سیاسیات میں بہت ملکہ تھا۔ اس لئے وہ کانگرس میں شامل ہونے کے خواہاں
وہ انڈین نیشنل کانگرس کی سٹینڈنگ کمیٹی کے کئی سال تک سیکرٹری بھی رہے تھے اور
پراونشیل کانفرنس کے پانچ اجلاس میں بھی وہ سرگرمی سے کام کیا کرتے تھے۔ انہیں
کی قانونی کونسل کا دو بار ممبر اور بمبئی یونیورسٹی کا دو بار فیلو منتخب کیا گیا۔ اس کے
میونسپل کمیٹی کے امور پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اور انہیں ۱۸۹۵ء میں میونسپل کمیٹی
ممبر بھی بنایا گیا۔ اسی سال وہ انڈین نیشنل کانگرس کے گیارھویں اجلاس منعقدہ پونا کے
بھی بنائے گئے۔ مگر چونکہ کانگرس کے پنڈال میں سوشیل کانفرنس کے اجلاس
کے ممبران کانگرس کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ اس لئے
سکرٹری شپ سے دستبردار ہو گئے۔ تاہم وہ کانگرس کے اجلاس
بنانے کے لئے ہر طریق پر امداد دیتے رہے۔

انسداد قحط میں مسٹر تلک کی سرگرمی

۱۸۹۶ء میں صوبہ بمبئی میں قحط کا آغاز ہوا۔ اور مسٹر تلک نے جس سرگرمی سے انسداد قحط کی کوشش کی اُس سے انکی اس محبت کا ثبوت ملتا ہے جو بڑے لوگوں کو غربا کے ساتھ ہونی چاہئے۔ اور جس کے باعث ایک مقتدر انسان عوام الناس میں ہر دلعزیز ہو جاتا ہے شہر پونا میں انہوں نے غلہ کی ارزاں فروخت کے لئے دوکانیں کھولدیں۔ شولاپور اور ناگپور کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کے لئے وہ خود مذکورہ مقامات پر گئے۔ اور انہوں نے سرکاری حکام کے ساتھ ملکر لوگوں کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے مفت خوراک دینے کے انتظام میں مساعی جمیلہ سے کام کیا۔ جب پونا میں طاعون کا دور دورہ ہوا۔ اس وقت بھی مسٹر تلک نے پلیگ کی روک تھام کے لئے نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو سیاست دان اور متمدن کہتے تھے۔ دبا زدہ علاقہ سے دوڑ گئے۔ مگر مسٹر تلک نے وہیں موجود رہکر ایک ہسپتال قائم کردیا۔

مشاہیر پرستی کا عقیدہ

مسٹر تلک مشاہیر پرستی کے قائل ہیں۔ اور وہ اسے قومی ترقی کا موجب جانتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سیواجی کو مرہٹہ قوم کا ایک جانباز بہادر منتخب کیا۔ اور انہوں نے سیواجی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے سیواجی کی سمادھ کی مرمت اور اُس کا تیوہار منانے کی تحریک شروع کی۔ ان ایام میں مہاراشٹر میں پلیگ تھی اور ۱۸۹۶ء میں سیواجی کا تیوہار اس کی سالگرہ پر نہیں بلکہ تاجپوشی کے روز منایا گیا۔ رسوم نہایت شان و شوکت سے ادا کی گئیں۔ اور اس تیوہار کی کیفیت اخبار کیسری میں درج کی گئی۔

پنڈت تلک کی گرفتاری اور رہائی

۲۲- جون ۱۸۹۷ء کو مسٹر رنڈ قتل ہو گئے۔ اور اس سے اینگلو انڈین اصحاب نے مخذوش ہو کر اس قتل کو اخبار کیسری کے مضامین کا نتیجہ قرار دیا اور صوبہ بمبئی کی گورنمنٹ نے مسٹر بک ا جو مشرقی زبانوں کے مترجم تھے مقدمہ چلانے کی اجازت دیدی۔ ۲۷- جون کی رات کو مسٹر تلک بغاوت کے الزام میں شہر بمبئی میں گرفتار کر کے چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے روبرو پیش کئے گئے۔ اور ان کی درخواست ضمانت نامنظور ہوئی۔ ہائیکورٹ میں بھی ضمانت کی درخواست دی گئی۔ مگر وہاں بھی درخواست منظور نہ ہوئی۔ ۲ اگست کو مسٹر تلک ہائیکورٹ میں پیش ہوئے۔ اور مسٹر ڈیور نے جسٹس طیب جی کے روبرو پھر ضمانت کی درخواست دی۔ گورنمنٹ نے اس کی مخالفت کی مگر جسٹس طیب جی نے قانون انگلستان کے صحیح مفہوم کی بنا پر مسٹر تلک کو ضمانت پر رہا کر دیا۔ مسٹر لیف اور مسٹر ڈیور صفائی کی طرف سے پیش ہوتے۔ اور ایڈووکیٹ جنرل وکیل استغاثہ تھے۔ آخر کار ایک جیوری قائم کی گئی جس میں ۶ یورپین اور ۳ ہندوستانی تھے۔ اور مسٹر تلک کو ممبران جیوری کی کثرت رائے کے رو سے مجرم قرار دیا گیا۔ جج نے بھی اس فیصلہ کو منظور کر کے پنڈت تلک کو اٹھارہ ۱۸ ماہ قید بامشقت کی سزا دیدی۔ اور مسٹر تلک کو پریوی کونسل میں بھی خاص اپیل کرنے کی اجازت نہ ملی۔ پریوی کونسل میں بھی اپیل کی تحریک کی گئی۔ مگر وہاں بھی درخواست نامنظور ہوئی لیکن پروفیسر میکس ملر اور مسٹر ولیم ہنٹر نے جو پنڈت تلک کے دوست تھے۔ ملکہ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی کی خدمت میں رحم کی درخواست دی اور رحم دل ملکہ نے مسٹر تلک کو از روئے رحم رہا کر دیا۔ جو بادشاہوں کا خاص حق ہوتا ہے بعض رسمی شرائط کی پابندی کے متعلق رضامندی ظاہر کرنے کے بعد ۶ ستمبر ۱۸۹۹ء کو پنڈت تلک کو رہا کر دیا گیا +

کانگرس میں شمولیت

مسٹر تلک نے رہائی کے بعد چھ ماہ اپنی صحت کی درستی کے لئے سنگھ گڑھ کے پہاڑی مقام پر بسر کئے۔ اور اس کے بعد کانگرس کے اجلاس منعقدہ مدراس میں شامل ہوئے۔ جہاں سے وہ سیلون میں چلے گئے۔

ویدوں کا مطالعہ

باوجود ان تمام مشاغل کے اُنہوں نے ویدوں کا مطالعہ ازسرِ نو شروع کر دیا۔ اور دس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ اُنہوں نے تمام ویدوں اور اُن مغربی رسائل کو پڑھ لیا جو ویدوں کی قدامت کے متعلق لکھے گئے تھے۔ مگر ابھی وہ ویدوں کے مطالعہ ہی میں مصروف تھے۔ کہ ایک اور مصیبت اُن پر آن پڑی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ پونا کے ایک معتقد سردار شری بابا مہاراج اس قدر بیمار ہو گئے۔ کہ ان کی وفات کا وقت آپہنچا اُنہوں نے اس وقت مسٹر تلک کو بلایا۔ جن کو رہا ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہُوا تھا چونکہ مسٹر تلک سردار صاحب مذکور کے ایک گہرے دوست تھے۔ اِس لئے سردار صاحب نے اپنی آخری وصیت کے مطابق انہیں خاندان کی خوشحالی کا ذمہ دار قرار دیا۔ اور اُنہوں نے مجبور ہو کر اس وصیت پر عمل کرنا قبول کیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۰۴ء تک وہ مذکورہ خاندان کے مخمصوں میں ہی پھنسے رہے۔

مسٹر تلک کی سیاسی مصروفیت

مسٹر تلک سنہ ۱۹۰۵ء سے لیکر آج تک متواتر سیاسی امور میں مصروف رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کے عہدِ حکومت میں تقسیم بنگال کا واقعہ ظہور پذیر ہونے کے باعث سنہ ۱۹۰۵ء

ہیں کانگرس کے اجلاس منعقدہ بنارس میں بائیکاٹ کے آواز کا استعمال مناسب قرار دیا گیا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں بھی سوراج۔ بائیکاٹ۔ سودیشی اور قومی تعلیم کا چرچا بڑے زور و شور سے ہوا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا۔ ۱۹۰۸ء میں مسٹر تلک نے ترک مسکرات کی تحریک اور میونسپل امور میں سرگرمی دکھائی۔ اور صوبہ بمبئی کی پروونشل کانگرس کے اجلاس منعقدہ دھولیا میں بھی مسٹر تلک شامل تھے۔ تقسیم بنگال کے باعث صوبہ بنگال میں باغیانہ جرائم رونما ہوئے۔ اور سرکار عالیہ نے ان کی روک تھام کو ضروری اور لابد سمجھا۔ صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کا اجلاس ۲۰ جون ۱۹۰۸ء کو پونا میں ہوا۔ اور مذکورہ صوبہ کے لاٹ صاحب نے باغیانہ جرائم کی روک تھام کے لئے قرار واقعی انسداد کا اعلان کر دیا۔ بعض اخبارات کے خلاف پہلے سے ہی الزام بغاوت میں مقدمات جاری تھے۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ مسٹر تلک بھی ایک آزاد نویس شخص تھے۔ ان کے اخبار "کال" میں ان کے ایک دوست مسٹر پرنجپے نامی کا کوئی باغیانہ مضمون شائع ہوا تھا۔ اور مسٹر پرنجپے کو سشن سپرد کر دیا گیا تھا۔ مسٹر تلک بھی امداد دینے کے لئے بمبئی میں آ گئے۔ ۲۳۔ جون کو مسٹر تلک کے خلاف مقدمہ چلانے کی اجازت سرکاری طور پر دی گئی اور چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے جاری کردہ وارنٹ کے رو سے ۲۴۔ جون کو انہیں سردار گرھ میں شام کے ۸ بجے گرفتار کر لیا گیا۔ اسی روز پونا اور سنگھ گڑھ میں ان کے دفتر اور مکان کی تلاشی لی گئی۔ اور ان کے مکان سے ایک پوسٹ کارڈ برآمد ہوا جس میں آتشی اشیا کے تیار کرنے کی دو کتابوں کے نام لکھے تھے۔ ۲۴۔ جون کو مسٹر تلک کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور مجسٹریٹ نے درخواست ضمانت کو نامنظور کر کے زیر حراست رکھنے کا حکم دیا۔ جب مسٹر تلک قید خانہ میں تھے تو اخبار "کیسری" مطبوعہ مورخہ ۹ جون میں بھی ایک ایسا مضمون دیکھا گیا تھا جو قابل اعتراض تھا۔ اور اس کی بنا پر مسٹر تلک کے نام قید خانہ میں بھی وارنٹ

جاری کیا گیا۔ مسٹر اُسٹن نے ۲۹۔جون کو مسٹر تلک کا مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴۔الف اور ۱۵۳ا الف تعزیرات ہند ہائی کورٹ بمبئی میں منتقل کر دیا۔ مسٹر تلک بمبئی کے ڈونگری جیل میں رکھے گئے۔ مسٹر تلک کی طرف سے مسٹر محمد علی جناح بیرسٹر مقدمہ کی پیروی کے لئے پیش ہوئے اور مسٹر ڈیور جج ہائیکورٹ بمبئی نے مقدمہ کی سماعت کی ضمانت کے لئے درخواست دی گئی۔ مگر یہ نامنظور ہوئی۔ استغاثہ نے خاص جیوری کی درخواست دی اور یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ ۱۳۔جولائی کو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ ایک خاص جیوری قائم کی گئی۔ جس میں سات یوروپین اور دو پارسی تھے۔ استغاثہ کی کارروائی ڈھائی دن تک جاری رہی۔ سماعت کے تیسرے روز شام کے ۴ بجے مسٹر تلک نے صفائی شروع کی۔ اور جیسا کہ مسٹر ڈیور نے جیوری کے سامنے یہ ذکر کیا۔ وہ اکیس گھنٹہ تک تقریر کرتے رہے۔ اور آخری روز اُنہوں نے اپنی تقریر کو ساڑھے بارہ بجے ختم کیا۔ سرکاری وکیل نے جواب دیا۔ جج نے مقدمہ کو جیوری کے سپرد کر دیا۔ جس کا اجلاس رات کے دس بجے تک رہا۔ سات ممبران جیوری کی کثرت رائے سے مسٹر تلک قصور وار قرار دئے گئے۔ اور جج نے جیوری کے اِس فیصلہ کو منظور کر کے مجرم کو ۶ سال قید بہ عبور دریائے شور اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ مسٹر تلک کو فوراً احمد آباد میں بھیج دیا گیا۔ اور وہاں سے وہ مانڈلے میں بھیجے گئے۔ مگر فیاض اور رحمدل سرکار نے ان کو جرمانہ معاف کر دیا۔ اور قید سخت کو قید محض میں تبدیل کر دیا۔ یہاں ہر قسم کی درخواستیں دی گئیں۔ مگر سب بیکار گئیں۔ آخر مسٹر تلک کے دوست مسٹر کھاپڑدے پریوی کونسل میں اُن کے مقدمہ کی پیروی کے لئے انگلستان کو روانہ ہو گئے۔ مگر وہاں جا کر بھی روپیہ اور وقت ہی ضائع ہوا کیونکہ پریوی کونسل نے بھی درخواست کو غیر مدلل قرار دیا۔ مسٹر تلک کو چار و ناچار سزا بھگتنی پڑی۔ بمبئی کے مزدورانِ کارخانہ نے مسٹر تلک کے سزا یاب ہونے پر ہڑتال

کردی۔ اور ہمدردی کے جلسے کئے گئے۔ مسٹر تلک قید کے ایام میں بھاگوت گیتا کا مطالعہ کرتے رہے۔ اور آخر وہ ۱۹۱۴ء میں اپنے وطنِ مالوف میں واپس آئے۔ چھ سال کے عرصہ میں واقعات کی حالت کچھ اور ہی ہوچکی تھی۔ برطانیہ عظم کمزور قوموں کی آزادی کی حمایت کے لئے جنگ عظیم میں شامل ہوچکا تھا۔ اور ماڈریٹ پارٹی اور اکسٹریمسٹ پارٹی اقوامِ عالم میں ہندوستانیوں کی عزت و شہرت کو چار چاند لگانے کے لئے متحد و متفق ہوچکی تھیں۔ "ہوم رول" کی تحریک بدستور جاری تھی۔ مسٹر تلک آپ پھر اس تحریک میں شامل ہوگئے۔ مرہٹہ اور کیسری نے اس تحریک کی تائید میں تحریری امداد شروع کردی۔ جابجا ہوم رول لیگ بنائی گئی۔ جلسے کئے گئے اور مسٹر تلک نے ہر جا ہوم رول کے متعلق تقریریں کیں۔ اب مسٹر تلک کی عمر کا ساٹھواں سال تھا۔ اور ۲۳۔ جولائی ۱۹۱۶ء اُن کی سالگرہ کا دن تھا۔ لوگوں نے پنڈت تلک کی خدمات کے اعتراف میں اس روز انہیں ایک لاکھ روپے کی رقم بطور نذرانہ پیش کی۔ مگر اس وقت گورنمنٹ نے مسٹر تلک کی ان تقریروں کو مدنظر رکھ کر جو انہوں نے ہوم رول کے متعلق کی تھیں۔ اُن سے ایک سال کے لئے ایک گرانبہا ضمانت طلب کی۔ کیونکہ پریذیڈنسی مجسٹریٹ نے اِن تقریروں کو قابلِ اعتراض قرار دیا تھا مگر ہائیکورٹ بمبئی میں اپیل دائر کرنے پر جسٹس بیچلر اور جسٹس شاہ نے اتفاق رائے سے اِن تقریروں کو وفادارانہ قرار دیا۔

مسٹر تلک ولایت میں

ضمانت کی تکلیف سے بری ہوکر مسٹر تلک نے نہایت سرگرمی سے لکھنؤ کی متحدہ کانگرس میں کام شروع کر دیا۔ اور اب وہ ہوم رول کے ایک سرکردہ لیڈر مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسودہ قانون اصلاحات کو ولایت میں ہر دلعزیز بنانے اور وہاں ہندوستانیوں

کے خیالات کی ترجمانی کے لئے آجکل ولایت میں ہیں۔ پنڈت تلک کے ہوم رول اور ہندوستان کی موجودہ ترقی کے متعلق ولایت میں بیشمار تقریریں کی ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ وہاں کے اخبار نویسوں مدیروں اور ماہرین سیاست کے ساتھ انہوں نے کافی رسوخ و اثر پیدا کرلیا ہے ؛

عادات وخصائل

مسٹر تلک اپنے ابنائے وطن میں بہت ہردلعزیز ہیں اور وہ ہندوستان کے سیاسی رازدانوں اور ماہرین کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کو انگریزی تعلیم کے مفید و مؤثر ہونے کا کامل یقین ہے مسٹر تلک سادہ لباس پہنتے اور سادہ طرز زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز کلام سادہ ہے۔ اور ہرکہ ومہ ان کی ملاقات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ وہ ایک فاجل جل ہیں۔ انکے مزاج میں تحمل اور بردباری ہے اور صرف اس کی بدولت وہ تلخ تجربات زندگی کے باوجود بھی زندہ رہ سکے ہیں۔ اور جیسا کہ واقعات کی برتی رو سے ظاہر ہے مسٹر تلک کا نام ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے بطور یادگار رہیگا ؛

(**نوٹ**) جب یہ حالات مکمل ہو چکے تھے۔ تو مسٹر تلک ولایت سے واپس آنیوالے تھے۔ چنانچہ مناسب اضافہ کردیا گیا ؛ دیکھو صفحہ

آنریبل مسٹر محمد علی جناح

تمہید

ہندوستان کے سربرآوردہ پولیٹیکل لیڈروں میں آنریبل مسٹر محمد علی جناح کا نام نامی بھی برسوں تک زبان زد خلائق رہیگا کیونکہ انہوں نے کاروباری مصروفیت کے باوجود بھی اپنی زندگی قومی خدمت میں بسر کی ہے اور وہ ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک بار اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ میں مسلمانوں کا گوکھلے بننا چاہتا ہوں اور قومی خدمت میں اسی طرح زندگی بسر کرنے کی تمنا رکھتا ہوں جس طرح آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے نے اپنی زندگی وقف ملک و قوم کر رکھی تھی۔ ناظرین کے لئے یہ بات بھی موجب مسرت ہوگی۔ کہ مسٹر گوکھلے آنجہانی بھی مسٹر محمد علی جناح کو زندگی کے اہم اور دشوار گذار سفر میں اپنا رفیق شفیق جانتے تھے چنانچہ مسٹر جناح کی بابت انہوں نے کہا تھا کہ مسٹر جناح قومی خدمت کے قابل ہیں۔ ان میں ملیت و قومیت کا کوئی تعصب نہیں۔ اور وہ ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ ہیں۔ مسٹر گوکھلے کے یہ تعریفی الفاظ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اور مسٹر جناح کی قومی تمناؤں اور سیاسی آرزوؤں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے علوم کی نئی زندگی کے دور میں بھی مسٹر جناح نے نمایاں کام کیا ہے۔ مسٹر محمد علی اپنی گفتگو اور حرکات و سکنات سے سراپا جذبات دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان میں بلا کا تحمل ہے۔

پیدائش و ابتدائی حالات

مسٹر محمد علی جناح ۲۵۔ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کے والد ما

کراچی کے ایک مقتدر تاجر تھے اگرچہ ان کی پرورش عیش و تنعم اور ناز و نعمت میں ہوئی۔ مگر وہ خوش قسمتی سے شروع سے ہی علم کے شیدا و شیفتہ تھے۔ پہلے پہل تو وہ کراچی کے مدرسہ میں تعلیم پاتے رہے۔ اور بعد میں وہ مشن سکول میں داخل ہوئے ۱۸۹۲ء میں انہیں انگلستان بھیجا گیا۔ جہاں سے انہوں نے بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ قیام ولایت کے دوران میں ان کا ڈاکٹر دادا بھائی نوروجی سے تعارف ہو گیا۔ جو اس وقت لنڈن کی انڈین سوسائٹی کے پریذیڈنٹ تھے۔ اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے خیالات سے ان پر نہایت مفید اثر پڑا۔

ولایت سے مسٹر جناح کی واپسی اور قومی زندگی کا آغاز

مسٹر محمد علی جناح ۱۸۹۶ء میں ولایت سے ہندوستان میں واپس آئے۔ مگر انکی واپسی پر انقلاب دوراں کے ہاتھوں ان کے مقتدر خاندان کی مالی حالت کمزور ہو چکی تھی۔ اور انہوں نے حوصلہ و ہمت اور محنت و کفایت سے وکالت کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ تین سال کی محنت شاقہ کے بعد وہ اپنی تمناؤں میں کامیاب ہوئے اور کسی دیرینہ دوست کی وساطت سے ان کا تعارف مسٹر میکفرسن سے ہو گیا۔ جو اس وقت صوبہ بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل تھے۔ اس تعارف سے مسٹر جناح کا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا کشمکش زندگی کی ابتدائی تیرہ و تاریک منازل میں آفتاب امید کی کرن دکھائی دی۔ اور ہونہار نوجوان کی وکالت کے چمکنے کا وقت آ پہنچا۔ ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میں انڈین نیشنل کانگرس کا قابل یاد اجلاس منعقد ہوا اور مسٹر دادا بھائی نوروجی نے اس جلسہ میں سیلف گورنمنٹ کے شاندار نصب العین کی تشریح کرتے ہوئے مسٹر جناح کا بھی حاضرین سے تعارف کرایا۔ جو اس وقت پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت میں مسٹر نوروجی کے ساتھ تھے۔ مسٹر نوروجی، مسٹر بدرالدین طیب جی اور سر فیروز شاہ مہتہ کی واقفیت کی بدولت مسٹر جناح بھی انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے۔ اور وہ

کانگرس کی تمام مجالس میں ذوق وشوق سے شریک ہوا کرتے تھے۔ ناظرین کے لئے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔ کہ مسٹر جناح نے سب سے پہلے اس قومی جماعت میں وقف علی الاولاد کے مسئلہ پر تقریر کی جس کی بدولت سامعین کی نگاہیں اُن پر متوجہ ہوگئیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں سر ولیم ویڈربرن کی ہدایت سے ہندو اور مسلمان لیڈروں کا الہ آباد میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں اُنہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے متعلق تجاویز اختیار کرنے کے سوال پر بحث کی مسٹر جناح اس مجلس میں بھی شامل ہوئے۔ اور اسی مجلس میں وہ حقیقی طور پر ہندو مسلم اتحاد کے حامی و مبلغ بنے۔

سوپریم لیجسلیٹو کونسل میں مسٹر جناح کا انتخاب

سنہ ۱۹۱۰ء کے موسم سرما میں صوبۂ بمبئی کے مسلمانوں نے مسٹر جناح کو وائسرائے ہند کی قانونی کونسل کا ممبر منتخب کیا۔ اور مسٹر جناح اِن تمام تجاویز کی سرگرمی سے حمایت کرتے رہے ہیں۔ جو قومی فلاح اور معاشرتی اصلاح کے لئے مسٹر گوکھلے یا مسٹر باسو جیسے بادماغ اور مخیر طبع حضرات پیش کرتے رہے ہیں۔ مسٹر جناح نے خود وقف کے قانون کو کونسل میں پیش کیا اور اس قانون کی ترویج سے لارڈ ہارڈنگ نے نہیں سنہ ۱۹۱۲ء میں بھی زائد میعاد کے لئے اپنی کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ اس قانون پر تقریر کرنے اور اس کی پیچیدگیوں کی فاضلانہ تشریح کرنے سے وہ صرف اپنے رفیقوں میں ہی ہر دلعزیز نہ ہوگئے۔ بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں بھی ان کی عزت کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور وہ اس کے بعد اپنے سیاسی امور و مسائل ہمیشہ مسٹر جناح کی رہنمائی سے حل کرتے رہے ہیں۔

پبلک سروس کمشن کے رُوبرو مسٹر جناح کی شہادت

حضور وائسرائے کی قانونی کونسل سے واپس آنیکے بعد اُنھوں نے پبلک سروس کمشن کے روبرو شہادت دی۔ جو اس وقت بمبئی میں شہادت لے رہی تھی۔ اسی اثناء میں ہندوستان کے مُسلمان جو ہمیشہ اپنی روحانی روایات کے قائل رہے ہیں اپنی سیاسی وراثت سے آگاہ ہوگئے۔ اور ان پر قومی مستقبل کو شاندار بنانے کی اہمیت آشکارا ہوگئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا حلقہ اثر جو مسلمانوں کی تمناؤں اور آرزوؤں کا پتہ لینے کے لئے چند سال پہلے ڈھاکہ میں قائم کی گئی تھی۔ بالکل محدود ثابت ہوا۔ اور ۱۹۱۲ء کے وسط میں وطن پرستی اور ترقی کے اصول کو مدِ نظر رکھ کر آئین لیگ مرتب کرنیکے لئے کلکتہ میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا اور اس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا۔ کہ پالیسی کی تبدیلی کے متعلق مسلمانانِ ہندوستان کے خیالات کو معلوم کرنے کے لئے لیگ کے آنریری سیکرٹری سید وزیر حسن کو مُلک کے مختلف صوبجات میں ایک وسیع دورہ کے لئے بھیجا جائے۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں سر آغا خاں کی صدارت میں لیگ کی کونسل کا ایک خاص اجلاس کیا گیا۔ جس میں لیگ کا نیا آئین وضع کیا گیا۔ جو دسمبر ۱۹۱۳ء میں لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں لوگوں نے نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ اس وقت تک تو مسٹر جناح جو ملی امتیاز و تفرقہ کو ناپسند کرتے تھے۔ لیگ سے بالکل علیحدہ رہے۔ مگر جب انہیں کلکتہ کی کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ اور بعد کی کونسل میں بھی ان سے شمولیت کی درخواست کی گئی۔ تو اُنھوں نے کانفرنس اور کونسل کے اجلاس میں شامل ہو کر رسمی طور پر لیگ کے آئین کے ان دفعات کی حمایت کی جو کانگرس کی بعض دفعات سے ملتی جُلتی تھیں ؂

سفرِ یورپ اور لندن انڈین ایسوسی ایشن کی قائمی

۱۹۱۳ء میں مسٹر جناح کی خدمات کے اعتراف سے ان کے دل میں سرداری کی برقی رو
نہایت تیزی سے پیدا ہو گئی مگر بعض خانگی حالات کے باعث ان کو کچھ دیر کے لئے قومی خدمت
کی محنت کو چھوڑنا پڑا۔ چنانچہ اپریل کے وسط میں وہ مسٹر گوکھلے آنجہانی کی معیت میں سیر و تفریح
کے لئے یورپ کو تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے مادرِ وطن کے امید افزا مستقبل، حقیقی طور
اور آرزوؤں میں اپنے دن بسر کئے۔ اور جب مسٹر جناح انگلستان میں پہنچے۔
اشتیاق سے ولایت کے ہندوستانی طلبا کے ساتھ گفتگو کرنے
کرنے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ ولایت میں پہنچنے کے چند

کا انتخاب

انڈین ایسوسی ایشن قائم کر دی جو اس وقت سے آج تک ہمارے نوجوانوں نے مسٹر جناح کو وائسرائے ہند
اصحاب کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ ازاں تمام قوانین کی سرگرمی سے حمایت
کے ہندوستانی طلبا کی شکایات کی تحقیقات مرتب اصلاح کے لئے مسٹر گوکھلے باستثنا
میں چند ایسے غیر ضروری اور سخت قواعد بنایا کرتے رہے ہیں۔ مسٹر جناح نے خود وقف کے
تعلیمی سرگرمیوں میں داخل ہونے میں وقت ہو۔ قانون کی ترویج سے لارڈ ہارڈنگ نے انہیں

آل انڈیا مسلم لیگ میں

کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ اس قانون پر تقریر
نے سے وہ صرف اپنے رفیقوں میں

جب مسٹر جناح ولایت میں تھے تو وہاں ہندوستانیوں کے دلوں میں بھی ان کی
دلی تمنا سے مسٹر جناح ۱۹۱۳ء کے موسم خزاں میں ہندوستان ورسائل ہمیشہ مسٹر جناح
مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور اگرچہ پہلے بھی وہ مسلم لیگ
تھے مگر آپ کی شمولیت کے بعد انہوں نے مسلم لیگ کا کام زور
سے شروع کر دیا۔

آل انڈیا کانگرس ڈیپوٹیشن میں شمولیت

مسٹر جناح مئی ۱۹۱۴ء میں آل انڈیا کانگرس ڈیپوٹیشن میں شامل ہو کر انگلستان میں چلے گئے جو اصلاحات ہند کے مجوزہ قانون پر غور کرنے کے سلسلہ میں ولایت کو بھیجا گیا تھا۔ مگر ولایت کو روانگی سے پہلے انہوں نے اصلاحات کے متعلق کانگرس کے اجلاس منعقدہ کراچی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ آگرہ میں نہایت اہم رزولیوشن پیش کئے۔ چنانچہ مسٹر جناح سیاسی گروہ ولایت کی پارلیمنٹ اور برطانیہ کی پبلک کے سامنے ہندوستان کے لوگوں کے خیالات ہوگئی۔ آل انڈیا جماعت کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور ولایت میں انہوں نے ہندوستان کے معاملات کے لیے ہندسلہ میں جو تقریریں کیں یا بیان دیئے۔ اُن سے برطانیہ کے عام لوگوں اور مدبروں پر نہایت … کے رسائل اور اخبار پرس … چنانچہ لنڈن کا اخبار ٹائمز اُن کے جو مضامین شائع کرتا رہا ہے وہ ناظرین کے … کا باعث ہو سکتے ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کا آغاز

۱۹۱۵ء میں مادرِ ہندوستان کے سپوت آنریبل مسٹر گوپال کرشن گوکھلے اپنے شیدائیوں کو ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے۔ اور اُن کی وفات پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو اکٹھے ہو کر ماتم کرنا پڑا۔ چنانچہ اس موقع پر محسوس کر لیا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت ہے۔ اس سال کانگرس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہونے والا تھا۔ اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے اس شہر سے بہتر اور کوئی شہر نہیں ہو سکتا۔ مسٹر محمد علی جناح تھے اس وقت کے سرکردہ مسلمانوں کی حمایت سے آل انڈیا مسلم لیگ کو بمبئی میں اپنا سالانہ اجلاس کرنے کی دعوت دی۔ اور اگرچہ ان کے مخالفین نے ہر طرح کی پریشانیاں کیں۔

مگر مسٹر جناح حب الوطنی اور اتحاد کے دلدادہ ہو کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لیے نہایت سرگرمی سے کوشاں رہے۔ اور اُنہوں نے وہ موقعہ پیدا کر دیا۔ جو اہلِ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۱۵ء کی دوپہر کو آل انڈیا نیشنل کانگرس کے ازدحام کثیر اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جمِ غفیر کے سرکردہ قومی رہنما در نہایت ذوق شوق اور کمال سوز و گداز کے درمیان صدیوں کے فراقِ جانکاہ کے بعد آپس میں گلے ملے۔ جس کے باعث ہندو مسلم اتحاد کے آفتاب ملک پرور اور خورشید قوم نواز کی عالمتاب کرنوں نے سراپا نور و مروّت ہو کر ہمارے کلبۂ حزاں کو تاباں اور درخشاں کر دیا مسٹر جناح کی اِس کوشش سے ملک کے ہر گوشہ سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوئے۔ اور مسٹر جناح کا نام نامی اطراف و اکناف عالم میں مشہور ہو گیا۔ ۱۹۱۶ء کے آغاز میں مسٹر محمد علی نے مونٹیگیو کو بسلسلہ ملاقات کبھی جن کا مسٹر ہارنی مین اور رہنڈ ملک سے تعلق تھا۔ اِس خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کہ اِس سے مسٹر جناح کی شہرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

وائسریگل کونسل کی ممبری اور مسلم لیگ کی صدارت

۱۹۱۶ء کے موسم خزاں میں صوبۂ بمبئی کے مسلمانوں نے مسٹر جناح کو حضور وائسرائے ہند کی کونسل کا ممبر سرکاری ممبر منتخب کیا۔ اور ۱۹۱۶ء کے آخر میں انکو اپنے سیاسی عقائد کا اعلان کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں صوبۂ بمبئی کی پولیٹیکل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ کے پریذیڈنٹ منتخب کئے گئے۔ احمد آباد کے اجلاس میں اُنہوں نے ہندوستان کی قومی زندگی کے نئے دور میں مسلمانوں کی اہمیت و حیثیت میں جو تقریریں کیں۔ وہ نہایت تدبر آمیز تھیں۔

مسٹر جناح کی فصاحت و بلاغت

مسٹر جناح ایک فصیح فاضل ہیں۔ ان کی وجاہت اور بلاغت سامعین کے دل پر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اگرچہ مسٹر بنیرجی کی طرح وہ طلیق اللسان نہیں ہیں لیکن انکی تقریریں نہایت مؤثر ہوتی ہیں۔ اور اپنے احباب کے حلقہ میں کبھی وہ اپنی مدلل گفتگو اور قوت فیصلہ سے حاضرین کے دل کو مسخر کر لیتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی اور کانگرس و لیگ کی مشترکہ کمیٹی کے لئے مسٹر جناح ہمیشہ موضح اور مدلل گفتگو کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی کوشش کی بدولت ہی لیگ اور کانگرس کی مشترکہ کمیٹی نے اصلاحات ہند کی تجویز تیار کرنے کے لئے لکھنؤ میں اجلاس منعقد کیا تھا۔

ہوم رول لیگ میں شمولیت

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ہوم رول لیگ کی ندائے بلند گونج رہی تھی مگر مسٹر جناح جو سیلف گورنمنٹ کے موید ہیں اس تحریک سے بالکل علیحدہ رہے لیکن جب مسز بیسنٹ کو نظر بند کیا گیا تو مسٹر جناح حق اور انصاف کی حمایت میں فی الفور صوبۂ بمبئی کی ہوم رول لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی وہ اس کے پردھان بھی بن گئے۔

کونسل سے علیحدگی اور سفر ولایت

مسٹر جناح حضور وائسرائے ہند کی کونسل میں نہایت جانفشانی سے کام کرتے رہے ہیں اور وہ حق و انصاف کے ہمیشہ حامی اور سرکار عالیہ کے ہمیشہ وفادار رہے ہیں۔ پچھلے ایام یعنی ۱۹۱۹ء کے آغاز میں جب قانونی کونسل میں

رولٹ ایکٹ پیش ہوا تو مسٹر جناح نے مستقبل کے آثار کو ایک پیغمبر کی طرح دیکھ کر اس قانون کو پاس نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر جب ان کے مشورہ کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ تو وہ کونسل سے مستعفی ہو گئے۔ اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد مسلم لیگ کے ڈپیوٹیشن میں شامل ہو کر ولایت چلے گئے۔ جہاں اس ڈپیوٹیشن کے ساتھ اصلاحات کے قانون کے سلسلہ میں مفید کام کرنے کے بعد وہ ماہ نومبر میں ہی ولایت سے واپس آئے ہیں ۔

مسٹر جناح کی ذاتی صفات

اس مختصر رسالہ میں مسٹر جناح کے ذاتی حالات اور انکی ذاتی صفات پر بخوبی روشنی ڈالنا مشکل معلوم ہوتا ہے تاہم جیسا واقعات نے ثابت کر دیا ہے اگرچہ مسٹر محمد علی جناح کوئی خاص علمی قابلیت یا مذہبی جوش نہیں رکھتے جس کے باعث ہم ان کو سر ٹیگور پنڈت تلک یا مولانا آزاد جیسے فضلائے روزگار کے زمرے میں شمار کریں لیکن یہ بات بالکل بجا ہے ۔ کہ مسٹر جناح ایک سیاست دان شخص ہیں اور بہت سے لوگ انکو اپنا سیاسی رہبر مانتے ہیں قانون اور سیاست میں انہیں خاص دسترس ہے ۔ ان کی طبیعت میں اخلاص ہے ۔ اور وہ فرض پرستی کے شیدا ہیں ۔ اپنی خانگی زندگی میں وہ عزت و ناموس کے طالب ہیں ۔ اور عام لوگوں میں اپنی آزادروی کو پسند کرتے ہیں ۔ اگرچہ انہوں نے ابھی تک مسٹر بنرجی یا ڈاکٹر لبروجی جیسے عمر رسیدہ صاحب کی طرح زیادہ کام نہیں کیا ۔ تاہم وہ ہمارے قومی لیڈروں کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں ہندوستان کے لوگ ان کو ہندو مسلم اتحاد کا محرک اور موید مانتے ہیں ۔ اور معلوم نہیں آسمان نقاب پوش کے پردۂ زنگاری کے پیچھے ان کے صحیفۂ قسمت میں نقاش حقیقی نے کیا کچھ لکھ دیا ہے اور وہ ہمارے ملک کے مستقبل میں کیا کیا اعلےٰ خدمات انجام دینگے ۔

مولانا احمد ابو الکلام آزاد دہلوی[1]

تمہید

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت باری تعالےٰ نے اپنی عنایت خاص سے انسان کو ملکات فاضلہ سے مزین کر کے اس کے دل میں طرح طرح کا لگاؤ اور طرح طرح کی محبت ڈال دی ہے کسی کو والدین سے الفت ہے کسی کو اولاد سے پیار ہے۔ کوئی زر و دولت کا دلدادہ ہے اور کوئی شہرت و عزت کا تمنائی ہے مگر اولاد و والدین کی محبت اور شہرت و عزت کی شیفتگی سے ملک و ملت اور مذہب و قوم کی محبت افضل ہے کیونکہ جس شخص کے دل میں ملک و ملت کی محبت کا آفتاب عالمتاب اپنا پر تو ڈالتا ہے وہ دنیا کی ہر ایک آرزو سے جس میں خود غرضی کا عنصر مضمر ہو قطع تعلق کر کے اپنی زندگی ملک و قوم کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ چنانچہ تہذیب و تمدن کے اس دور میں ہندوستان کے علماء و فضلا میں سے صرف چند ہی ایسے اصحاب ہونگے جو ملکی اور

---

[1] مولانا آزاد کے حالات سپرد قلم کرنے سے پہلے اس بات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ مولانا موصوف کے مفصل حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ اس لیے ان کی اس مختصر سوانح عمری میں زیادہ تر وہی واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں جو ۱۹۱۲ء کے بعد رونما ہوئے۔ افسوس تو یہ ہے کہ آج تک مولانا آزاد جیسے عالم متبحر اور فاضل اجل کے مفصل حالات کسی نے شائع نہیں کئے۔ تذکرہ کے نام سے صرف ایک کتاب نکلی ہے مگر اس میں بھی مکمل حالات درج نہیں کئے گئے۔ تمنا تھی کہ مولانا کے مفصل حالات شائع ہوتے [illegible] [illegible]

قومی خدمت کو موجب فخر و برکت جانتے ہیں۔ وہ لوگ جن کو تا ہم ہتا د ر رہاشیت کا دعویٰ
ہے ہمیشہ اپنے مریدوں کی نذر و نیاز کے خواہاں ہوتے ہیں۔ اور وہ حضرات جو اپنے آپ کو
علماء و محدثین کے زمرے میں شمار کر بیٹھے ہیں۔ بسا اوقات اپنا اثر و رسوخ بڑھانے
کے در پے رہتے ہیں۔ دنیاداروں نے محض حصول دولت و عزت کو معیار زندگی سمجھ رکھا
ہے۔ اور ہر ایک ملک میں صرف گنتی کے ہی ایسے آدمی ملتے ہیں جو خودغرضی کو بالائے طاق
رکھ کر اپنے ابنائے وطن کی فلاح و اصلاح کے لئے کوشاں ہوں۔ مولانا آزاد سبحانی اور
مولانا عبدالباری کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد بھی ان فضلائے باکمال کے زمرے میں شمار ہونے
کے ہر طرح مستحق ہیں جو پیغمبر اسلام کی عالمتابی کے وقت سے لیکر آجتک ایثار و جاں نثاری اور
جاں سپاری کی روشن مثالوں سے تاریخ عالم کے صفحات کو رونق بخشتے رہے ہیں۔ اور جنہوں
نے حق و انصاف کا طالب ہو کر اپنی دنیوی ثروت و حشمت کو ملکی بہبودی کی نذر کر دیا ہے
حضرت آزاد کے دل میں عشق حقیقی کا بحر بے پایاں متلاطم ہے۔ اور وہ چشم بصیرت سے ان
مشاہدات کا تماشا کرتے ہیں جن کو دیکھ کر مبصرین عالم مائل عبرت ہوا کرتے ہیں۔ مولانا کی
تقریروں سے وہ کیفیت ٹپکتی ہے۔ جو صرف اہل اللہ کا خاصہ ہے۔ اور انکی تحریروں میں قلم کا
وہ رقص وجدانی مضمر ہے جس سے عشاق حقیقی کی بیتابی اور اضطرار پایا جاتا ہے۔
مولانا موصوف طور رفاقت ہیں اور ان کے چہرے سے محبت کی وہی تڑپ آشکارا ہے۔ جو
وادی ایمن میں کبھی حضرت کلیم کی پیشانی پر رقصاں تھی۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور اوامر و
نواہی پر عمل پیرا ہونے کے علاوہ مولانا موصوف نے گذشتہ چھ سات سال میں اپنی شخصیت
کا جو شاندار ثبوت دیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ ان کے دل میں ملک کی محبت موجزن
ہے وہ اپنے ابنائے وطن کے بہی خواہ ہیں۔ اور ایثار و جاں سپاری کی ان میں وہ شان ہویدا
ہے جس نے آنریبل مسٹر گوکھلے پنڈت مالوی جی سر سید احمد مرحوم اور مہاتما گاندھی کا نام شہرۂ
آفاق کر رکھا ہے۔ اور جس کی بدولت اہل ہندوستان کے دلوں پر ان کا قبضہ و سکہ ہے۔

مولانا موصوف راسخ الاصول ہونے کے باعث ہر طرح مشاہیر اسلام اور مشاہیر ہند کے زمرے میں شامل کئے جانے کے قابل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے روحانی فیضان کے علاوہ سیاسی دنیا میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ اور مسلمانوں کی موجودہ سیاسی بیداری کے وہ زیادہ تر ذمہ دار ہیں ٭

پیدائش و خاندانی حالات

مولانا آزاد ۱۸۸۸ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۰۵ ہجری میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے آپ کا آبائی وطن دہلی ہے۔ انکی والدہ ماجدہ مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں اور انہوں نے اپنی طفولیت کا زمانہ مکہ معظمہ میں ہی بسر کیا ہے ان کے والد نے ان کا تاریخی نام فیروز بخت رکھا۔ مولانا کا خاندان ہندوستان و حجاز کے ممتاز خاندان میں شمار ہوتا ہے۔ اور ان کے آباء و اجداد علم و فضل اور حکمت و دانش کے علاوہ روحانیت میں بھی سرکردہ روزگار تھے۔ ان کی والدہ حضرت شیخ بن طاہر کی بھانجی تھیں جو مدینہ منورہ کے مفتی تھے۔ اور جو گذشتہ دور کے اکثر علمائے حجاز میں سے سر برآوردہ اور مکہ معظمہ کے آخری مورث تھے۔ مولانا آزاد کے دادا مولانا محمد ہادی شہر دہلی کے ایک مشہور خاندان علم و فضل سے تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کے والد مرحوم کے نانا مولوی منورالدین اپنے عہد کے مشہور استاد علم و درس اور صاحب طریقت بزرگ تھے جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور سلطنت مغلیہ کے آخری رکن المدرسین تھے۔ مولانا منورالدین کے والد مولانا رشید الدین صوبۂ لاہور کے قاضی القضاۃ اور احمد شاہ ابدالی کی جانب سے نائب السلطنت پنجاب کے مشیر تھے۔ اور ان کے دادا شیخ صدر الدین ہرات کے مشائخ طریقت میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان تعلقات سے مولانا آزاد کی خاندانی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا آزاد نے بھی اپنے خاندانی احترام و تقدیس کو اپنے آباؤ اجداد کی طرح برقرار رکھا ہے۔ اور مولانا موصوف کی بڑی آرزو یہی رہی ہے

کہ زندگی کی آخری گھڑیاں بھی اسلاف کرام کے طریق صدق و حق پر خلوص سے گامزن رہا جائے۔ مولانا آزاد کے والد مرحوم کے دادا حضرت شاہ محمد افضل ہیں۔ اور ان کے والد شیخ محمد حسن مرحوم تھے۔ حضرت شاہ محمد افضل کے مادری سلسلہ کے ایک مورث اعلیٰ حضرت مولانا جمال الدین عرف شیخ بہلول دہلوی ہیں۔ شاہ عبد الحق کی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ شیخ بہلول کا وطن دہلی تھا اور وہ شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں ایک عالم متبحر اور صاحب طریقت بزرگ تھے۔ شیخ بہلول کو روحانی فیض حضرت شیخ محمد داؤد سے اور علمی فیضان سید رفیع الدین شیرازی سے حاصل ہوا تھا۔ شیخ بہلول دہلی میں رہتے تھے اور انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ اگرچہ اس زمانہ میں ہندوستان کا پایہ تخت آگرہ تھا۔ مگر دہلی جسے ام البلاد کہنا چاہئے علم و فن کی مشاطہ اور عروس عالم تھی۔ خاندانی نجابت کی بدولت شیخ بہلول کو دربار شاہی میں عروج حاصل ہو گیا۔ مگر جب دربار شاہی کی مذہبی رونق میں فتور آگیا تو مولانا جمال الدین عرف شیخ بہلول ترک وطن کر کے مکہ معظمہ میں چلے گئے۔ چند سالوں کے بعد خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش حج کے لئے گئے اور چونکہ انہیں مولانا جمال الدین سے حسن عقیدت تھا۔ اس لئے وہ بہ اصرار تمام مولانا مرحوم کو ہندوستان میں لے آئے۔ اور مولانا جمال الدین دہلی میں پہنچ کر چند ماہ کے بعد انتقال کر گئے۔ مگر ان کے بعد مولانا آزاد کے خاندان میں سے ایسے برگزیدہ اولیاء اور علماء مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ جن کی روحانیت و علمی فضیلت کی بدولت درس و تدریس اور روحانی فیضان کا چشمہ صدیوں تک جاری رہا۔ اور زمزم معرفت کے تشنہ لب اور تشنہ دہن لوگ جس کے آب زلال سے مدتوں تک اپنی پیاس بجھاتے رہے۔

زمانہ شباب کی جد و جہد

مولانا آزاد کے بچپن کے دن مکہ معظمہ میں ہی بسر ہوئے۔ جہاں انہوں نے علم منقول و معقول علم حدیث و علم قرآن اور فقہ و فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ ہمیں اس موقعہ پر خاص طور

پر اظہار افسوس کرنا پڑتا ہے کہ "تذکرہ" کے دوسرے حصہ کی عدم اشاعت کے باعث ہم مولانا
کے اُن حالات سے محروم ہیں جو عالم شباب اور علمی تحصیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہرحال جیسا کہ
مولانا موصوف خود رقمطراز ہیں۔ اُنہوں نے سرابستان زندگی میں ان اعلیٰ مقاصد کو اپنا مطمع نظر
بنا لیا تھا۔ جن کی تحصیل انسان کے دل میں سیماب کی سی بے تابی پیدا کر دیتی ہے اور جن
کو حاصل کرنے کے لئے انسان سراپا آرزو ہو کر ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ مولانا کی صبح امید
دیکھتے دیکھتے گذر گئی۔ اور شام مایوسی اس طرح پر چھائی کہ امید کی کوئی شمع اُسے روشن نہ کر سکی
ان کا عنفوان شباب امید و حسرت اور تعمیر و تخریب کے خیالات میں بسر ہوا مگر جب عبرت کی
نگاہیں قرطاس قدرت کے شاہکار کی طرف متوجہ ہوئیں۔ تو دل خواہشوں اور تمناؤں کا خمخانہ
ثابت ہوا۔ مگر کارساز حقیقی کو جو بات منظور تھی وہی ہو کر رہی۔ چنانچہ توفیق الٰہی نے ناگہاں
مولانا آزاد کو شاہراہ عشق و محبت تک پہنچا دیا۔ اور مولانا عشق و حقیقت کی منزل میں وارد
ہوئے۔ عشق و حقیقت کی منزل کے بعد مولانا اس آخری منزل میں داخل ہوئے۔ جہاں متاع
درد اور جنس جان سپاری کے سوا اور کوئی شے مقبول نہیں۔ سابقہ تجربات زندگی سے مدد
ملی۔ تائید ایزدی نے حوصلہ بڑھایا۔ اور مولانا آزاد آخر کار اس مقصد عالی تک پہنچ
گئے جس کے لئے کارساز حقیقی نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ۱۹۱۲ء سے پہلے ہندوستان
کے مسلمان سیاسی جدوجہد سے بالکل علیحدہ رہتے تھے اور سیاسی زندگی کا میدان صرف
ہندو بھائیوں کی جولانیوں کے لئے ہی مخصوص تھا۔ مسلمانوں میں سے صرف گنتی
کے چند افراد ہی انڈین نیشنل کانگرس سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اگرچہ مسلم لیگ قائم ہو چکی
تھی۔ مگر مسلمانوں نے سیاسی ترقی کے لئے کوئی خاص نصب العین ابھی تک مقرر نہیں
کیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی زندگی میں یکایک
ایک تغیر عظیم نمودار ہو گیا۔ آخر مسلمان بھی اس شاہراہ پر گامزن ہوئے جس پر پہلے سے
ہندو بھائی تقریباً اپنا نصف سفر ختم کر چکے تھے۔ تعلیم یافتہ مسلمان مذہب کے

علم و عمل سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اور اسلام کا تعلق محض ایک نام نہاد قومی تعلق تصور کیا جاتا تھا۔ تعلیم یافتہ نوجوان مسلمان مذہب کے ہر ایک رکن کی تحقیر کرتے اور مذہبی ارکان کی پابندی کی مخالفت کو باعث فخر جانتے تھے۔ اگرچہ غیر انگریزی طبقہ شعائر اسلامی سے بیگانہ نہیں تھا۔ مگر مذہبی اخلاص اس طبقہ میں بھی مفقود ہو چکا تھا۔ قرآن کریم کی حقیقت سے لوگ غافل تھے۔ اور علماء و مشائخ کا طبقہ بھی مسلمانوں کی مذہبی حیات و ممات سے لاپرواہ ہو گیا تھا۔ ہمارے دین و دنیا کے پیشواؤں کو قومی زوال کی بالکل خبر ہی نہیں تھی۔ اور وہ اس زوال کے اسباب کی تحقیقات کے لئے بھی کبھی کوشش نہیں کرتے تھے۔ کلکتہ سے انگریزی اخبار کامریڈ کی اشاعت ہو چکی تھی۔ اور اگرچہ اس کے فاضل ایڈیٹر مسٹر محمد علی نے انگریزی انشا پردازی کی بدولت شہرت حاصل کر لی تھی۔ مگر یہ اخبار بھی ہمیشہ کانگرس کی مذمت اور ہندو بھائیوں کی مخالفت پر آمادہ رہتا تھا۔ اسی اثناء میں دہلی کا دربار تاجپوشی منعقد ہوا۔ اور اس دربار میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کا اعلان کیا گیا۔ اس واقعہ سے تعلیم یافتہ مسلمان اپنی سیاسی پالیسی کی تبدیلی کے قائل ہو گئے۔ مگر اب کسی ایسے پیر و مرشد کی ضرورت تھی۔ جو ان کو راہ راست پر لگا دیتا ٭

اخبار الہلال کی اشاعت

اس تذبذب اور حیرانی کے عالم میں مولانا آزاد نے کلکتہ سے اخبار الہلال نکالا اور پردہ غیب سے وہ شخص نمودار ہو گیا جس کی زمانہ کو ضرورت تھی۔ چنانچہ مولانا آزاد نے اس اخبار کی پالیسی ایسی رکھی۔ کہ تمام لوگ اس کے شیدا ہو گئے۔ اور ہر گروہ اور ہر طبقہ کے لوگ اس اخبار کے مطالعہ کی ضرورت کو محسوس کرنے لگے۔ اس اخبار کی شان مجتہدانہ تھی۔ اور لکھائی چھپائی اور مضامین کی ندرت کی بدولت چند ہفتہ میں ہی یہ اخبار مشہور عام ہو گیا۔ اس اخبار میں کسی جزوی بات میں بھی کسی کی تقلید نہ

کی گئی اور مذہبی دعوت و تبلیغ سیاسی پالیسی علمی اور ادبی مضامین اور طرز تحریر میں یہ اخبار بالکل نرالا ثابت ہوا جس کے باعث لوگوں نے اس اخبار کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا۔

الہلال کی مذہبی تحریک

سب سے پہلے الہلال نے اپنی مذہبی دعوت کی بدولت مسلمانان ہند کے درمیان ایک مذہبی انقلاب پیدا کر دیا۔ لوگ قرآن کریم کے مخزن حکمت سیاست و معاشرت اور علمیت کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اور اگرچہ مسلمانوں نے بعض امور میں مولانا آزاد کی مخالفت کی۔ مگر آخر کار انہیں بھی اپنی گردن تسلیم خم کرنی پڑی علماء و مشائخ اور انگریزی خواں طبقہ میں اتحاد پیدا ہو گیا۔ اور مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے جو ایک عالم متبحر تھے صاف کہدیا کہ "الہلال کی اشاعت سے پہلے ہم اپنے زندگی کے نصب العین اور سیاسی مطمح نظر سے بالکل غافل تھے" مسٹر محمد علی۔ مسٹر شوکت علی۔ اور ڈاکٹر اقبال کو اخبار الہلال نے مذہب کی راہ دکھلائی۔ اور وہی مسٹر محمد علی جو مسلم یونیورسٹی کے متعلق الہلال کے مضامین کی کامریڈ میں مخالفت کر چکے تھے آخر یونیورسٹی کے متعلق الہلال کی تقلید میں ہی آواز بلند کرنے لگے مسٹر شوکت علی کا مقولہ تھا۔ کہ "الہلال نے ہم کو ایمان کا راستہ بتلا دیا" فخر پنجاب علامہ اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" بھی الہلال کی ہی صدائے معکوس ہے۔ اگر ہم مولانا آزاد کو ان کی اس مذہبی تجدید کے لئے مجدد عصر کہدیں۔ تو نا سوا نہیں ہو گا۔ کیونکہ واقعات و حالات ہمارے پیش نظر ہیں۔ نتائج کو ہم دیکھ چکے ہیں ہمیں مولانا کی صداقت بیانی کا ثبوت مل چکا ہے اور زمانہ پر ان کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

مولانا آزاد کی سیاسی سرگرمی اور نظر بندی کا زمانہ

جن ایام میں مسلمانوں کے درمیان سیاسی بیداری شروع ہوئی جنگ طرابلس اور جنگ

ان کے چھڑ جانے سے مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور اسلامی دنیا میں اخوت و اتحاد کی برقی رَو دوڑ گئی۔ مگر ہندوستان نے جس ہمدردی کا عملی ثبوت دیا۔ اس کی نظیر اسلامی دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ ہندوستان سے چندہ جمع کر کے ٹرکی کے لئے بھیجا گیا اور مولانا آزاد نے بھی ٹرکی کی حمایت میں بہت زیادہ سرگرمی دکھائی۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ کر کے چندہ جمع کیا۔ اور اخبارات میں مضامین لکھ کر اپنے ناظرین سے رقوم چندہ طلب کیں۔ جنگ بلقان سے ابھی دنیا کو نجات ملی ہی تھی کہ محاربۂ عظیم کے طوفان نے تہلکہ مچا دیا۔ انہی سیاسی سرگرمی کے دوران میں مولانا سے اخبار کے لئے ضمانت طلب کی گئی۔ الہلال کے بعد مولانا نے اخبار البلاغ نکالا جس کی پالیسی وہی تھی جس کی تشہیر وہ برسوں تک الہلال میں کرتے رہے تھے۔ ۲۴۔ مارچ ۱۹۱۶ء کو گورنمنٹ بنگال نے قانون تحفظ ہند کی دفعہ نمبر ۳ کی رو سے مولانا آزاد کو ایک ہفتہ کے اندر حدود بنگال سے چلا جانے کے لئے حکم نافذ کر دیا۔ آخر اخبار کو بند کرنا پڑا۔ اور وہ نئی سال کے ایام کے بعد ۳۰ مارچ کو کلکتہ سے روانہ ہو کر رانچی میں چلے گئے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد سرکار عالیہ نے مولانا آزاد کی نظر بندی کا حکم جاری کر دیا۔ چنانچہ عرصہ سے مولانا آزاد رانچی میں شہر سے باہر مورابادی نامی ایک گاؤں میں تنہا مقیم ہیں۔ جس کے اردگرد تمام علاقہ میں وحشی اقوام رہتی ہیں۔ مولانا کی نظر بندی کے دوران میں ان کے احباب نے جلاوطنی اور نظر بندی کے حکم کی تنسیخ کے لئے ایک درخواست دی جس پر کم از کم ساٹھ ہزار اشخاص نے دستخط کئے۔ مگر گورنمنٹ نے رموز مملکت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا آزاد کو حال ہی میں آزاد کیا ہے اور وہ آجکل آزاد ہیں۔ مولانا جلاوطنی کے ایام میں تحقیق و عبادت میں مصروف رہے ہیں۔ اور ہر حالت میں قادر مطلق کے شاکر رہے ہیں۔

مولانا آزاد کی صفات

اس وقت مولانا آزاد کی عمر تقریباً تیس سال ہوگی۔ مگر انہوں نے علمی فضیلت اور روحانی نجابت کی بدولت اپنا نام شہرہ آفاق کر دکھایا ہے۔ سیاسی دنیا میں رہنے والے گندم نما جو فروشوں پر جب مصیبت آتی ہے تو وہ لاحول و استغفار کا ورد کرتے ہوئے اپنی ذاتی حفاظت کو مقدم جانتے ہیں اور ذاتی مقاصد کو خاص طور پر مدنظر رکھتے ہیں۔ اگر مولانا آزاد بیں سکر و ریا ہوتا۔ تو وہ ضرور اپنی رہائی کے لئے کوئی خودغرضانہ کارروائی کرتے۔ ان کے طرزِ عمل سے ان کے اصول کی پختگی کا ثبوت ملتا ہے۔ مولانا آزاد ایک عابد و زاہد بزرگ ہیں۔ اور اگر ہندو مسٹر گاندھی کو مہاتما مانتے ہیں تو ایک زمانہ ضرور آئیگا کہ مسلمان مولانا آزاد کو مجدد مانینگے۔ مولانا شکل و صورت سے بڑے پاکباز معلوم ہوتے ہیں اور انکی طبیعت کی سادگی میں شانِ لاابالیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور وطن پرستی کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ مولانا کی تحریر کو دیکھ کر انسان خود بخود انکی علمی فضیلت کا معتقد ہو جاتا ہے۔ ان کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن ناظرین کے خاص مطالعہ کے قابل ہوگی کیونکہ ہندوستان بھر میں مولانا موصوف ہی ایک ایسے عالم متبحر معلوم ہوتے ہیں جو قرآنی حقائق رموز سے بخوبی واقف ہیں جن کو عربی زبان پر کمال دسترس ہے۔ اور جو الہامی آیات کے حقیقی معانی کو عارف حقانی کی طرح سمجھتے ہیں ٭

(نوٹ) مولانا آزاد کے حالات کے متعلق اپنی تہی بیانگی پر ناظرین سے مکرر معذرت کرتے ہیں ٭ (انور)

جسٹس مہادیو گوبند راناڈے

ولادت

جسٹس راناڈے ۱۸ جنوری ۱۸۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد کے حالات چنداں واضح طور پر معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جد امجد ریاست سانگلی کی طرف سے پونا میں وکیل تھے۔ ان کے دادا ضلع پونا میں ایک معاملت دار تھے۔ اور ان کے والد ماجد تعلقہ واقع ضلع ناسک کے معاملت دار کے کلارک تھے۔ کچھ عرصہ گذرا رابرٹ برنز کا ذکر کرتے ہوئے لارڈ روز بری نے کہا تھا۔ کہ غریب لوگوں کے بچے عام طور پر ذہین اور محنتی ہوا کرتے ہیں۔ مگر انگریزی کے اخبار "لنڈن ٹائمز" نے اس بات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ افلاس اور امارت دونوں قوائے انسانی کے نشوونما میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ اور صرف درمیانہ درجہ کے لوگوں کی اولاد ہی ذہنی اور دماغی ترقی کرسکتی ہے۔ چنانچہ جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مسٹر راناڈے درمیانہ درجہ کی حیثیت کے والدین کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔ جو ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم اور کالج کا داخلہ

مسٹر راناڈے کو پہلے ایک ورنیکلر سکول میں تعلیم دی گئی۔ اور جب ان کی عمر گیارہ سال ہوئی تو انہیں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کولہاپور ہائی سکول میں بھیجا گیا۔ وہاں تعلیم پانے کے بعد وہ الفنسٹن کالج میں داخل ہوئے۔ ان دنوں اس کالج کا انتظام سر الگزینڈر گرانٹ کے سپرد تھا جو انڈین ایجوکیشنل سروس میں ایک ممتاز عالم مانے جاتے تھے۔ اور جو بعد میں ایڈنبرا

یونیورسٹی کے پرنسپل بھی بنائے گئے تھے۔ سر الگزینڈر گرانٹ کے طلباء مسٹر تیلانگ اور سر فیروز شاہ مہتہ وغیرہ نے بہت نام پیدا کیا ہے۔ اور سر الگزینڈر گرانٹ جیسے عالم متبحر کا اثر طلباء پر اکثر خوشگوار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جسٹس راناڈے کو بھی انہی سے فیضان حاصل ہوا تھا۔ مسٹر راناڈے نے ۱۸۶۲ء میں بی۔اے کی سند حاصل کی۔ اور وہ انگریزی میں اول رہے انہوں نے ہسٹری کا مضمون لیکر ۱۸۶۵ء میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اور انہیں طلائی تمغہ بھی ملا۔ اسی سال وہ بمبئی کی یونیورسٹی کے فیلو بنائے گئے۔ اور ۱۸۶۶ء میں انہوں نے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔

تعلیم سے فراغت اور ملازمت

امتحانات سے فارغ ہو کر وہ مراٹھی زبان کے مترجم مقرر ہوئے۔ اور اس کے بعد وہ ریاست کولھاپور کے جوڈیشل محکمہ میں ملازم ہو گئے۔ وہاں سے وہ الفنسٹن کالج بمبئی میں انگریزی زبان کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔ جہاں وہ نہایت کامیابی سے کام کرتے رہے۔ مگر اُن کی قانونی قابلیت نے اُن کا نام مشہور کر رکھا تھا۔ اور وہ ہائیکورٹ بمبئی میں قانونی رپورٹر مقرر کئے گئے۔ اس کے بعد وہ سبارڈی نیٹ جج مقرر ہوئے۔ جہاں سے وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے ہائیکورٹ بمبئی کے جج بن گئے۔

مسٹر راناڈے کی وفاداری

مسٹر راناڈے نے بھی سر ٹی متھوسوامی آئر کی طرح چھوٹی ملازمت سے اعلےٰ عہدہ حاصل کیا تھا۔ اور اگرچہ حاسدوں نے انکی ترقی کو روکنے کے لئے طرح طرح کے جتن کئے۔ مگر مسٹر راناڈے اپنے آپ کو ہمیشہ بچا لیتے رہے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ گورنمنٹ ان پر بغاوت کا شبہ رکھتی تھی۔ کیونکہ انکے حاسد دا قعی طور پر باغیانہ مضامین لکھ کر ان کے پاس

بھیجا کرتے تھے۔ مگر مسٹر راناڈے ہمیشہ خطوط سرکار کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے جن سے سرکارِ عالیہ کے تمام شکوک رفع ہو جاتے تھے۔

قانونی علمیت

مسٹر راناڈے نے جج کے عہدے پر متعین ہو کر نہایت کامیابی سے کام کیا۔ وہ ایک فاضل جج اور ایک اعلےٰ پایہ کے جج اور قانون دان تھے۔ اور ہر مقدمہ کو وہ ہمیشہ نہایت غور سے سنتے تھے۔ اگر وہ فی الواقعی اپنی تمام طاقت قانون میں ہی صرف کر دیتے تو ممکن تھا کہ وہ بہتر یا بہترین قانون دان مانے جاتے۔ مگر قانون کے علاوہ انہوں نے اور کئی کام بھی اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔

علمی مشاغل

جیسا کہ ایک یا دو بار لکھا جا چکا ہے مسٹر راناڈے ایک عالم و فاضل انسان تھے اور وہ آخری دم تک مطالعہ کے شائق رہے۔ مرہٹی۔ سنسکرت۔ اور انگریزی علم ادب میں انہیں خاص دسترس تھی۔ انہیں اپنی قوم مرہٹہ کے کارناموں پر بہت فخر تھا۔ اور انہوں نے اظہار شوق میں مرہٹوں کی تاریخ لکھی۔ جس سے انکے قوائے ذہنی اور دماغی کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے۔ کہ وہ اس کتاب کو مکمل نہ کر سکے۔

مسٹر راناڈے پولیٹیکل اکانمی (علم الاقتصاد) اور ہسٹری کے بہت شائق تھے انہوں نے ہندوستان کے اقتصادیات پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس ملک کے اقتصادی مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے بہت خواہاں تھے۔ اور وہ ایک لحاظ سے سودیشی تحریک کے محرک و مؤید بھی تھے۔

یونیورسٹی کے فیلو

مسٹر راناڈے نے بمبئی کی یونیورسٹی کے فیلو ہوکر یونیورسٹی سینیٹ میں بہت مفید کام کیا اور وہ تعلیمی مسائل میں ہمیشہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔ اور سر فیروز شاہ مہتہ کے ساتھ ملکر انہوں نے نہایت مفید اصلاحات کی ترویج کی ؛

انڈین نیشنل کانگرس کی امداد

مسٹر راناڈے ایک اعلےٰ ترین پایہ کے ہندوستانی افسر تھے۔ اور سرکاری حکام کو سیاسی تحریکات میں شمولیت سے اکثر پرہیز ہوا کرتا ہے۔ وہی وکالت پیشہ لوگ جو کبھی نہایت آزادی سے سیاسی امور کے متعلق تقریریں کرتے ہیں۔ جب جج بنائے جاتے ہیں تو اُن کی زندگی کا ایسا رُخ بدل جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے سابقہ سیاسی احباب کی محفل میں بھی شریک نہیں ہوتے۔ مگر مسٹر راناڈے کی حالت کچھ اور ہی تھی۔ وہ شروع سے لیکر آخر تک انڈین نیشنل کانگرس کے حامی رہے۔ اور وہ اس کے ہر ایک اجلاس میں تقریباً شامل ہوا کرتے تھے۔ ان کے سامنے تصحیح کے لئے رزولیوشن کا مسودہ پیش کیا جاتا تھا۔ اور ان کے الفاظ آخری اور قطعی ہوتے تھے۔ اور کانگرس کی کمیٹی اُن کی رائے سے ہمیشہ فائدہ حاصل کیا کرتی تھی ؛

سوشل ریفارم میں سرگرمی

سیاسی تحریک میں شریک ہونے کے علاوہ مسٹر راناڈے نے سوشل ریفارم کی تحریک میں بہت سرگرمی ظاہر کی۔ اور اس تحریک کے حامی اور رہبر تھے۔ اور وہی اس کے بانی تھے۔ انہوں نے معاشرتی اصلاح کے خیالات میں عجیب وغریب تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اور انڈین سوشل کانفرنس، کو مسٹر راناڈے کی کانفرنس کہنا بیجا نہیں ہوگا۔ وہی اس کانفرنس کے

سکرٹری تھے۔ اور وہ اپنے ابنائے ملک کی اصلاح کے لئے ہمیشہ اس کے اجلاس میں پُرزور تقریریں کیا کرتے تھے۔

مذہبی عقیدہ

مسٹر رانا ڈے برہم سماج سے تعلق رکھتے تھے۔ اور وہ مذہبی نکتہ خیال سے موحد تھے چنانچہ انہوں نے "ہندوستان کی توحید پرستی" پر ایک نہایت مبسوط تقریر کی تھی جس سے انکے عقائد کا اظہار بخوبی ہوتا ہے مسٹر رانا ڈے نے زندگی کے ہر ایک شعبہ میں خواہ وہ سیاسی تھا یا مذہبی جوڈیشل تھا یا سوشل صنعتی تھا یا تعلیمی اعلےٰ قابلیت دکھائی - اور انہوں نے اپنے دل و دماغ کو اپنے ہم وطنوں کی اصلاح کے لئے صرف کیا - مگر افسوس کہ وہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو سرگباش ہو گئے۔

عادات وخصائل

مسٹر رانا ڈے کی خانگی زندگی نہایت سادہ تھی۔ اور ان کے احباب ان کو "رشی" کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی ادنےٰ طبقہ کے لوگ بھی ان سے امداد طلب کرتے تھے تو وہ نہایت خوش خلقی سے ان سے گفتگو کرکے ان کا کام کر دیا کرتے تھے مسٹر رانا ڈے ایک حقیقی محب وطن تھے انکو ہندوستان کی رضا کے اسکی روایتوں اور حکایتوں سے کمال درجہ کا پیار تھا۔ وہ ملک کے ماضی پر اکثر ناز کیا کرتے تھے اور انہیں ایک شاندار مستقبل کی امید تھی۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ برطانیہ عظمےٰ کی عنایات سے آخر وہ دن آرہا ہے کہ ہندوستان کے لوگ پھر عصر قدیم کی طرح خوشحال اور فارغ البال ہونگے اور ان باکمال اصحاب کی روحیں جنہوں نے اپنے ملک کی فلاح وبہبود کے لئے ایثار دکھایا اس پُر رونق نظاروں کو دیکھ کر مسرور وشادماں ہونگی۔

شہر بمبئی کے بے تاج تاجدار سر فیروز شاہ مروان جی مہتہ

تمہید

یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ سر فیروز شاہ مہتہ ہندوستان کے سرکردہ اصحاب میں سے ہیں اور مشاہیر ملک کی فہرست میں ڈاکٹر نوروجی کے بعد انہیں کا نام نامی قابل اندراج ہے انہوں نے قریباً چالیس سال تک عمدہ ملکی خدمات کی ہیں اور حکام و عوام یکساں ان کا ادب و احترام کرتے رہے ہیں +

ولادت و تعلیم

مسٹر مہتہ ۴۔ اگست ۱۸۴۵ء کو شہر بمبئی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد ماجد ایک سوداگر تھے۔ اور بمبئی کے سوداگران ہینس کا ماینڈ کمپنی کے ساتھ ان کی تجارتی شراکت تھی۔ ان کے والد ماجد تجارتی امور میں دسترس رکھنے کے علاوہ ادبی اور علمی مذاق کے بھی مالک تھے مسٹر مہتہ کو بچپن میں مناسب عمر میں ہی سکول میں داخل کیا گیا۔ اور انہوں نے ۱۸۶۱ء میں بمبئی کی یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۶۱ء میں وہ الفنسٹن کالج بمبئی میں داخل ہوئے۔ جہاں سے انہوں نے ۱۸۶۴ء میں بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ اور اس کے بعد چھ ماہ کے مطالعہ سے انہوں نے ایم۔ اے کا امتحان بھی پاس کر لیا انہیں مذکورہ کالج میں اعلٰے درجہ کی تعلیم دی گئی۔ کیونکہ اس وقت یہ کالج سر الکزینڈر گرانٹ کی سرپرستی میں تھا۔ جو مسٹر مہتہ کی علمی قابلیت کے بہت مداح تھے۔ اور جنہوں نے ہر طرح سے تعلیمی مسائل کے حل و مطالعہ میں ان کی امداد کی۔ حق تو یہ ہے کہ کالج میں ہی

سر الگزینڈر گرانٹ سے زیر اثر مسٹر مہتہ کی شاندار زندگی کا آغاز ہوا +

ولایت کی تعلیم

جب مسٹر مہتہ نے ایم۔ اے کی سند حاصل کر لی۔ تو سر الگزینڈر گرانٹ نے انہیں اپنے کالج کا فیلو نامزد کر لیا۔ اور جی جی بھائی کے وظیفہ کیلئے ان کی سفارش کی۔ پہلے تو مسٹر مہتہ کے والد نے انہیں ولایت بھیجنے کیلئے نارضامندی ظاہر کی۔ مگر سمجھانے بجھانے سے وہ مسٹر مہتہ کو ولایت بھیجنے پر رضامند ہو گئے +

چنانچہ مسٹر مہتہ تعلیم حاصل کرنیکے لئے ولایت چلے گئے۔ اور وہ "لنکن ان" میں داخل ہو گئے۔ جہاں انہوں نے محنت شاقہ کے بعد ۱۸۶۸ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کر لی مسٹر مہتہ ولایت سے واپس آکر اسی روز بمبئی میں پہنچے جس روز سر الگزینڈر گرانٹ کو ولایت جانے پر الوداعی ایڈریس پیش کیا جانے والا تھا۔ جونہی مسٹر مہتہ نے اپنے محسن کی روانگی کی خبر سنی وہ فوراً الوداعی جلسہ میں شریک ہو گئے +

ولایت میں لنڈن لٹریری ایسوسی ایشن کا قیام

جن ایام میں مسٹر مہتہ ولایت میں تھے۔ ڈاکٹر نوروجی کا ان پر نمایاں اثر پڑا۔ مسٹر ووملیش چندر بونرجی اور مسٹر منوموہن گوش ولایت میں ان کے ہم جماعت تھے۔ اور مسٹر مہتہ کی ولایت میں ہی ان کے ساتھ شناسائی ہوئی تھی۔ جو عمر بھر قائم رہی۔ ڈاکٹر نوروجی نے ولایت میں مسٹر مہتہ مسٹر بونرجی اور دیگر ہندوستانی طلبار کی مدد سے لنڈن لٹریری سوسائٹی اور ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن قائم کی تھی۔ اور یہی اصحاب ان انجمنوں کے اجلاس میں مضامین پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ مسٹر مہتہ نے "ہندوستان میں طریقہ تعلیم" کے متعلق ایک بار نہایت مبسوط تقریر کی تھی۔ جو خاص طور پر

قابل مطالعہ ہے۔

ولایت سے واپسی اور پیشہ وکالت کی ابتدا

مسٹر مہتہ نے بمبئی میں آنے کے بعد جلدی ہی وکالت میں ایسی مہارت پیدا کرلی کہ وہ ایک کامیاب بیرسٹر مانے گئے۔ ۱۸۷۲ء میں وہ "ٹاور آف سائلنس کے بلوے کے مقدمہ" میں صفائی کی طرف سے پیش ہوئے۔ اور ان کے رفیق مسٹر انیسی نے ان کے شاندار مستقبل کی نسبت اسی مقدمہ میں ہی پیشگوئی کردی تھی۔ اس کے بعد وہ سورت کے بلوے کے مقدمہ میں پیش ہوئے۔ اور یہاں بھی انہیں نمایاں کامیابی ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے وکالت کے پیشہ میں جس قدر روپیہ پیدا کیا ہے۔ شاید کسی وکیل نے کم ہی اتنا زر حاصل کیا ہوگا۔ اور ان کی شہرت تو اس قدر ہوگئی تھی کہ صوبہ بمبئی کی دیسی ریاستوں میں وہ سرکار کی طرف سے وقتاً فوقتاً قانونی مشیر بھی مقرر کئے جاتے تھے۔

امور عامہ میں دلچسپی

ولایت سے واپس ہونے کے دن سے ہی سر فیروز شاہ مہتہ امور عامہ میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ ۱۸۶۹ء میں ڈاکٹر نوروجی کو تیس ہزار روپے کی رقم کا "نذرانہ" پیش کرنے کی تحریک شروع ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ بھی اس میں شامل تھے۔ ۱۸۷۱ء میں انہوں نے میونسپل صلاحات کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ اور بعد میں ان کی مجوزہ اصلاحات پر عمل کیا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں وہ شہر بمبئی کی میونسپل کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔ اور وہ ۳۸ سال تک اس کے ممبر رہے۔ پہلے پہل انہوں نے سورت کے ذخیرہ آب کے مسئلہ کا حل کیا۔ اور اس کے بعد میونسپل مسائل کو وہ اس خوش اسلوبی سے

حل کرتے رہتے ہیں کہ وہ شہر بمبئی کے بے تاج تاجدار تسلیم کئے جاتے تھے ۱۸۸۴ء میں وہ میونسپل کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔ اور ۱۸۸۵ء میں بھی وہی صدر تھے۔ اس سال شہزادہ عالی نسب حضور ولیعہد سلطنت معہ اپنی زوجہ محترمہ کے ہندوستان میں تشریف لانیوالے تھے۔ اور سر فیروز شاہ مہتہ جیسے نامور اور سرکردہ شخص کا انتخاب نہایت موزوں تھا۔ اور اینگلو انڈین اور انڈین آرا کے نکتہ خیال سے انہوں نے صدر ہونے کی حیثیت میں نہایت خوش اسلوبی سے کام کیا +

بمبئی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن قائم کی گئی

مسٹر مہتہ اہم مسائل میں بھی بہت دلچسپی لیا کرتے تھے۔ انہوں نے مسٹر تیلانگ اور مسٹر بدر الدین طیب جی کی حمایت سے بمبئی پریذیڈنسی کی ایسوسی ایشن قائم کی جس میں تمام سیاسی امور پر بحث کی جاتی تھی +

صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کی ممبری

لارڈ ریے نے ۱۸۸۶ء میں مسٹر فیروز شاہ مہتہ کو صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کا ممبر منتخب کیا۔ اور مسٹر مہتہ کی مساعی جمیلہ سے ہی میونسپل ایکٹ مجریہ ۱۸۸۸ء مناسب ترمیم کے بعد پاس کیا گیا تھا +

کانگرس میں شمولیت

مسٹر مہتہ بھی ان اصحاب میں شامل تھے جنہوں نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کو قائم کیا تھا۔ اور وہ شروع سے لیکر آخر تک کانگرس کے ایک سرگرم ممبر رہے ۱۸۸۹ء میں جب کانگرس کا اجلاس دوبارہ بمبئی میں ہوا تو وہ استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے

اور انہوں نے جو تقریر کی۔ اس سے تمام حاضرین نمایاں طور پر متاثر ہوئے ۱۸۹۰ء میں وہ کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کے پریذیڈنٹ بنائے گئے۔ اور اس موقعہ پر بھی انہوں نے ایک معرکۃ الآراء تقریر کی ۔

سر فیروز شاہ مہتہ کانگرس کے ہر ایک اجلاس میں شامل نہیں ہوسکے۔ مگر وہ کانگرس کے اجلاس منعقدہ بمبئی کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر بنائے گئے تھے ۔

صوبہ کی قانونی کونسل کی ممبری

سنہ ۱۸۹۲ء میں جب قانونی کونسل کے آئین میں تبدیلی اور ترمیم کی گئی۔ اور عوام الناس کو اپنا ممبر منتخب کرنے کی اجازت دی گئی تو اس وقت سر فیروز شاہ مہتہ صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کے ممبر منتخب کئے گئے۔ اور انہیں بعد میں اس طریق پر متواتر منتخب کیا جاتا رہا۔ کہ وہ قانونی کونسل کے تقریباً ایک مستقل ممبر بن گئے۔ اور انہوں نے جو عمدہ خدمات اس معزز عہدے پر رہ کر سرانجام دیں۔ ان کا ذکر جتنا بھی زیادہ کریں کم ہوگا۔ مسٹر مہتہ نڈر ممتاز۔ اعتدال پسند۔ اور فصیح البیان انسان تھے۔ اور انہوں نے قانونی کونسل میں یہ بات ثابت کر دکھائی تھی۔ کہ ہندوستان کے عوام الناس کا قائم مقام اور ترجمان تعلیم یافتہ اشخاص کو ہی کیا جائے۔ جب بمبئی کی قانونی کونسل میں ضابطہ مال کا ترمیم شدہ قانون پیش ہوا۔ تو انہوں نے اس کے متعلق بہت طویل تقریر کی ۔

وائسرائیگل کونسل کی ممبری

سر فیروز شاہ مہتہ سنہ ۱۸۹۷ء میں صوبہ بمبئی کی طرف سے حضور وائسرائے ہند کی قانونی کونسل کے ممبر منتخب کئے گئے۔ اور انہوں نے اس کونسل میں بھی عمدہ خدمات کیں۔ چنانچہ کلکتہ کے لوگوں نے انکی ان خدمات کے اعتراف میں ہی انہیں ایک ایڈریس پیش کیا

اور اہل کلکتہ کی تقلید میں اہل بمبئی نے بھی انہیں ایک ایڈریس دیا مسٹر مہتہ وائسرائیگل کونسل میں تین سال تک رہے۔ مگر بعد میں وہ نوجوان طبقہ کے انتخاب کیلئے کونسل کی ممبری سے دستکش ہوگئے +

تعلیمی معاملات میں دلچسپی

ان تمام ملکی خدمات کے علاوہ سر فیروز شاہ مہتہ بمبئی کی یونیورسٹی کے سینیٹ میں کام کرتے رہے۔ اور وہ یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہے ہیں جسٹس راناڈے کے ساتھ ملکر انہوں نے یونیورسٹی کے قوانین کے پاس کرانے میں بہت نمایاں کوشش کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اخبار بمبئی کرانیکل بھی جاری کیا +

پولیٹیکل جلسوں میں شراکت

سر فیروز شاہ مہتہ بمبئی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن اور بمبئی پریذیڈنسی کے گریجویٹوں کی ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ رہے۔ اور وہ بمبئی کے ہر ایک جلسہ میں شریک ہوتے وہ ۱۸۹۲ء میں صوبہ بمبئی کی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پونا کے پریذیڈنٹ بنائے گئے اور انہوں نے کئی سرکاری کمشنوں کے روبرو شہادت دی۔ اس کے علاوہ بمبئی کی کلوں کی صنعت و حرفت سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا +

سرکار عالیہ کی طرف سے اعزاز و خطاب

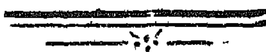
سرکار انگریزی نے بھی ان کی اعلےٰ خدمات کے صلہ میں انہیں ۱۸۹۴ء میں سی آئی۔ ای کا اعزاز عطا فرمایا اور ۱۹۰۴ء وہ کے سی۔ آئی۔ ای بنائے گئے جب جناب ولیعہد سلطنت معہ اپنی زوجہ اعلےٰ نسب کے بمبئی میں تشریف لائے۔ تو شہزادی الاتہار

نے اپنے سفرنامہ میں سر فیروز شاہ مہتہ کے دستخط کرائے۔ جو ایک کمال درجہ کا اعزاز ہے +

وفات حسرت آیات

سر فیروز شاہ مہتہ ہندوستان کے نہایت اعلیٰ سپیکروں میں سے تھے۔ ان کا لب و لہجہ دلکش تھا اور وہ ایک طلیق اللسان شخص تھے۔ اور اُن کی گفتگو اور تقریر میں متانت و سنجیدگی کی روح نظر آتی ہے +

سر فیروز شاہ مہتہ واقعی طور پر شہر بمبئی کے بے تاج تاجدار تھے۔ وہ ایک فطرتی لیڈر اور مدبّر تھے۔ مگر افسوس کہ ۵ نومبر ۱۹۱۵ء کو ان کا نخل حیات ہمیشہ کیلئے افسردہ ہو گیا۔ اور بوستان ہندوستان کے طیور ان کی دلکش تقریر سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے۔ ہندوستان میں ان کی وفات پر قومی ماتم کیا گیا۔ اور اگرچہ آج اُن کا وجود ہمایوں ہماری نگاہوں سے گم ہے۔ مگر وہ زندگی کی کٹھن منزلوں میں شمع ہدایت بن کر ہمارے راستہ میں چمکتے دمکتے اور ہمیں تیرہ و تاریک مراحل میں منزلِ مقصود کی طرف لیجاتے ہیں +



شریمتی سروجنی دیوی

تمہید

ہندوستان جدید کے مہذب اور متمدن لوگوں کے احساس پر سنسکرت قدیم یا صوبجات ملک کی مختلف زبانوں میں ہی مشق سخن کرکے اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ خانگی زندگی کی مسرت ادائے فرائض کا سرور اور مذہبی جوش کا وجد جس قدر پُر اثر طریق پر ان کے مطالعہ سے پیدا ہوسکتا ہے۔ ہمارے خیال میں وہ کسی ہندوستانی کی انگریزی نظم سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور اکثر یہ سوال وقتاً فوقتاً کئی اصحاب کے دل میں پیدا ہوتا رہا ہے کیونکہ سنسکرت قدیم کی شاعری میں جو موسیقی اور مذہبی تخیل مضمر ہے۔ اُس کی نظیر عصر جدید میں نہیں ملتی۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ سر رابندر ناتھ ٹیگور اور شریمتی سروجنی دیوی نے اپنے فکر رسا اور تخیلِ فلک پیما سے ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ اپنے ملک کی مختلف زبانوں کے علاوہ انگریزی زبان میں بھی خیالات کو شاندار طریق پر ملبوس کیا جاسکتا ہے ہندوستان کی انفرادی اور قومی زندگی میں کسی ہندوستانی شخص کی انگریزی شاعری خاص اہمیت رکھتی ہے مشرق و مغرب کی تہذیب کے باہمی اثر سے لوگوں کے دل میں نئے خیالات اور نئے جذبات پیدا ہوئے ہیں ہندوستان کے باشندوں کا قومی اتحاد حب وطن اور بھارت ماتا کی پرستش کے خیالات نے ہندوستان کی دنیا میں نیا عنصر پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ جائز اور مناسب طریق پر نذر قلم ہوئے ہیں عقائد کی کشمکش اور مذہب سائنس کے مناظرے سے ہندوستان میں بھی وہ روحانی بےچینی پیدا ہوگئی ہے جس کے باعث یورپ میں مذہبی شکوک پیدا ہوگئے تھے مغرب میں عورت کی خاص عزت کی جاتی ہے اور اُسے مرد کے اعلےٰ اخلاقی اور وجدانی

جذبات کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں عورت صنف ضعیف کہلاتی تھی۔ مگر خوشی کی
بات ہے کہ آج مغربی تہذیب نے ہمارے دلوں پر عورت کی عزت و عظمت کو منقش کر دیا ہے۔
ہم علمی بیداری کے باعث عالم محسوسات کے خوشنما مناظر کا تماشا کرنیکے شائق ہو گئے ہیں
اور صحیفۂ قدرت کے ورق ورق کو پیغام معرفت سے لبریز پاتے ہیں۔ محسن مغرب نے ہمارے
قول و فعل و تخیل پر بھی مفید اثر پیدا کر دیا ہے۔ اور ان نئے خیالات و جذبات کا اظہار بھی
انگریزی زبان میں ہی بخوبی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ موجودہ زمانہ کے حالات و واقعات نظم و نثر
میں ہمیں انگریزی زبان کی طرف ہی مائل کرتے ہیں۔ اور بہتر بھی یہی ہے کہ ہم مغرب پر
اپنے خیالات کے اظہار کے لئے انگریزی زبان کو ہی استعمال کریں۔ جو مغربی ممالک
میں عام طور پر سمجھی جاتی۔ بولی جاتی اور مروج ہے۔ زبان انگریزی میں مشق سخن کرنے سے
مغرب کے سامنے ہمارے خیالات کی ترجمانی بخوبی ہو سکتی ہے۔ ہندوستان تہذیب و
تمدن کے شروع دور سے ہی روحانی مسرت کی طرف دیگر ممالک کے لوگوں کو مدعو کرتا
رہا ہے۔ اور اگر ہم قومی امتیاز و تنازعہ کو ہمیشہ کے لئے دور کرنا چاہیں۔ تو اس کا
مناسب طریق یہی ہے کہ ہم ہندوستانی خیالات کو مغرب کے سامنے انگریزی زبان میں پیش
کریں۔ کیونکہ اس طریق پر تمام دنیا میں امن و امان سچی خوشی اور حقیقی مسرت پیدا ہوگی۔ ایشیا
کو مکمل اور مفصل اظہار تخیل کے لئے انگریزی زبان کی ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم مبالغہ
اور غلو کو بالائے طاق رکھ کر اظہار تخیل کی اس سادگی کو قبول کریں جو مغرب میں مروج چلی
آتی ہے۔ کیونکہ اس سے ہماری قوت اظہار اور اظہار تخیل میں وہ سادگی اور توازن پیدا
ہو جائیگا۔ جسے دنیا کے ماہرین زبان زباندانی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے
کہ آج ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور اور شریمتی سروجنی دیوی کو علمی دنیا میں خاص عزت و عظمت
کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہندوستانی وطن کا فرض ہے کہ وہ ادبی اصول سے کلام منظوم کا
مطالعہ کر کے مسرت روحانی حاصل کریں۔ تاکہ ان پر ادبی دماغی قابلیت پیدا ہو جس

میں ہم شریمتی سروجنی دیوی کے مختصر سوانحات زندگی درج کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین یہ بات دیکھ سکیں۔ کہ شریمتی سروجنی نے اظہار تخیل کے لیے کیا تعلیم پائی۔ اور انہوں نے کس طریق پر تعلیمی ترقی حاصل کی۔ اور جیسا کہ ہمیں یقین ہے شریمتی سروجنی کے حالات زندگی کو مطالعہ کرکے ناظرین انہیں ملک کے بہترین شعرائے روزگار کی فہرست میں شامل پائینگے کیونکہ شریمتی سروجنی شاعری کے عرش الکمال پر ناہید فلک ہو کر چمکی ہیں اور جب تک دنیا میں زبان کی سلاست اور خیالات کی جدت کی عزت ہوسکتی ہے اسوقت تک شریمتی کا نام نامی بھی دنیا میں بطور یادگار قائم رہیگا ٭

پیدائش و طفولیت

شریمتی سروجنی ۱۳۔ فروری ۱۸۷۹ء کو حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ماجد ڈاکٹر اگھور ناتھ ایک قدیمی برہمن خاندان میں سے ہیں۔ جنہوں نے ۱۸۷۷ء میں ایڈنبرا کی یونیورسٹی سے سائنس کی سند حاصل کر کے یورپ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ہندوستان میں واپس آکر انہوں نے نظام کالج حیدر آباد کو قائم کیا۔ اور وہ آخری وقت تک تعلیمی مشاغل میں محو رہے۔ انہوں نے اپنی سب سے بڑی لڑکی شریمتی سروجنی کو نہایت اچھی طرح تعلیم و تربیت دی۔ چنانچہ خود شریمتی جی نے ایک بار اپنی تقریر میں کہا کہ میرے آباؤ اجداد کئی ہزار سال سے قدرتی مناظر کے شیدائی ہونے کے علاوہ علم و ادب اور فقر کے دلدادہ تھے۔ مجھے خیال ہے کہ ہندوستان بھر میں کوئی شاذ و نادر ہی ایسا شخص ملیگا۔ جو علمی قابلیت میں میرے والد ماجد سے فاضل نہ ہو۔ میرے والد سفید ریش ہیں اور انہوں نے اپنا تمام روپیہ غربا کی امداد اور علم کیمیا پر صرف کر دیا ہے۔ وہ ہر روز اپنے باغ کے صحن میں ایک عام محفل کرتے ہیں جہاں رئیس، فقیر، گدا، سادھو، سنت اور ہر طبقہ کے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ اور وہ ان تمام سے یکساں سلوک کرتے ہیں۔ وہ رات دن

کیمیائی تجاریب میں بسر کر دیتے ہیں۔ اور وہ ہر وقت ایجاد کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔ میں بچپن سے ہی تفکر و تخیل کی شیدا رہی ہوں۔ لیکن مجھے مشقِ سخن کا کوئی خاص اشتیاق نہیں تھا۔ اور میرے والد ماجد نے بھی مجھے زیادہ تر سائنس وغیرہ کی تعلیم دی تھی۔ وہ مجھے ریاضی دان یا سائنس دان بنانا چاہتے تھے۔ لیکن شاعرانہ جذبات نے فوقیت حاصل کر لی۔ گیارہ سال کی عمر میں ایک روز میں کسی سوال کو حل کر رہی تھی۔ مگر اس سوال کا جواب پے در پے غلط نکلتا تھا۔ اور اسی حیرانی کے درمیان اچانک چند اشعار موزوں ہو گئے۔ میں نے ان اشعار کو لکھ لیا اور اس روز سے میں مشقِ سخن کر رہی ہوں۔ تیرہ سال کی عمر میں میں نے چھ روز کے عرصہ میں ایک ایسی طویل نظم لکھی جس میں تیرہ سو ابیات تھے۔ اسی عمر میں میں نے ایک ڈراما بھی تصنیف کیا جس میں دو ہزار ابیات تھے۔ مجھ میں مطالعہ کی بہت شائق تھی۔ اور اسی عمر میں کثیر مطالعہ کے باعث میری صحت پر سخت اثر پڑا۔ میرے خیال میں میں نے ۱۴ اور سولہ سال کی عمر میں زیادہ تر مطالعہ کیا تھا۔ اور میں نے ۱۶ سال کی عمر میں ایک ناول بھی لکھا تھا۔

علمی دُنیا میں شریمتی سروجنی کی شہرت

شریمتی کی اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایامِ بچپن میں ہی شاعرانہ خیالات کا اظہار شروع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ تجربے سے ثابت ہو چکا ہے۔ قدرتی ملکات کا اظہار بچپن میں ہی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ قدرتی دُنیا کی خوبصورتی اور عشق و محبت کی اندرونی دُنیا کا لطف شاعرِ حقیقی کی آب تخیل کے لئے ایک موثر مضراب ہے۔ جس کے ہر نغمے سے خیالات کی رنگینی اور شیرینی مترشح ہوتی ہے۔ شریمتی نے بارہ سال کی عمر میں مدراس یونیورسٹی سے امتحان انٹرینس پاس کیا اور ان کی ہندوستان بھر میں دھوم مچ گئی۔ ۱۸۹۵ء میں انہیں انگلستان میں بھیجا گیا۔ جہاں وہ ۱۸۹۸ء تک تعلیم حاصل کرتی رہیں۔

کنگز کالج لنڈن میں تعلیم پانے کے بعد وہ گرٹن میں بھیجی گئیں۔ مگر یہاں آکر انکی صحت بگڑ گئی۔ ۱۸۹۸ء سے کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے اٹلی میں سیاحت کی۔ اور اٹلی کے خوشنما نظاروں سے انکے شاعرانہ دل پر نہایت مفید اثر پڑا۔ چنانچہ وہ اس ملک کی بابت لکھتی ہیں۔ کہ یہ ملک سونے سے بنایا گیا ہے۔ اور مئی کے مہینہ میں وہاں بہار ایسا دلکش سماں دکھاتی ہے کہ دل بے اختیار قدرتی نظاروں کا شیدائی ہو جاتا ہے ✤

ولایت سے شریمتی کی واپسی

شریمتی سروجنی ستمبر ۱۸۹۸ء میں ولایت سے ہندوستان میں آگئیں۔ اور انہوں نے دسمبر ۱۸۹۸ء میں ڈاکٹر نائیڈو سے شادی کر لی۔ سروجنی جی کے ہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اور وہ اپنی زندگی نہایت فرصت و فراغت شاعری کی محبت اور اپنے شوہر کی اُلفت و عزت میں بسر کرتی رہی ہیں۔ وہ ہندوستان کے عظیم الشان جلسوں میں لوگوں کی قومی رہنمائی کے لئے مؤثر طریق پر تقریریں کرتی رہی ہیں۔ اور حیدر آباد میں انہوں نے سوشل اصلاح میں نمایاں حصہ لیا ہے چنانچہ ان کے متعلق ایک صاحب لکھتے ہیں۔ کہ شریمتی سروجنی دیوی حیدر آباد میں مقیم ہیں جہاں کی پردہ دار عورتیں فارسی اور عربی میں خاص دسترس رکھتی ہیں۔ شریمتی جی ان سب میں سے ممتاز ہیں۔ کیونکہ وہ ہندوستانی اور انگریزی نمونہ معاشرت میں دلچسپی رکھتی ہیں حیدر آباد میں حسن و عشق اور شعر و سخن کا خاص چرچا ہے۔ اور شریمتی جی کا اثر اپنی پردہ دار بہنوں پر نمایاں طریق پر پڑتا رہتا ہے شریمتی جی عصمت و عفت کی ایک خوبصورت دیوی ہیں سوسائٹی میں وہ بیگم انجمن نظر آتی ہیں اور جلسوں میں نہایت خوش الحانی اور فصیح البیانی سے وہ اپنی تقریروں اور نظموں سے حاضرین کے دل پر جادو کا اثر دکھاتی ہیں ✤

ذاتی صفات

شریمتی سروجنی دیوی کی نظموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ روحانیت کے عشاق کی طرح سراپا سوز و گداز ہو کر شعلۂ ازلی کی دید کی مشتاق رہتی ہیں جن اصحاب کو ان سے سلام و کلام کا فخر حاصل ہوا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ شریمتی جی ایک مہربان اور خوش اخلاق دیوی ہیں کچھ عرصہ گذرا حیدرآباد میں موسیٰ ندی کے طوفان سے کئی جانیں تلف ہو گئیں اور ہزاروں لوگ برباد اور بے خانماں ہو گئے۔ مگر شریمتی نے جس تن دہی اور محبت سے مصیبت زدہ لوگوں کی تکالیف و مصائب کو دُور کیا۔ اس کی نظیر نسوانِ عالم کے سوانحات زندگی میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔

شریمتی کی علمی قابلیت اور صحفِ قدرت کا مطالعہ

شریمتی سروجنی دیوی نے اپنے کلام منظوم میں جن شاعرانہ جذبات طبعی کا اظہار کیا ہے ان سے پایا جاتا ہے کہ وہ حسنِ حقیقی کی دلدادہ ہیں۔ اور حسنِ حقیقی کے نظاروں میں انہیں سرورِ ازلی حاصل ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ تلاشِ حسن نے ہی انہیں شاعر بنا دیا ہے اُن کی چشمِ کشاف ہر جگہ ذرے ذرے میں حسنِ قدرت کا تماشا کرتی ہے۔ اور ان کے کلام میں مذاق سلیم موجود ہے۔ اندرونی احساس کی بدولت مناظرِ حق کا مشاہدہ حسن کے رُوحانی پہلو کی محبت۔ امن و صلح کی آرزو۔ وصالِ حقانی کی تمنا۔ اور غور۔ خوشی اور زندگی کی مسرت جو اعلےٰ خیالات و جذبات کا حقیقی عنصر ہے۔ ان کے کلام میں پائی جاتی ہے شریمتی جی کی شاعرانہ طبیعت اور شاعرانہ قابلیت مسٹر تورو دت کے مقابلہ میں جن کا نخلِ حیات عین عالمِ شباب میں قطع ہو گیا تھا۔ زیادہ پیچیدہ اور دقیق ہے۔ شریمتی جی کو مناظرِ قدرت کے بیان کرنے میں کمال دسترس ہے۔ اور ان کے اشعار کا اثر روحِ انسانی

پر نہایت تیزی سے ہوتا ہے۔ سروجنی جی کے کلام میں ندرت و جدت پائی جاتی ہے
وہ انگریزی شاعری کے مختلف اوزان پر قادر ہیں۔ اور ان کی نظموں میں موسیقی کی شانِ
بہار پیدا ہے۔

شریمتی جی کی شاعری کی خصوصیت

شریمتی کی شاعری کی خصوصیت کے متعلق مسٹر ایڈمنڈ گاس رقمطراز ہیں۔ کہ انہوں
نے پہلے پہل تو تخیل و فکر میں انگریزی زبان کے لارڈ ٹینیسن اور شیلے جیسے شہرۂ آفاق شعرا
روزگار کی تقلید کی۔ مگر بعد میں انہوں نے مغربی طرز کو ترک کر دیا۔ اور جنڈول وغیرہ کے
متعلق نظمیں لکھنی بند کر دیں جن کو مغربی ممالک میں بالعموم اور انگلستان میں بالخصوص
قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

چنانچہ ۱۸۹۵ء سے وہ ہندوستان کے مناظر کو ہی منظوم کرتی رہی ہیں۔ اور ان
کی شاعری کے آئینہ میں ہندوستانی زندگی کا عکس ہو بہو دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری
میں موسیقی کی خاص شے نمایاں ہے۔ اور اس میں موسم بہار کی مسرت اور روحانی عالم
کا سرور پایا جاتا ہے۔ عشق محبت کی مشعل سے صحت تخیل منور نظر آتا ہے اور ہندوستان
قدیم کے تہذیب و تمدن کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے شاعری کو ترنم
اور ترنم کی بدولت واقعی طور پر ساحری ثابت کر دکھایا ہے۔ شریمتی جی نے ہندوستانی
لوگوں کے جو گیت بنائے ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہندوستانی لوگوں کے
جذبات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور انہوں نے ہمارے غم و درد اور سرور کو اپنی نظموں
میں موزوں کر دکھایا ہے۔ شریمتی کے کلام منظوم میں اکثر ایسے اشعار ہیں کہ ان میں
صوفیانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ شریمتی جی قدرتی مناظر کی جو شاعرانہ تصویر کھینچی ہیں
ان سے ثابت ہوتا ہے کہ قدرت کے مناظر ان کے دل پر بھی اثرات پیدا کرتے ہیں

جو اثرات مشاہدۂ قدرت سے انگلستان کے مشہور شاعر ورڈز ورتھ کے دل میں پیدا ہوا کرتے تھے۔ وہ قدرت کے مناظر میں صرف خاموش مسرت اور خاموش طمانیت ہی نہیں پاتیں بلکہ ان کو یقین ہے کہ مشاہدۂ قدرت سے ہی انسان کے دل میں اعلےٰ خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ شریمتی جی کی نظموں میں روحانی سرور کی لہر پائی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے کلام میں مخلوق کے نظارے سے خالق حقیقی کی طرف متوجہ دکھائی دیتی ہیں۔

شریمتی سروجنی دیوی کی حُب الوطنی

شریمتی جی نے اپنی شاعری میں بھارت ماتا کی محبت کا طوفان پیدا کر دیا ہے کیونکہ مادرِ ہند کی آئندہ اُمیدیں اور متحد و متفق ہندوستانیوں کے شاندار مستقبل نے انہیں اظہارِ خیالات پر مجبور کر دیا ہے۔ اور انہیں یقین ہے کہ برطانیہ اعظم کے نیرِ اقبال کے نیچے کسی روز بھارت ماتا پھر عروس بہرہ گرفتہ نیرِ اقبال و اوج کے آغوش میں ہو گی۔ اور اُس کے فرزندانِ ارجمند خوشحالی اور فارغ البالی کی پُر فضا مرغزاروں میں زندگی کا سرُور کامل حاصل کرینگے۔

شاعری کا مفہوم

شریمتی سروجنی دیوی نے اپنے دل میں یہ بات بخوبی سمجھ رکھی ہے کہ شاعری کا صحیح مفہوم اور منشاء و اثر نہایت اعلےٰ اور ممتاز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ شاعرِ حقیقی علامہ رومی کے قول کے مطابق کسی خاص پیغامِ حقیقت کے سنانے کے لئے آتا ہے۔ اگر وہ کچھ سنتا ہے تو اوروں کے سنانے کے لئے اور کچھ دیکھتا ہے۔ تو محض اوروں کے دکھانے کیلئے۔ دامنِ کوہسار کا سکوت اُس کی تفریح گاہ ہے۔ اور قدرت کے مناظر اُس کے لئے پیغامِ معرفت سے لبریز ہیں جن حضرات نے قبلۂ شعراء علامہ اقبال کی نظم

"رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں" کا مطالعہ کیا ہوگا۔ ان پر شاعر کے
دل کی ماہیت اور رموزِ شاعری کا بخوبی انکشاف ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ شریمتی جی نے نظمیں
لکھی ہیں۔ ان میں ترنم و موسیقی کی ایک قدرتی بہار پیدا ہے۔ اور ان سے ظاہر ہوتا
ہے کہ وہ مناظرِ قدرت کی شیفتہ و شیدا ہیں۔ شریمتی جی شاعری کے اوزان پر اچھی
طرح حاوی ہیں۔ اور انہوں نے تقریباً ہر وزن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی قوتِ سامعہ
اس قدر تیز اور رسا ہے کہ وہ زبان کی یگانگت اور یکسانیت کو فوراً تاڑ جاتی ہیں اور
یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں کسی قسم کا سقم پایا نہیں جاتا۔ شریمتی جی نے
بلینک ورس میں بھی شیکسپیئر کی بخوبی تقلید نہیں کی۔ مگر ان کی نظموں میں اس کے
خفیف اثرات پائے جاتے ہیں۔ ان کی بندش نہایت چست ہوتی ہے اور وہ اپنے
کلام کو ایسے استعارات و تشبیہات سے پُر کرتی ہیں۔ کہ نفاست اور سلاست کی
شان پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی نظمیں خیالات و حالات کے رو سے بھی سودیشی ہیں۔
یعنی وہ ہندوستان کے لوگوں کے حالات و خیالات اور جذبات و کیفیات کو اپنی
نظموں میں ملبوس کرتی ہیں۔ اور ان کی نظموں میں قدیم حکایتیں۔ روایتیں۔ اور داستانیں
کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی نظموں میں باوجود سوز و گداز کے
بھی [illegible] نمونہ نظر نہیں آتا۔ اور حیاتِ بعد ممات کا بھی
بہت کم تذکرہ ہے لیکن پھر بھی موجبِ مسرت ہے۔ کہ وہ صنفِ ضعیف میں سے
ہو کر ان شاعرانہ خیالات کا اظہار کثرت سے کرتی رہتی ہیں۔ جو اپنی نفاست و
سادگی کی بدولت ہمارے ایشیا کے ادبی مضامین میں ممتاز و مقدس سمجھے جائینگے۔ اور ان
کے خیالات کے باعث شریمتی جی کا نام بھی حضرت اکبر الہ آبادی۔ قبلہ شعرا علامہ
اقبال اور مسٹر ٹیگور کی طرح آسمانِ شاعری پر آفتاب کے ساتھ ہمیشہ چمکتا رہیگا۔ چنانچہ
انگلستان کے اہلِ قلم نے شریمتی جی کے زورِ قلم کو دیکھ کر انہیں رائل سوسائٹی آف لٹریچر

کا ممبر بنا لیا ہے۔ اور ایشیا و یورپ میں انکی شاعری کو تسلیم کر لیا گیا ہے ؛

شریمتی جی کی تمنا

ہر ایک شاعر نے بعض جذبات سے متاثر ہو کر اپنی شخصیت کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے حضرت نظامی گنجوی۔ سعدی شیرازیؒ اور امیر خسروؒ نے شاعری کی لَے میں اپنی خواہشات کا اظہار کر دیا ہے۔ قبلۂ شعراء علامہ اقبال نے بھی "اسرار خودی" اور "رموز بیخودی" میں اپنے لئے درگاہ حق سے بعض تماشے الٰہی کی درخواست کی ہے۔ اور ان کی انتہائی تمنا یار و ہمدم اور مونس و محرم کا وصال ہے۔ اسی طرح شریمتی جی نے بھی شاعرانہ جذبہ میں مسرت نغمہ کی تمنا ظاہر کی ہے۔ وہ پیر و مرشد کی طرح مریدوں کی طالب نہیں۔ بادشاہوں کی طرح کارناموں کی خواہش نہیں رکھتیں۔ مگر ان کی یہ حقیقی تمنا ہے۔ کہ انہیں شاعرانہ ترنم کی مسرت حاصل ہو۔ اور وہ اُن نغمہ ہائے رُوح پرور سے لذت یاب ہوں جو مایوسی کو اُس میں مبدل کر کے ہماری زندگی کی تاریک گھڑیوں کو مطلع اُمید بنا دیتے ہیں۔ اور جن کے اثر سے ہمارا دل سرور ازلی اور کیف ابدی حاصل کر سکتا ہے ؛

شریمتی جی کی سوشل اور پولیٹکل خدمات

گذشتہ چند سال سے شریمتی سروجنی دیوی سوشل اور پولیٹکل کام میں مصروف ہیں اور اُنہوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں کئی لیکچر دئے ہیں۔ اور اگرچہ ان کے بعض مخالفین اس بارے میں انکی تعریف نہیں کرتے مگر حقیقت شناس لوگ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ شریمتی نے سوشل اور پولیٹکل حلقوں میں بھی ہماری قابل قدر خدمت کی ہے ؛

چنانچہ شریمتی جی نے آجتک جس قدر تقریریں کی ہیں۔ ان سے پایا جاتا ہے۔ کہ وہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کی خواہاں ہیں۔ اور انکے دل میں بھارت ماتا کا حقیقی عشق

طلباء کو شری متی کا پیغام

شری متی جی نے جو تقریریں طلبا کے سامنے کی ہیں۔ ان میں وہ انہیں بھارت ماتا کے حقیقی اُنس کی ترغیب دیتی رہی ہیں۔ چنانچہ جولائی ۱۹۱۵ء میں اُنہوں نے گنٹور میں طلبا کے ایک مجمع کثیر کے روبرو اپنی تقریر میں کہا تھا کہ آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ اور خواہ آپ زندگی کے کسی مشغلہ میں ہوں۔ مگر آپ محب وطن بن سکتے ہیں۔ آپ میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ آپ اپنے ملک کی حقیقی خوشحالی اور ترقی میں ہر طرح پر کوشاں رہیں"۔

نسوانِ ہندوستان کو شری متی کا پیغام

شری متی جی نے جو نصیحت ہندوستان کی عورتوں کو کی تھی۔ وہ بھی نہایت شریفانہ ہے چنانچہ نجھا پرم میں عورتوں کی کلب میں تقریر کرتے وقت اُنہوں نے فرمایا تھا۔ کہ کسی قوم کی ماؤں کے حوصلہ و ہمت سے اُس قوم کے بچوں کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ میں سے ہر ایک سیتا جی کی طرح عفت و عصمت کی دیبی بننے کی کوشش کریگی۔ کیونکہ آپ کے اخلاق کا اثر آپ کی اولاد پر ہو گا۔ اور آپ کی اولاد اپنی تعلیم و تربیت اور اقوال و افعال کی بدولت ہی میدانِ ترقی میں گامزن ہو کر ملک کی بہبودی اور اصلاح کا باعث ہوسکیگی"۔ شری متی جی ترقی کی خواہاں ہیں۔ اور ہندوستانیوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی اور جدت کی طالب ہیں۔ اسکے علاوہ وہ قومی آدرشوں کی حفاظت کی تبلیغ بھی کرتی رہی ہیں چنانچہ ۲۱۔ اگست ۱۹۱۵ء کو اُنہوں نے بمبئی کے طالب علموں کے ایک جلسہ میں دورانِ تقریر میں قومی نصب العین اور مطمحات زندگی کی حفاظت کے لئے بھی مفصل گفتگو کی تھی۔ اور کہا تھا کہ قومی آدرشوں کی بدولت اور قومی بیداری کی طفیل ہی قرونِ گذشتہ میں انسانی قسمت و تقدیر کی راہنمائی اور رہبری ہوتی رہی ہے۔ اور ہمیں آئندہ بھی آدرش پرستی کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ نصب العین زندگی ہمارے اندر تمنا کا طوفان پیدا کرتا اور کوشش

کا ہیجان نمودار کرتا ہے۔

شریمتی جی ایک ہندوستانی لیڈر

شریمتی سروجنی دیوی ہندوستان کے سرکردہ اصحاب مثلاً سر فیروز شاہ مہتہ۔ ڈاکٹر نوروجی اور مہاتما گاندھی کی ذاتی صفات سے بخوبی واقف ہیں۔ سر فیروز شاہ مہتہ کو انہوں نے فیاض اور عجیب عنوان قرار دیا ہے۔ مسٹر گوکھلے کو وہ نصب العین انسانی کا مجسمہ بتاتی ہیں۔ اور مہاتما گاندھی انکی رائے میں مہاتما بدھ اور ہندوستان کے دیگر مہاتماؤں۔ رشیوں اور منیوں کے جانشین ہیں۔

سیلف گورنمنٹ کے متعلق شریمتی جی کی تقریریں

شریمتی سروجنی دیوی کو اگرچہ سیاسیات میں دسترس نہیں لیکن وہ اپنی تقریروں میں حب وطن پر زور دیتی رہی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے سنہ ۱۹۱۶ء میں انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں سیلف گورنمنٹ کے متعلق ایک رزولیوشن کی نہایت موضح اور موجہ طریق پر تائید کی تھی۔ لکھنؤ کی کانگرس کے بعد شریمتی جی ہندوستان میں دورہ کر کے بڑے بڑے شہروں میں پُرزور پولیٹیکل تقریریں کرتی رہی ہیں۔ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء میں انہوں نے الہ آباد میں مزدوری کے مسئلہ پر نہایت مؤثر لیکچر دئے۔ اور اپریل سنہ ۱۹۱۸ء میں انہوں نے لاہور میں بھی چھ دن تک تقریر کی۔

ہندو مسلم اتحاد

شاعرانہ تخیل اور سیاسی تقریروں کے علاوہ شریمتی سروجنی دیوی ہندو مسلم اتحاد کی زبردست حامی ہیں۔ اور جب کبھی انہیں تقریر کرنے کا موقعہ ملتا ہے وہ ہندو مسلم اتحاد کی

اہمیت پر خاص روشنی ڈالتی ہیں۔ اور روایت و درایت اور تاریخی ضرورت کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ اسے لابُد قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں پٹنہ کے ایک جلسہ میں انہوں نے باہمی اتحاد کی ضرورت پر خاص لیکچر دیا تھا۔

اسلام کا نصب العین

شریمتی سروجنی دیوی کو یقین ہے کہ اسلام کی بدولت دنیا میں سیاسی سلطنتیں قائم ہوئیں اور ہندوستان میں اسلام کی بدولت جمہوریت کی جھلک صدیوں تک نمایاں رہیگی۔ کیونکہ اسلام دنیا کے مذاہب میں سے پہلا مذہب ہے۔ جس نے جمہوریت کی اشاعت کے علاوہ جمہوریت کی مقبولیت کی۔ چنانچہ مسجد میں جب مؤذن اذان دیتا ہے۔ تو محمود و ایاز اور سلطان و دہقان ایک ہی زمین پر ایک ہی امام کے پیچھے قبلہ رُو ہو کر بلاتفریق دولت و ثروت بے نیازِ حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں۔ اسلام کا یہ انفرادی اتحاد حیرت خیز ہے۔ اور یہی اخوت کا زینہ ہے۔ مسلمان خواہ ایران میں ہو یا انگلستان میں عربستان میں ہو یا ترکستان میں اپنے مسلمان بھائی سے محبت سے پیش آتا ہے۔ وطنیت و سکونت کا خیال اس پر کوئی تفرقہ انگیز اثر نہیں ڈالتا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اخوت کی برقی رَو دوڑ جاتی ہے۔ شریمتی جی مسلمانوں کے مذہبی عقاید و رسوم سے بخوبی واقف ہیں۔ اور وہ اکثر اوقات اِنکے متعلق گفتگو بھی کرتی رہتی ہیں۔

تہذیبِ ہنود

شریمتی سروجنی نے دسمبر ۱۹۱۷ء میں مدراس میں متعدد لیکچر دیئے۔ اور ان میں سے ایک لیکچر میں اُنہوں نے "امیدِ فردا" پر تقریر کرتے ہوئے تہذیبِ ہنود کے متعلق کہا تھا کہ ہندوستان کو صداقت کی بدولت عزت و ثروت حاصل ہوئی تھی۔ اور ہندوستانی تعلیم

کے لوگوں کے دل میں قومیت کا احساس تھا۔ ہندوستان کی تہذیب و تمدن بیرونی
اثرات سے مبرا تھی۔ اور ہندوستانِ قدیم کے لوگوں نے مذہب و فلسفہ کو عرشِ کمال پر
پہنچا کر ہی علمی قابلیت اور روحانی کمالیت میں شہرت حاصل کر لی تھی ٭

اِتّحاد و اتفاق

مدراس میں قیام کے دوران میں شریمتی سروجنی دیوی کو مدراس پریذیڈنسی ایسوسی ایشن
کی سالانہ کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ اور اُنہوں نے اِس کانفرنس میں اتحاد و اتفاق کا رزولیوشن
پیش کیا۔ اُنہوں نے مِل کر کام کرنے کا مفہوم اور اُسکے مفاد حاضرین پر نقش خاطر کر کے ذات
پات اور مذہب و مِلت کے اختلافات کو دُور کرنے کی ترغیب دی۔ اور اتحاد و اتفاق
کے وہ احسانات بتائے جو حضرت اتحاد دنیا کی مہذب اور متمدن اقوام پر وقتاً فوقتاً کرتے
رہے ہیں ٭

بمبئی اور کلکتہ میں شریمتی جی کی تقریریں

انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں شریمتی جی نے سیلف گورنمنٹ کے
رزولیوشن کی تائید کی۔ اور میسرز محمد علی اور شوکت علی کی رہائی کے متعلق اُنہوں نے مسلم لیگ کے
جلسہ میں بھی ایک تقریر کی۔ وہ صوبہ بمبئی کی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بیجاپور میں بھی شامل
ہوئیں۔ جہاں اُنہوں نے عورتوں کو حقِ انتخاب ملنے پر ایک رزولیوشن پیش کیا ٭

صوبہ مدراس کی کانفرنس کی صدارت

مئی ۱۹۱۸ء میں صوبہ مدراس کی کانفرنس کا سالانہ اجلاس کانجی ورم میں
منعقد کیا گیا۔ اور اس جلسہ کی صدارت انہیں کو سونپی گئی۔ چنانچہ شریمتی جی نے اپنی تقریر میں اُردو

کو سلطنت برطانیہ کی حفاظت و معاونت کرنے کی پُرزور الفاظ میں ترغیب دی۔ اُنہوں نے دہلی۔ لاہور۔ جالندھر۔ حیدر آباد سندھ۔ اور ہندوستان کے دیگر بڑے شہروں میں جاکر تعلیم اور دیگر امورِ معاشرت کے متعلق تقریریں بھی کیں ستمبر ۱۹۱۸ء میں وہ بمبئی کی سپیشل کانگرس میں شامل ہوئیں۔ اور وہاں اُنہوں نے عورتوں کو حقِ انتخاب کے متعلق ایک ریزولیوشن پیش کیا۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں وہ آل انڈیا سوشل سروس کانفرنس کے دوسرے اجلاس منعقدہ دہلی کی صدر بنائی گئیں۔ جہاں اُنہوں نے ہندوستان میں سوشل سروس کے مختلف مراحل پر لیکچر دیا۔ اور ہندوؤں کے مسئلہ دھرم کے نصب العین کی اُنہوں نے توضیح و تشریح کی ؂

شریمتی جی ولایت میں

جب ۱۹۱۹ء کے شروع میں ہندوستان میں آئینی ایجی ٹیشن ہوئی۔ اور ہندوستان کے سیاسی طبقہ کے لوگ قانونِ اصلاحات کے سلسلہ میں ڈیپوٹیشن بناکر ولایت میں گئے تو شریمتی جی بھی اپنی بے زبان بہنوں کے حقِ انتخاب کے متعلق ولایت میں تشریف لے گئیں۔ چنانچہ اُنہوں نے عورتوں کے حقِ انتخاب کے متعلق ولایت میں کئی لیکچر دیئے جہاں وہ ولایت کی عورتوں پر ہندوستانی عورتوں کی علمی قابلیت کا بخوبی اثر ڈال رہی ہیں۔ اگر عورتوں کو حقِ انتخاب مل گیا۔ تو شریمتی سروجنی دیوی کا نام نامی بھی ہندوستان کی تعلیم یافتہ عورتوں کے زمرے میں ہمیشہ کے لئے مشہور ہو جائیگا۔ اور وہ اُن کی موجودہ کوشش پر خاص تحسین و آفرین کرینگی ؂

ہزہائینس نظام سر آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر محبوب علیخاں بہادر فتح جنگ

تمہید

ہندوستان کے فرمانرواؤں میں سے میر محبوب علیخاں بہادر والئے حیدرآباد نظام الملک آصف جاہ کی اولاد میں سے تھے۔ جو شاہانِ مغلیہ کے عہدِ حکومت میں ۱۷۱۳ء اور ۱۷۲۱ء کے درمیان خود مختار بن بیٹھے تھے۔ ریاست حیدرآباد کی سالانہ آمدنی ساڑھے تیرہ کروڑ روپیے ہے۔ اور مذکورہ ریاست کا رقبہ صوبہ برار کے سوا اسّی ہزار مربع میل ہے۔ ایسی وسیع ریاست کے انتظام کے لئے فرمانروا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ جو اعلےٰ دل و دماغ کا ہو۔ چنانچہ ہندوستان میں یہ بات عام طور پر طمانیت بخش ہے کہ سرکار دکن نے ہمیشہ بیدار مغزی سے کام کیا ہے اور اُن کی ریاست کا بچہ بچہ ان کا مدّاح رہا ہے ؏

حالاتِ طفولیت

میر محبوب علیخاں بہادر ۱۸۔ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اُنکے والد ماجد سر افضل الدولہ "جی۔ سی۔ ایس۔ آئی" کو ہندوستان اور یورپ کے لوگ احترام سے یاد کرتے تھے۔ ان کے عہدِ حکومت میں دہلی کا غدر ہوا تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ وہ باغیوں کی کچھ اعانت کرتے۔ مگر حضور نظام نے نہایت دور اندیشی سے باغیوں کی اعانت سے پہلو تہی کی۔ سر سالار جنگ حیدرآباد کے وزیر اعظم تھے۔ اور اُنہوں نے بھی اس دانائی سے

کام کیا کہ باغیوں کی اعانت نہ ہوسکی۔ اور سرکار انگریزی نے اُنکی اعلٰے خدمات کے صلے میں ۱۸۵۳ء کے عہدنامہ میں سنہ ۱۸۶۰ء میں کچھ ایسی تبدیلیاں کردیں۔ جو ریاست حیدرآباد کے لئے بہت مفید تھیں۔ اس عہدنامہ کے رو سے عثمان آباد اور رائچور دو آب جس کی سالانہ آمدنی ۱۲ لاکھ روپے تھے۔ سرکار دکن کو عطا کردیا گیا۔ پچاس لاکھ قرض معاف کیا گیا۔ اور دریائے گوداوری کے بائیں کنارے کے بعض حصص بھی سرکار دکن کو دیئے گئے۔ دس ہزار پونڈ کی مالیت کے تحائف حضور نظام کے پاس بھیجے گئے۔ اور ریاست کے ذمہ دار حکام کو انعام دیا گیا۔

زمانۂ اتالیقی

میر محبوب علیخاں بہادر میں سر افضل الدولہ کے اوصاف خصائل موجود تھے۔ اور انکی عمر اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت تین سال تھی سرکار انگریزی نے انکی طفولیت کو مدنظر رکھ کر ریجنسی قائم کردی۔ سر سالار جنگ اور نواب شمس الامراء کو ایجنٹ مقرر کیا گیا۔ اور ریاست کے ضروری معاملات میں رزیڈنٹ کے مشورہ کو بھی لابدی قرار دیا گیا۔ نواب شمس الامراء ۱۸۷۷ء میں اس دنیا سے رحلت کرگئے۔ اور اُن کی جگہ نواب فائز الامرا کو مقرر کیا گیا۔ نواب وقار الامرا بھی ۱۸۸۱ء میں انتقال کر گئے۔ اور سر سالار جنگ بھی اپنی وفات یعنی ۱۸۸۳ء تک ریجنٹ اور منتظم رہے۔

سر سالار جنگ کا حسن انتظام

سر سالار جنگ نے ریاست کا اس خوش اسلوبی سے انتظام کیا۔ کہ نئی روشنی کی شعاعوں سے حیدرآباد میں بھی مغربی تہذیب و تمدن مروج ہو گیا۔ سر سالار جنگ ریاست کے ہر ایک اہم محکمہ کا خیال رکھتے تھے۔ اُنہوں نے بندوبست اراضیات کرایا۔ دیوانی اور فوجداری عدالتیں قائم کیں۔ محکمۂ ڈاک میں اصلاح کی۔ اور ٹکس کی مالی آمدنی میں اضافہ کیا۔

سر سالار جنگ کے حسن انتظام سے نہ صرف انکی اپنی شہرت کو ہی چار چاند لگ گئے۔ بلکہ ریاست
حیدرآباد کی بھی شہرت ہو گئی۔ اور جب وہ مرے تو ہندوستان اور انگلستان میں بہت ماتم
کیا گیا۔ اور ریاست حیدرآباد میں انکی یاد ایک گرانمایہ یادگار رہ گئی۔ انہوں نے سرکار دکن کو ایسی
خوش اسلوبی سے تعلیم دلوائی۔ کہ حضور نظام ریاست حیدرآباد کے انتظام کے لئے قابل ہو گئے

حضور نظام کی تخت نشینی

میر محبوب علیخان بہادر سنہ ۱۸۸۴ء میں سن بلوغت کو پہنچے۔ اور ۵ فروری سنہ ۱۸۸۴ء
کو لارڈ رپن وائسرائے ہند نے انکی تخت نشینی کی رسم ادا کی۔ سر سالار جنگ مرحوم کے
فرزند ارجمند سر سالار جنگ ثانی کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ مگر حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کے باعث
میر محبوب علیخان کو ان پر اعتماد جاتا رہا تھا۔ چنانچہ سر سالار جنگ ثانی کی جگہ سر عثمان جاہ
کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں سر عثمان جاہ کی رہنمائی کیلئے قانونچہ مبارک جاری کیا گیا
اور اس کے بعد ایک کونسل مقرر کی گئی جس میں ریاست کے تمام وزیر شامل تھے۔ سنہ ۱۸۹۳ء
میں سر وقار الامراء وزیر مقرر کئے گئے۔ اور حضور نظام نے ریاست کے مختلف محکمہ جات
میں کئی تبدیلیاں کر دیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کو وزیر بنایا گیا۔ جن کے
جد امجد راجہ چندو لال سرکار دکن کے جد امجد ناظر الدولہ کے وزیر تھے۔ سنہ ۱۹۰۱ء سے
ریاست کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے جاری ہے۔ اور ریاست حیدرآباد میں مغربی
تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہے۔ نومبر سنہ ۱۹۰۲ء میں سرکار دکن نے صوبہ برار کے اضلاع
کو پچیس لاکھ سالانہ مالیہ پر سرکار انگریزی کے سپرد کر دیا۔ تاکہ اس علاقہ کی آمدنی سے ریاست حیدرآباد
کی امدادی افواج کا انتظام ہو سکے۔ اور اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء صوبہ برار کے انتظام کے
لئے صوبجات متوسط کے چیف کمشنر کے ماتحت کر دیا۔

سرکار عالیہ کی خدمات

میر محبوب علی خاں بہادر نے بسا اوقات سرکار انگریزی کو فوجی امداد دی ہے اور ۱۸۸۷ء میں انہوں نے سرحد کی حفاظت کے لئے ساٹھ لاکھ روپے کی رقم بطور امداد پیش کی تھی چنانچہ انہیں ان خدمات کے صلہ میں "جی۔سی۔ایس۔آئی" اور "جی۔سی۔بی" کے اعزاز عطا کئے گئے۔ سرکار دکن کی رعایا ان سے بہت انس و محبت محبت رکھتی تھی۔ اور لوگ اپنی شکایات حضور کی شکایات بلا توسط جا کر بیان کر دیا کرتے تھے سرکار دکن مذہبی تعصب سے بالکل مبرا تھے چنانچہ ہندو اور مسلمان ان کے زیر سایہ بڑے آرام سے رہے۔ سرکار دکن نے ہندوستان میں بہت سے دورے کئے تھے اور وہ ملک کی اشیاء اور باشندگان ملک کو بخوبی جانتے تھے۔ کرنل مار کے رزیڈنٹ مقرر ہونے سے سرکار دکن اپنے تمام وقت کو انتظام ریاست میں ہی بسر کرتے رہے ہیں۔ اور ان کی شخصیت اپنی ریاست کے باہر بھی با اثر اور محترم تسلیم کی جاتی تھی۔

انتقال پر ملال

سرکار دکن نے امپیریل سروس ٹروپس کی ترتیب میں گورنمنٹ ہند کی بہت امداد کی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے باغیانہ اور مفسدانہ جرائم کی بھی نہایت اچھی طرح روک تھام کی تھی۔ سرکار ایک اعلیٰ پایہ کے مدبر اور مقنن تھے مگر افسوس کہ اگست ۱۹۱۱ء میں دنیا سے رحلت کر گئے۔

حضور نظام کے خصائل

میر محبوب علی خاں بہادر والئے حیدرآباد ایک قابل و لائق حکمران تھے۔ اور ان کا

چال چلن نہایت ستودہ تھا۔ اُنہوں نے تعلیمی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے اور وہ اسلامی درسگاہوں
کو معتد بہ مالی امداد دیتے رہے ہیں۔ وہ اپنی رعایا کے سچے خیر خواہ تھے۔ اور اُنہوں نے اپنی
رعایا کو خوشحال اور فارغ البال بنانے کی ہر طرح سے کوشش کی۔ اور اپنی اعلےٰ صفات
کے باعث وہ ریاست کی رعایا میں ہر دلعزیز ہو گئے تھے۔ وہ منکسر، متحمل مزاج اور فیاض
بشر تھے۔ فارسی اور اُردو میں ان کو کمال دسترس تھی۔ اُنہوں نے اپنے زمانۂ حیات میں
اپنی رعایا کے لئے فیض کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اور وہ رحم و انصاف کے شعار خواں
و خواہاں تھے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو حضور کی وفات حسرت آیات سے
واقعی ہندوستان کے سرگروہ اہل دل و دماغ کے زمرہ میں ایک ایسی ہستی کی کمی ہو گئی ہے
جس کی تلافی ناممکن ہے ۔

پنڈت اجودھیا ناتھ جی

تمہید

کانگریس کے ساتھ پنڈت اجودھیا ناتھ سرگباشی کا تعلق شروع سے ہی چلا آتا تھا اور انہوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں بہت زیادہ ایثار دکھایا تھا۔ اور کوشش کی تھی۔ پنڈت جی اپنے زمانہ کے ایک فاضل اجل تھے۔ اور ان کا نام نامی ہندوستان جدید کی تاریخ کے صفحات میں زیب و زینت کا موجب رہیگا۔ کیونکہ انہوں نے قابلیت۔ فیاضی۔ حب الوطنی اور انسانی ہمدردی کو اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔ وہ ہندوستان کے شاندار مستقبل کے انتظار میں تھے اور اگر ہم انہیں بھی ہندوستان کے مشاہیر ملک و قوم میں شمار کریں تو یہ بات بیجا نہ ہوگی ۔

ولادت وابتدائی تعلیم

پنڈت اجودھیا ناتھ ۸۔ اپریل سنہ ۱۸۴۰ع کو آگرہ میں کشمیری برہمنوں کے ایک مشہور گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے والد ماجد پنڈت کدھر ناتھ بھی ایک اعلیٰ پایہ کے انسان تھے۔ اور وہ عربی و فارسی زبانیں جانتے تھے۔ پنڈت کدھر ناتھ کچھ عرصہ تک نواب جھجھر کے دیوان رہے۔ اور اسکے بعد انہوں نے تجارت شروع کر دی۔ جس میں انہیں بہت زیادہ کامیابی ہوئی۔ انہوں نے پنڈت اجودھیا ناتھ کی تعلیم میں خاص دلچسپی لی۔ اور پنڈت جی اپنے زمانہ طفولیت میں ہی ہونہار دکھائی دیتے تھے انہوں نے زمانہ طفلی میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی جو اس وقت عدالتوں میں مروج

تھی۔ کالج کی تعلیم کے دوران میں ان کے پروفیسران پر خاص نظر عنایت رکھتے تھے
تعلیم کے متعلق گورنمنٹ نے جو رپورٹ ۱۸۶۰ء میں شائع کی تھی۔ اس سے
پنڈت اجودھیا ناتھ کی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اس میں انہیں ہونہار
نوجوان لکھنے کے علاوہ اُن کے پرچہ جات ہسٹری اور فلسفہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔
پنڈت جی نے ۱۸۶۲ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے صوبجات متحدہ کے ہائیکورٹ
میں وکالت کا کام شروع کر دیا۔

پیشہ وکالت کا آغاز

پنڈت جی کو شروع سے اپنے پیشہ وکالت میں کامیابی ہوئی۔ ۱۸۶۸ء میں قانونی
کالج آگرہ میں ایک پروفیسر کی ضرورت تھی۔ بیشمار لوگوں نے درخواستیں کیں مگر پنڈت جی
کو بغیر کسی درخواست وغیرہ کے مقرر کیا گیا۔ ہائیکورٹ کے جج انکی بہت عزت کیا کرتے
تھے۔ اور ان میں سے کئی ججوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

اخبار نویسی کا مشغلہ

پیشہ وکالت ایسا پیشہ ہے کہ انسان کو روپیہ کمانے کی تحریص میں دیگر مشاغل
سے پہلو تہی کرنی پڑتی ہے۔ مگر پنڈت جی نے ملکی خدمات کے خیال کو کبھی نظر انداز نہیں کیا
اور ملکی الفت کے خیالات میں اکثر محو رہا کرتے تھے۔ انہیں تعلیمی معاملات میں بہت دلچسپی
تھی۔ اور وہ تعلیم کی توسیع کے بہت خواہاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے وکٹوریہ کالج کے قائم
کرتے وقت اپنی تعلیمی سرگرمی کا پہلی بار اظہار کیا۔ اسکے بعد وہ اخبار نویسی پر متوجہ
ہوئے ۱۸۶۷ء میں انہوں نے انڈین ہیرالڈ کے نام سے انگریزی زبان میں ایک
روزانہ اخبار جاری کیا۔ اور اگرچہ انہوں نے اس کام میں ایک لاکھ روپے کی رقم صرف کر دی

مگر انہیں اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر بھی انہوں نے اپنی مستقل مزاجی کی بدولت
۱۸۹۰ء میں "انڈین یونین" کے نام سے ایک اور اخبار جاری کیا اور اسکی ادارت
مالوی جی کے سپرد کیگئی۔ اس کے علاوہ پنڈت اجودھیا ناتھ جی کلکتہ اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں
کے سینٹ میں ممبر کی حیثیت سے شامل تھے۔ اور انہوں نے تعلیمی مسائل کے حل وعقد
بھی بہت دلچسپی لی ہے ۔

صوبجات متحدہ کی قانونی کونسل کی ممبری

پنڈت جی پہلے ہندوستانی ہیں جن کو صوبجات متحدہ کی قانونی کونسل کی ممبری
اعزاز حاصل ہوا۔ اور انہوں نے کونسل میں نہایت مفید کارروائی کی۔ وہ ان محبان
کے ساتھ شامل نہیں تھے جنہوں نے ۱۸۸۵ء کے آخر میں بمبئی میں نیشنل اسمبلی
کیا تھا۔ بلکہ ان کا تعلق اس جماعت سے کچھ دیر کے بعد ہوا۔ پنڈت جی ۱۸۸۶ء میں
میں شامل ہوئے۔ اور انہوں نے جیتے جی اسکے ساتھ اپنا تعلق ہمیشہ جاری رکھا۔
اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے نہایت جانفشانی سے کام کرتے رہے ۔

پنڈت جی کے انڈین نیشنل کانگرس سے تعلقات

عام طور سے کانگرس کے مخالف اسے بغاوت کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور
میں تو کانگرس کے بہت سے دشمن تھے۔ مسلمان اس سے بالکل علیحدہ تھے۔
ہندو بھی خال خال اس میں شامل تھے۔ بعد میں مخالفین کے دوست بن گئے۔ سرکار
بھی اسکی نسبت بدظنی تھی۔ ۱۸۸۸ء میں کانگرس کا اجلاس الہ آباد میں ہونے والا
اس کی ناکامی کا اندیشہ تھا۔ لیکن پنڈت اجودھیا ناتھ جی کی سرگرمی اور جان فشانی
الہ آباد میں کانگرس کے اجلاس کو بہت نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ پنڈت جی

کمیٹی کے صدر تھے اور اُنہوں نے اپنی تقریر میں مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ۱۸۹۸ء کا اجلاس کانگرس کی تاریخ میں ایک شاندار اجلاس شمار کیا جاتا ہے۔ اور پنڈت جی کا نام نامی بھی اس اجلاس کی بدولت ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا +

وفات حسرت آیات

پنڈت جی سیاسیات کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب کانگرس کا اجلاس ختم ہوگیا۔ تو انہوں نے کانگرس کے لئے معاونت طلب کرنے کے واسطے تمام شمالی ہندوستان میں دورہ کیا۔ اور کانگرس کے لئے وہ اس قدر سرگرم تھے۔ کہ مسٹر ہیوم کی ولایت کو روانگی کے بعد اُنکی بجائے پنڈت جی کو کانگرس کا جائنٹ سکرٹری منتخب کیا گیا۔ اور اغلب تھا۔ کہ انکی عمدہ خدمات کے اعتراف میں انہیں کانگرس کے کسی اجلاس کا صدر بنایا جاتا۔ مگر جب وہ ناگپور کانگرس سے واپس آئے۔ تو انہیں زکام ہوگیا جو آہستہ آہستہ دیگر امراض میں منتقل ہوگیا۔ اور جس کے باعث پنڈت جی ۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء کو مرگباش ہوگئے۔ انکی وفات حسرت آیات سے تمام ملک میں غم و افسوس کا سماں طاری ہوگیا چونکہ وہ ہمارے ملک کے ایک ایثار شعار انسان تھے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم انکی یاد کو صفحات دل سے محو نہ کریں۔ کیونکہ قومی تحریک کے سلسلہ میں ان کا نام آئیوالی نسلوں کے لئے تقلید کا موجب ہوگا +

خاتمہ

پنڈت جی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ایک سادہ مزاج اور قوم پرست انسان تھے اگر وہ کچھ سال اور زندہ رہتے تو وہ ملک کے ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہوتے جن کو اعلیٰ سرکاری مراتب نصیب ہیں۔ یا جو قومی جلسوں کے صدر بنائے جانے کے مستحق ہوتے ہیں +

مسٹر کاشی ناتھ ترمبک تیلانگ

تمہید

مسٹر تیلانگ کو دنیا سے سفر کئے ہوئے پچیس سال ہو گئے ہیں۔ مگر ان کا نام اپنے ابنائے وطن کے لئے آج تک ہمت و استقلال کا باعث چلا آتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے معاصرین میں سے ایک معزز شخص تھے۔ لوگ انہیں مشاہیر ملک کے زمرے میں جانتے تھے اور سرکار انگریزی انہیں وفادار سمجھ کر ان کی عزت کرتی تھی۔ اور جب مسٹر تیلانگ عین عالم شباب میں دنیا سے چل بسے تو انکے ماتم میں ہندوستانیوں کے ساتھ اینگلو انڈین حضرات بھی شامل ہوئے۔ مسٹر تیلانگ کو خدا نے اعلیٰ دماغی قوت اور ملکات فاضلہ عطا کئے تھے۔ اور ان کی زبان میں جادو کا اثر بھرا تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے فصیح البیان فاضل اجل تھے۔ اور ان چیدہ آدمیوں میں شمار کئے جاتے تھے جن کو لفظ تربیت کے صحیح معانی میں تربیت یافتہ کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک قابل وکیل تھے۔ اور زبان سنسکرت میں ان کو کمال درجہ کی دسترس تھی۔ چنانچہ سنسکرت کی علمیت کے باعث زیادہ تر یورپین طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ سوشیل اور پولیٹیکل اصلاحات کی ترویج کیلئے بھی انہوں نے نمایاں کام کیا تھا۔ اس وقت جبکہ تعلیم یافتہ طبقہ سامان عشرت کا شکار ہو چکا تھا مسٹر تیلانگ نے اپنی آبائی سادگی کو اپنا شیوہ بنائے رکھا۔ اور انہوں نے ایک عالم و فاضل شخص کی طرح اپنی زندگی کو بسر کیا۔ مسٹر تیلانگ اپنے قول و فعل کی سادگی گفتگو کی لطافت طبیعت کی سنجیدگی اور انسانی ہمدردی کے لحاظ سے شرق و مغرب کی تہذیب کے امتزاج کا بہترین نمونہ تھے ÷

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

مسٹر تلک ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے تھے وہ گوڈ سرسوت برہمنوں کے ایک
خوشحال خاندان میں سے تھے جو مہاراشٹر میں آباد تھا۔ انکے والدین نہایت شریف متقی۔ خدا
ترس اور مہمان نواز تھے اور یہ بات ناظرین کے دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتی۔ کہ
ایسے وقت میں جب لوگ والدین کو چھوڑ کر بیوی بچوں سے کمال انس رکھتے تھے مسٹر
تلک نے اپنے والدین کی محبت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ انکے لاولد چچا نے انہیں اپنا
متبنّیٰ بنا لیا۔ چونکہ انکے چچا مذہبی رسوم اور تعلیم و تربیت کے پابند و قائل تھے۔ اسلئے انہوں
نے مسٹر تلک کی نہایت احتیاط سے غور و پرداخت کی۔ اور مسٹر تلک کی تعلیم انکے
اپنے گھر سے ہی شروع ہوئی۔ مسٹر تلک جلدی ہی سکول میں داخل کرا دیئے گئے۔ اور
اس کے بعد وہ مسٹر جینہ داذی کے ایک سکول میں بھیجے گئے۔ جو مسٹر مہادیو کی سرپرستی
میں جاری تھا۔ یہ استاد نہایت اعلیٰ اوصاف رکھتا تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے
بہت سے شاگرد بھی شہرہ آفاق گذرے ہیں۔ اور اغلب ہے کہ اس استاد نے مسٹر تلک
پر بھی اپنا اثر کیا ہو۔ اس استاد سے مسٹر تلک نے مرہٹی زبان سیکھی۔ جو بعد میں انکے لئے
بہت مفید ثابت ہوئی جب انکی عمر ۹ سال کی ہوئی۔ تو انکو بمبئی کے الفنسٹن ہائی سکول
میں بھیج دیا گیا۔ تمام استاد انکے ملکات سے متعجب تھے۔ اور انہیں مسٹر تلک کے شاندار مستقبل کا
یقین ہو گیا۔ چونکہ اس زمانہ میں طلباء گنتی کے ہوتے تھے۔ اسلئے استاد ہر ایک طالب العلم کو
توجہ دے سکتا تھا۔ چنانچہ مسٹر تلک کو استادوں کی توجہ سے بہت فائدہ حاصل ہوا۔
اور مسٹر جیفرسن تو انہیں اپنا بچہ خیال کرتے تھے ۔

کالج کی تعلیم کا زمانہ پُرلطف

سکول میں نمایاں تعلیم و تربیت حاصل کرنیکے بعد مسٹر تیلانگ سنہ ۱۸۶۴ء میں الفنسٹن کالج میں داخل ہوئے۔ اور یہاں بھی اُن کا زمانہ تعلیم شاندار طریق پر بسر ہوا۔ ان کو بہت سے تمغے انعام اور وظائف ملتے رہے۔ اور کالج کے پروفیسروں سے مسٹر چیٹ فیلڈ تو انکے خاص طور پر دلدادہ و مداح تھے۔ اور انہی پروفیسر صاحب کی تجویز پر مسٹر تیلانگ بعد میں اس کالج کے فیلو نامزد کئے گئے تھے۔ مسٹر تیلانگ نے سنہ ۱۸۶۷ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔

دنیاوی زندگی میں شمولیت

اب کاروبارِ زندگی میں داخل ہونے کا وقت آپہنچا تھا۔ اور اگرچہ بی۔ اے پاس ہونے کے بعد فکرِ معاش دامنگیر ہو جاتی ہے۔ مگر مسٹر تیلانگ کی اصلی تعلیم کا وقت اب آیا۔ انکے دل میں علمی شوق کی بےصبری یا اضطراب بن کر موجزن ہوئی۔ اور انہوں نے ان مضامین کا دوبارہ مطالعہ شروع کیا۔ جو انہوں نے کالج میں پڑھے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسٹر تیلانگ نے سقراط، افلاطون اور عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ کی تاریخ کو پڑھ کر خود ان کے متعلق کتابیں لکھیں۔ اسکے علاوہ وہ ریاضی کے سوالات بھی حل کرتے رہتے تھے۔ اسی اثنا میں کچھ عرصہ کے لئے وہ الفنسٹن ہائی سکول میں زبان سنسکرت کے معلم مقرر ہو گئے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ انکے پروفیسر مسٹر چیٹ فیلڈ نے اگست سنہ ۱۸۶۷ء میں الفنسٹن کالج کا فیلو مقرر کرا دیا۔

کالج کے فیلو اور ایل ایل بی

مسٹر تیلانگ پانچ سال تک کالج کے فیلو رہے اور اس عرصہ میں اُنہوں نے کالج لائبریری کی ہر ایک کتاب کا مطالعہ کر لیا۔ جان سٹوارٹ مِل اور ہربرٹ سپنسر کی تصانیف سے انہیں خاص انس تھا۔ اسکے علاوہ وہ کئی انجمنوں میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ جہاں مختلف مضامین و مسائل کے متعلق مباحثہ اور مناظرہ رہتا تھا۔ اور ان انجمنوں میں اُنہوں نے مناظرہ کا ملکہ پیدا کیا۔ ۱۸۶۸ء میں اُنہوں نے گیتا کا انگریزی منظوم ترجمہ کیا۔ اور اسی سال اُنہوں نے ایم۔ اے کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ اسکے بعد جلدی ہی انہوں نے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی ۱۸۷۲ء میں "ایڈوکیٹ" کا امتحان پاس کیا۔ اور اسی وقت سے وہ وکلاء کے زمرے میں شامل ہو گئے ٭

ہائیکورٹ بمبئی کے جج

اُنہیں بہت سی وجوہات کے باعث پیشہ وکالت میں بہت جلدی کامیابی ہوئی وہ ایک دلکش سپیکر تھے۔ اور ان کی گفتگو سننے کا ہر کوئی شیفتہ و شیدا تھا۔ وہ ایک ستودہ رویہ کے مالک تھے۔ اور جب تک وہ کسی کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے لیتے تھے۔ انہیں چین نہیں آتا تھا۔ وہ سنسکرت کے نامی عالم مشہور ہو ہی چلے تھے۔ مگر اب ہندو دھرم شاستر میں قابلیت رکھنے کی وجہ سے ان کی شہرت ہو گئی۔ اُنہوں نے منکو ورجائی کے مقدمہ میں دھرم شاستر سے ایسے دلائل پیش کئے کہ ہائیکورٹ بمبئی کے چیف جج سر مائیکل ویسٹراپ نے بھی ان کا لوہا مان کر اپنے کئی احباب سے ان کا تعارف کرایا۔ اس روز سے سر مائیکل ہمیشہ مسٹر تیلانگ پر نظر شفقت رکھتے تھے۔ اور حکام کی شفقت

اور اپنی امداد قابلیت سے انکی وکالت چمک گئی۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں انہیں جائنٹ جج کا عہدہ پیش کیا گیا۔ مگر انہوں نے تقرری کی خواہش ظاہر نہ کی آخر سنہ ۱۸۸۹ء میں انہیں ہائیکورٹ بمبئی کا جج بنایا گیا۔ اور وہ زمانہ ججی میں اپنی اعلےٰ قابلیت کا نہایت خوش اسلوبی سے ثبوت دیتے رہے۔ اور انہوں نے دھرم شاستر کا سکہ جما دیا۔

علمی مشاغل میں سرگرمی

مسٹر تیلانگ باوجود وکیل اور جج ہونے کے بھی علمی مشاغل میں دلچسپی رکھتے تھے اور وہ کہا کرتے تھے۔ کہ میں تمام مشاغل پر علمی شغل کو ترجیح دیتا ہوں۔ ان کے دل میں علم کی مشعل تاباں تھی۔ اور وہ اسے زیادہ روشن بنانے کی فکر میں رہتے تھے۔ کتابوں سے انہیں کمال درجہ کا انس تھا۔ انہوں نے زبان انگریزی سنسکرت اور مرہٹی میں شہرہ آفاق قابلیت حاصل کی۔ اور وہ آخر تک علم کے جویاں رہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے ناقدانہ طریقہ مطالعہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ جو ہندوستان قدیم کے علم و فن کے گنج مخفی کے قفل کی کلید ہے۔

زبان سنسکرت میں کمال

بیرونی ممالک میں بھی مسٹر تیلانگ کا نام مشہور ہو گیا۔ کیونکہ وہ زبان سنسکرت کے عالم، السنہ شرقیہ کے فاضل اور علوم قدیمہ کے ماہر مانے جاتے تھے۔ جونہی وہ کالج کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ وہ "رائل ایشیاٹک سوسائٹی" کی اس شاخ میں شامل ہو گئے جو بمبئی میں تھی۔ اور انہوں نے مذکورہ سوسائٹی کے ماہواری رسالہ میں اپنے مضامین کی اشاعت شروع کر دی۔ اور جیسا کہ اسکے ناظرین کی رائے ہے مسٹر

ٹیلانگ کے مضامین سے اُنکی حقیقت پسندی مترشح تھی۔ جرمنی کے ایک پروفیسر مسٹر ویبر نے یہ رائے قائم کی تھی۔ کہ بالمیک جی کی تصنیف کردہ رامائن کا مضمون "ہومر" سے لیا گیا ہے۔ اور ہندوستان کی ہر ایک اعلےٰ اور اچھی چیز بیرونی ممالک کی برکات کا ثمرہ ہے۔ مسٹر ٹیلانگ نے نہایت پرزور مضامین میں اس رائے کو باطل کیا۔ چنانچہ انکے مضامین کا وہ اثر پڑا کہ پروفیسر میکس ملر نے "مشرق مقدس کی کتب مقدسہ" کے واسطے بھاگوت گیتا کے ترجمہ کیلئے مسٹر ٹیلانگ کو لکھا۔ اور اُنھوں نے مذکورہ کتاب کا ترجمہ نہایت نفاست سے کر دیا۔ فاضل مترجم نے اس کتاب کی تمہید میں مذکورہ کتاب کی تاریخ تصنیف اور دیگر ایسے ہی پیچیدہ سوالات پر فاضلانہ بحث کی ہے ؛

سلسلۂ تصنیفات میں تحقیق و تدقیق

اس فاضلانہ خدمت کے اعتراف میں مسٹر ٹیلانگ کو سر ریمنڈ ولیسٹ کی جگہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی مقیم بمبئی کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا۔ ہندوستان میں قدیم تاریخی معلومات کا بہم پہنچانا بہت مشکل ہے۔ اور ہمارے ملک میں آجکل اس کی اشد ضرورت ہے۔ مگر مسٹر ٹیلانگ نے "ریسرچ" تحقیق و تدقیق کے کام کو بھی وہ فروغ دیا کہ اُن کا نام تاریخی صفحات کے لئے باعث زینت ہوگا۔ اسکے علاوہ مسٹر ٹیلانگ مرہٹی زبان کا مطالعہ بھی کرتے رہے۔ کیونکہ وہ اس زبان کے شیدا و شیفتہ تھے۔ اُنھوں نے چیلپرس کی تصنیف کردہ کتاب کا جس کا نام "لوکل سیلف گورنمنٹ" ہے مرہٹی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ وہ مرہٹوں کے تاریخی حالات لکھنے کے لئے زبان مرہٹی کے رسائل کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ وہ دیر تک زندہ نہ رہ سکے لیکن پھر بھی ناظرین کے لئے یہ بات طمانیت بخش ہوگی۔ کہ انکے علمی ذخائر سے

جسٹس راناڈے نے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کے تاریخی حالات قلمبند کر دئے ۔

تعلیمی معاملات میں دلچسپی

مسٹر تیلانگ تعلیمی معاملات میں نہایت دلچسپی لیتے تھے ۔ اور ان کا مدعا تھا ۔ کہ ہندوستان میں علوم غربیہ کی نہایت وسیع پیمانہ پر ترویج کی جائے ۔

جب ان کی عمر ۲۷ سال کی تھی تو اس وقت وہ بمبئی یونیورسٹی کے فیلو مقرر کئے گئے ۔ اور اس تقرری کے چار سال بعد ۱۸۸۱ء میں وہ یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے ممبر بنائے گئے ۔ لارڈ رپن نے اپنے عہدِ حکومت میں ایک تعلیمی کمشن مقرر کی اور مسٹر تیلانگ بھی اس کمشن کے ممبر بنائے گئے ۔ اور انہوں نے بھی تعلیمی امور میں اسقدر دلچسپی لی ۔ کہ گورنمنٹ نے اظہارِ تشکر میں انہیں "سی ۔ آئی ۔ ای" کا اعزاز عطا کیا ۔ ۱۸۹۲ء میں مسٹر تیلانگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے ۔ اور انہوں نے تعلیمی مسائل کے حل وعقد میں بھی سرگرمی سے کام کیا ۔

سوشل ریفارم کا کام

مسٹر تیلانگ کے زمانہ میں صوبہ بمبئی کے اندر "سوشل ریفارم" معاشرتی اصلاح کا بہت چرچا تھا ۔ وہ اس تحریک میں بھی بہت دلچسپی لیتے رہے ۔ اور ان کا یقین تھا کہ "ہندو سوسائٹی" کے درمیان بہت سی قباحتیں موجود ہیں ۔ مگر وہ کہا کرتے تھے کہ ان قباحتوں کا استیصال آہستہ آہستہ ہوگا ۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ مذموم رسوم کو سرکاری مداخلت سے ہٹایا جائے ۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنی لڑکی کی بچپن میں ہی شادی کر دی ۔ تو بہت سے لوگ انکے مخالف ہو گئے ۔

سیاسی خدمات

میدان سیاست میں بھی مسٹر تیلانگ نے بہت کام کیا۔ جب وہ کالج کی تعلیم سے فارغ ہوئے۔ اُس وقت صوبہ بنگال میں سیاسی تحریک کی ابتدا تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی ایسے نامور اصحاب موجود تھے جن کو سیاسیات میں مذاق تھا۔ مگر کوئی باقاعدہ جماعت ابھی نہیں تھی۔ مسٹر تیلانگ کچھ عرصہ تک صوبہ بمبئی کی ایسوسی ایشن کے سیکرٹری رہے۔ اسکے بعد انہوں نے سر ڈنشا واچا اور سر فیروز شاہ مہتہ کی معیت میں پریذیڈنسی ایسوسی ایشن قائم کی۔ اور یہ انجمن تھوڑے عرصہ میں ہی نمایاں ترقی کر گئی۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں میونسپل ریفارم کی تحریک شروع ہوئی۔ اور مسٹر تیلانگ نے سب سے پہلے اس تحریک کے جلسہ میں ایک تقریر کی۔ اور اس کے بعد ہمیشہ ہر ایک اہم سیاسی جلسہ میں شامل ہوا کرتے تھے۔

انکی تقریروں میں سے وہ تقریر خاص توجہ کا موجب ہے۔ جو انہوں نے بمبئی کے ایک اجلاس میں "البرٹ بل" پر کی تھی۔ سر ریمنڈ ولیٹ کے الفاظ میں مسٹر تیلانگ ایک فصیح البیان شخص تھے۔ لارڈ ریسے کا مقولہ تھا کہ اگر مسٹر تیلانگ ولایت میں دارالعوام کے ممبر بنائے جاتے تو وہ تھوڑے عرصہ میں ہی ایک نامی گرامی شخص بن جاتے۔

صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کی ممبری

مسٹر تیلانگ سنہ ۱۸۸۴ء میں صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کے ممبر مقرر کئے گئے۔ اور لارڈ ریسے کے زمانہ حکومت میں دوبارہ ان کا انتخاب ہوا۔ اور اگر وہ چاہتے تو وہ ہندوستان کی امپیریل کونسل کے ممبر بھی بن جاتے۔ مگر انکے مشاغل اس میں مانع رہے۔ مسٹر تیلانگ ان لوگوں میں شامل تھے۔ جنہوں نے انڈین نیشنل

کانگرس کو قائم کیا تھا۔ بیماری کے باعث وہ اس کے دوسرے اور تیسرے اجلاس
میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن چوتھے اجلاس میں جو الٰہ آباد میں ہوا تھا وہ موجود تھے۔ اور انہوں
نے قانونی کونسلوں کی توسیع کے متعلق نہایت زبردست تقریر کی۔ اور اگرچہ ملکی امور
میں ان کی سرگرمی کبھی کم نہ ہوئی۔ مگر جب وہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سرج مقرر
کئے گئے۔ تو اس کے باعث وہ سیاسی تحریکات میں شامل نہ ہو سکتے تھے ۔

انجام بخیر

مسٹر ٹیلانگ سنہ ۱۸۹۳ء میں بیمار ہو کر ۱۹ ستمبر کو سرگباش ہو گئے۔ اور اگرچہ آج وہ
ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔ لیکن ان کا وجود معنوی اہل بصیرت اصحاب کی آنکھوں
کے سامنے ہے۔ اور جب تک شمس و قمر کا ظہور ہوگا۔ مادر گیتی کو مسٹر ٹیلانگ کی
ذات پر فخر ہوگا۔ کیونکہ مسٹر ٹیلانگ اعلیٰ پایہ کے محب وطن محقق، فاضل اور
فصیح البیان شخص تھے۔ اور ان کی سادگی نے انکے تمام احباب کو انکا گرویدہ
کر رکھا تھا ۔

چنانچہ بعض معاصرین کا قول ہے۔ کہ مسٹر ٹیلانگ ایک ایسے عالم و فاضل
تھے۔ جن کا مطالعہ آخر تک جاری رہا۔ اور جو علم و تحقیقات کی تلاش میں ہی
دنیا سے چل بسے ۔

مولوی عبدالرسول

تمہید

مادرِ وطن کا ہر ایک فرزند ارجمند اتفاق و اتحاد کا دلدادہ پیدا ہوا کرتا ہے چنانچہ مسٹر عبدالرسول بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ جو ہندو مسلم اتحاد کے شیدا ہیں اور [illegible] برطانوی راج کے دلدادہ ہونے کے علاوہ ملکی اصلاح و فلاح کے متمنی ہیں۔

پیدائش و تعلیم

مولوی عبدالرسول اپریل ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے والد ماجد مولوی غلام رسول موضع گیتانگ واقع ضلع ٹپیرہ کے ایک متقدر زمیندار تھے۔ مولوی عبدالرسول کے والد ماجد صغرسنی میں ہی خلد نشین ہو گئے۔ اور انکی والدہ ماجدہ کو انکی تعلیم و تربیت کا تمام انتظام کرنا پڑا۔ انکے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کا خاندان کشور گنج میں چلا آیا۔ اور مسٹر عبدالرسول کو تعلیم کے لئے ایک دیہاتی سکول میں بھیجا گیا۔ اسکے بعد وہ گورنمنٹ سکول ڈھاکہ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے انہوں نے ۱۸۸۸ء میں انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ وہ چند ماہ تک ایف۔ اے کلاس میں داخل رہے۔ مگر ان کو ولایت بھیجنے کیلئے کسی نے انکی والدہ ماجدہ کو مشورہ دیا۔

چنانچہ مسٹر عبدالرسول ۱۸۸۹ء میں سترہ سال کی عمر میں یورپ کو روانہ ہو گئے۔

ولایت کا سفر اور بیرسٹری

وہ امتحان انٹرینس پاس کرنیکے لئے پندرہ ماہ لورپول میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد وہ لنڈن میں جاکر کنگز کالج میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے آکسفورڈ میں جاکر ۱۸۹۲ء میں امتحان انٹرینس پاس کیا۔ سینٹ جان کالج سے انہوں نے ۱۸۹۶ء میں بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ اور ۱۸۹۸ء میں انہوں نے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۸ء میں ہی انہوں نے مڈل ٹمپل سے "بی۔ سی۔ ایل" کی ڈگری حاصل کی۔ اور وہ ایک بیرسٹر ہو گئے۔ ناظرین کیلئے یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔ کہ اس امتحان کے پاس کرنے والے لوگوں میں سے وہ پہلے بنگالی ہیں۔

ولایت میں شادی

ولایت سے ہندوستان کو روانگی سے پہلے انہوں نے اپنی والدہ کی اجازت سے ایک ولایتی عورت کے ساتھ شادی کی۔ انگلستان میں مسٹر رسول کی جمالی حالات واقفیت ہوگئی تھی۔ اور انہوں نے انکے خیالات پر نہایت مفید اثر پیدا کیا تھا۔ آخر ولایت میں ۹ سال کے قیام کے بعد انہوں نے عزم وطن کیا۔ اور ۱۸۹۸ء کے آخر میں وہ ہندوستان میں آپہنچے۔

ہائیکورٹ کلکتہ میں پیشہ وکالت

۱۸۹۹ء میں مسٹر رسول نے ہائیکورٹ کلکتہ میں بیرسٹری کا کام شروع کر دیا۔ پہلے تو انہیں اس پیشہ میں نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مگر بعد میں ان کا کام وسیع پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء تک وہ کلکتہ لو سیشن کے امتحان انٹرمیڈیٹ اور [illegible]

مُلکی خدمات

ناظرین کے لئے یہ بات طمانیت بخش ہوگی کہ انہوں نے اپنے کاروبار میں منہمک ہو کر مُلکی خدمت کو فراموش نہ کردیا۔ بلکہ وہ ازدواج زوجین کو روکنے کی نہایت سرگرمی سے کوشش کرتے رہے ہیں۔ اور وہ ہندوستانی نیشنلزم کی تحریک کے بھی ایک زبردست حامی ہیں۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہم پایہ اور ہم پلہ بنانے میں مشغول رہے ہیں۔ اور اس راستہ سے اُنہوں نے ہر ایک مانع چیز کو مٹا دیا ہے۔ چنانچہ جب تقسیم بنگال کی گئی۔ تو وہ اُسے ہندو مسلم مفاد کا منافی جانتے تھے ۔

سودیشی تحریک کی تائید

مسٹر رسول سودیشی تحریک کے ایک زبردست موید ہیں۔ اور وہ اسے ہر دلعزیز بنانے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ بنگال میں کوئی ایسا عام جلسہ منعقد نہ ہوا ہوگا جس میں وہ شریک نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ انکی اعلےٰ خدمات کے اعتراف میں انہیں بنگال کی پرونشیل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ باریسال کا صدر بنایا گیا تھا۔ اس اجلاس میں اُنہوں نے فاضلانہ تقریر کی تھی جس کی تعریف ہر ایک سامع نے نہایت پُر زور الفاظ میں کی ہے ۔

مسٹر رسول کا طرز بود و باش اور انتقال

مسٹر رسول اپنی خانگی طرز بود و باش میں نہایت سادہ اور شریفانہ تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ بھی انکی حقیقی بہی خواہ تھیں۔ اور اپنے خاوند کی طرح وہ بھی ہندوستان کی خاک پاک سے بہت اُنس و محبت رکھتی تھیں۔ مسٹر عبدالرسول بالکل نوجوان تھے۔ اور جیسا کہ

بصریں کا قول ہے وہ ملک کے لئے مایۂ ناز اور سرمایۂ بہبود ثابت ہوتے۔ مگر افسوس
کہ انکی عمر نے وفا نہ کی۔ اور وہ زمانۂ شباب میں ہی راہی ملکِ عدم ہوگئے۔ تاہم یہ بات
طمانیت بخش ہے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک میں بہت حد تک کامیاب ہوگئے اور
ہندوستان کے اہل دل و دماغ ان کی یاد کو دلوں سے جلدی فراموش نہیں کرینگے
بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ شمع ہدایت کا کام دیگی۔ اور اہل ہندوستان کو عروج
و ترقی کی منزل کی طرف مدعو کریگی +

مسٹر آنند موہن بوس

تمہید

ہندوستان جدید کے مشاہیر ملک و قوم کی فہرست میں مسٹر آنند موہن بوس کا نام نامی بھی ایک ممتاز پایہ رکھتا ہے۔ وہ ایک وطن پرست عالم تھے۔ اور اُن کی یاد دلوں سے مشکل سے محو ہو گی۔

تعلیم بچپن

مسٹر آنند موہن بوس ضلع میمن سنگھ میں ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اُنکے بچپن کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ مگر جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے وہ ہونہار دکھائی دیتے تھے۔ ۱۸۶۲ء میں اُنہوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ اور وہ اس امتحان میں اول نکلے۔ اسکے بعد وہ پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں داخل ہوئے۔ جہاں سے اُنہوں نے ایم۔ اے اور بی۔ اے کی سندات حاصل کیں۔ اور جہاں سے وہ ایم۔ اے کے امتحان ریاضی میں اوّل رہے۔ امتحان میں اوّل رہنے کے باعث کلکتہ یونیورسٹی کے چانسلر سر ہنری مین سے انکی شناسائی ہو گئی۔ اسکے علاوہ انہیں رائے چند پریم چند کا وظیفہ بھی مل گیا جس کی مالیت دس ہزار روپے تھی۔

عرصۂ ملازمت اور سفر ولایت

مسٹر آنند موہن بوس کچھ عرصہ تک انجینیرنگ کالج میں ریاضی کے پروفیسر رہے مگر ان کا ولایت جانے کا ارادہ تھا چنانچہ اُنہوں نے اس ملازمت کو ترک کر دیا۔ اس

وقت بنگال کے تعلیم یافتہ لوگ کیشب چندر سین کے زیر اثر تھے۔ اور مسٹر آنند موہن بوس
سنہ ۱۸۶۹ء میں برہمو سماج میں داخل ہوئے۔ اور وہ سنہ ۱۸۷۰ء میں مسٹر کیشب چندر سین کے
ہمراہ ولایت کو روانہ ہوئے۔ ولایت میں وہ کرائسٹ کالج کیمبرج میں داخل ہوگئے
اور وہاں انہوں نے نہایت سرگرمی سے ریاضی کا مطالعہ شروع کر دیا۔ وہ کیمبرج کی انجمن میں
بھی شامل رہے۔ اور اپنی فصاحت اور بلاغت کی بدولت وہ اس کے پریذیڈنٹ بن گئے
تین سال کے بعد وہ رینگلر کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ تندرست
رہتے تو وہ ضرور "سینیر رینگلر" ہو جاتے۔ جبکہ وہ انگلستان میں تھے۔ پروفیسر فاکٹ
نے انہیں اپنی طرف سے ایک جلسے کے اہتمام کے لئے کہا۔ اور مسٹر بوس نے اس
خوش اسلوبی سے جلسہ کا انتظام کیا کہ پروفیسر موصوف نے انکی بہت تعریف کی۔
مسٹر بوس امتحانِ وکالت پاس کرکے سنہ ۱۸۷۴ء میں ولایت سے ہندوستان میں آگئے
مسٹر بوس عام طور پر کلکتہ کے مضافات میں وکالت کرتے تھے۔ اور ہائیکورٹ
میں وہ کم وبیش آیا کرتے تھے۔ مگر ایک بار انہوں نے کلکتہ کے ایک فوجداری مقدمہ
میں صفائی کی طرف سے اس خوبی سے پیروی کی کہ ان کا نام بنگال بھر میں مشہور ہوگیا۔

ولایت سے واپسی اور پیشہ وکالت

مسٹر بوس اپنی آمدنی کا حصہ کثیر آسام کی چائے کی صنعت وحرفت میں خرچ کیا
کرتے تھے۔ اور کچھ عرصہ کی وکالت کے بعد وہ پیشہ وکالت کو بھی ترک کر بیٹھے انہوں
نے اپنا وقت زیادہ تر مذہبی تعلیمی اور سیاسی مشاغل میں صرف کیا۔ اور انہوں نے
پیشہ وکالت کو اپنے مذاق کے مطابق نہ پایا۔ انہیں مذہبی مسائل میں بہت دلچسپی
تھی۔ اور وہ اپنے عقاید میں بہت راسخ تھے۔ اگرچہ دنیا کی دولت کی انہیں کوئی پروا
نہ تھی لیکن اگر وہ دل جمعی سے وکالت کرتے رہتے۔ تو وہ ملک کے بہترین وکلاء میں سے ہوتے

تعلیمی مصارف

مسٹر بوس تعلیمی مسائل میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں انہیں کلکتہ یونیورسٹی کا فیلو اور ۱۸۷۹ء میں انہیں یونیورسٹی کلکتہ کی سنڈیکیٹ کا فیلو بنایا گیا۔ اور اُنہوں نے بہت سی اصلاحی تجاویز پیش کیں۔ ۱۸۸۰ء میں مسٹر بوس نے شہر کلکتہ میں سٹی ہائی سکول قائم کیا۔ پہلے تو سکول کا آغاز حوصلہ شکن رہا۔ مگر بعد میں اسے اسقدر ترقی حاصل ہوئی۔ کہ اسے کالج میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور آجکل کلکتہ کے کالجوں میں ہی نہیں۔ بلکہ ہندوستان کے کالجوں میں یہ کالج بھی ایک ممتاز پایہ رکھتا ہے ؎

تعلیم نسواں کی حمایت

مسٹر بوس تعلیم نسواں میں کمال سرگرمی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے "بنگالہ محلہ ودھیالیہ" کے نام سے ایک سکول قائم کیا۔ یہ سکول بھی تھوڑے عرصہ میں ترقی کر گیا۔ بعد میں اسے لڑکیوں کی تعلیم کے سرکاری کالج کے ساتھ جسے بیتھون کالج کہتے ہیں شامل کر دیا گیا۔ مسٹر بوس اس اعلیٰ قابلیت کے معلم تھے کہ ۱۸۸۲ء میں لارڈ رپن نے انہیں تعلیمی کمشن کا صدر بنانا چاہا اگرچہ اُنہوں نے اس بات پر نارضامندی ظاہر کی۔ تاہم وہ اس کمشن کے ممبر رہے۔ اور انہوں نے اچھی معلومات بہم پہنچائیں۔ انکی اعلیٰ تعلیمی خدمات کی بدولت کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں صوبہ بنگال کی قانونی کونسل کا ممبر منتخب کیا ؎

صوبہ بنگال کی قانونی کونسل کی ممبری

آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے مسٹر سریندر ناتھ بنرجی اور دیگر سرکردہ اصحاب کی
میں کلکتہ کی ہندوستانی ایسوسی ایشن کو قائم کیا۔ مسٹر بوس ۱۸۸۶ء میں بنگال کی قانونی
کونسل کے ممبر نامزد کئے گئے تھے۔ اور ۱۸۹۵ء میں تو جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ووٹروں
کی طرف سے منتخب کئے گئے۔ اور بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اُنہوں نے ممبری کے زمانہ میں
نہایت اچھی طرح سے کام کیا۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگرس کی تحریک ہوئی۔ اور
انہوں نے اسکے متعلق بہت طمانیت ظاہر کی۔ مگر بیماری کے باعث وہ اس
اجلاس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن بعد میں جب کبھی کانگرس کا اجلاس کلکتہ میں ہوتا
تھا۔ تو وہ اس میں نمایاں حصہ لیا کرتے تھے۔ کانگرس کے بارھویں اجلاس میں اُنہوں
نے ہندوستان میں ایجوکیشنل سروس کی نئی ترتیب کے متعلق نہایت پرجوش الفاظ
میں ایک رزولیوشن پیش کیا ●

کانگرس کے اجلاس کی صدارت

۱۸۹۷ء میں انکی صحت بہت بگڑ گئی۔ اور وہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے
میں کچھ عرصہ کے قیام سے صحت یاب ہونیکے بعد انگلستان میں چلے گئے۔ اور
وہاں وہ ہندوستانی امور و مسائل پر تقریریں کرتے رہے۔ مگر وہاں وہ پھر بیمار
اور ولایت سے اُنہوں نے مادرِ وطن کا رُخ کیا۔ ۱۸۹۸ء میں انکی حب الوطنی
اعلیٰ قومی خدمات کے اعتراف میں انہیں کانگرس کے اجلاس منعقدہ مدراس
پریذیڈنٹ بنایا گیا۔ اگرچہ انکی صحت اچھی نہیں تھی۔ مگر انہوں نے اس اعزاز
بدل وجان قبول کر لیا۔ اور اُنہوں نے کانگرس کے اجلاس میں جو صدارتی
کی وہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہ تقریر اُنہوں نے
سابقہ تیاری کے بغیر ہی کی تھی۔ ان پر تمام محنت و مشقت کا مضر اثر پڑا۔ اور وہ بیمار

لیئے بیماری کے بستر کی نظر ہو گئے - لیکن کچھ عرصہ کے بعد بنگالیوں کو فیڈریشن
ہال کے نام سے ایک قومی عمارت بنانے کی سوجھی اور انہوں نے مسٹر بوس کو اس کا سنگ بنیاد
نصب کرنیکے لیئے مدعو کیا۔ اگرچہ مسٹر بوس بہت علیل و نحیف تھے لیکن اُنہوں نے اِس بات کو
قبول کر لیا تھا اور اُنکی تقریر جو وہ گھر سے لکھ کر لے گئے تھے مسٹر سرانیدر ناتھ بنیر جی نے
پڑھی جو ایک معرکتہ الآرا تقریر ہے۔ اور جس سے مسٹر بوس کی قومی سرگرمی کا نمایاں ثبوت
ملتا ہے +

مذہبی عقائد

مسٹر بوس زمانہ شباب میں ہی برہمو سماج میں داخل ہو گئے تھے - اور اُنہوں نے
اسکے عروج و ترقی کے لیئے بہت کوشش کی تھی۔ کیشب چندر سین نے اپنی پانچ سالہ
لڑکی کی شادی مہاراجہ صاحب کوچ بہار سے کر دی تھی - اور اس وقت برہمو سماج کے فرقہ
میں تفرقہ نمودار ہو گیا تھا - اِس بات کو دیکھ کر مسٹر بوس نے کیشب چندر سے علیحدہ ہو کر سادھارن
برہمو سماج کو قائم کیا۔ اور وہ عمر بھر اس کی ترقی کے نگراں و خواہاں رہے - مسٹر بوس کے
مذہبی عقائد بہت پختہ تھے - اور ہمیشہ رُوحانی ترقی کے متمنی رہا کرتے تھے۔ چنانچہ انکی
سیاسی تقریروں میں بھی روحانی جوش و خروش پایا جاتا ہے +

مسٹر بوس کا اِنتقال

۱۹۰۶ء میں مسٹر بوس اِس دُنیا سے رحلت کر گئے - اور افسوس کا مقام تو یہ ہے
کہ مسٹر ووميش چندر بونر جی - اور مسٹر بدرالدین طیب جی بھی اِسی سال لقمہ اجل ہوئے -
مسٹر بوس کا اِسقدر ماتم کیا گیا - کہ لوگوں کا ہجوم ان کے جنازے کے ساتھ
تھا +

عادات

مسٹر بوس نہایت فصیح البیان تھے۔ انکے دل میں ملک قوم کی محبت شعلہ زن تھی۔ ان کا دل ودماغ قابلیت وعلمیت کا گنجینہ تھا۔ اور وہ ایک منکسر المزاج انسان تھے روحانیت سے انکو خاص لگاؤ تھا۔ اور آنکی یاد اب تک اہل دل اصحاب کے صفحات خاطر سے محو نہیں ہوئی۔ ہندوستان جدید کو انکی شخصیت پر ناز ہے۔ اور درحقیقت مسٹر بوس کے دل میں حب الوطنی کا حقیقی جذبہ موجزن تھا۔ کلکتہ میں انکے انتقال سے ایک سنسنی پیدا ہو گئی۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ وہ ایک سچے قوم پرست اور خیر خواہ وطن تھے ✦

مسٹر جی سبرامنی آئر

تمہید

مسٹر سبرامنی آئر نے گذشتہ تیس سال کے عرصہ میں جنوبی ہندوستان کی سیاسی ترقی کو چار چاند لگا دئیے ہیں اور ہندوستان جدید کے مشاہیر کے زمرے میں انکا نام نامی بھی خاص عزت و توقیر کا مستحق ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کرسکتا۔ کہ جب جنوبی ہندوستان کی سیاسی تاریخ لکھی جائیگی۔ تو اس وقت اُن کا نام نہایت ممتاز دکھائی دیگا۔

ولادت

مسٹر آئر جنوری ۱۸۵۵ء میں ترودی واقع ضلع تنجور میں ایک برہمن گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ جو دریائے کاویری کے کنارے پر واقع ہے۔ اور اُن کا والد گنیٹ ڈکشٹر ترودی میں منصف کی عدالت میں وکالت کیا کرتے تھے۔

تعلیم کا زمانہ اور ملازمت

مسٹر آئر کو بچپن میں ترودی کے ایک سکول میں داخل کرایا گیا۔ اور اسکے بعد وہ سنٹ پیٹر کالج تنجور میں بھیجے گئے۔ جہاں سے انہوں نے ۱۸۷۱ء میں انٹرینس اور ۱۸۷۳ء میں ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۴ء میں وہ نارمل سکول مدراس میں داخل ہوئے۔ تاکہ وہ معلم بننے کے قابل ہو جائیں۔ ۱۸۷۵ء میں وہ چرچ آف سکاٹلینڈ مشن سکول مدراس میں چالیس روپے ماہوار کے ملازم ہوئے۔ اس وقت ویرا راگھو چیریر سے انکی آشنائی ہوئی۔ جو اس وقت بی۔ اے میں پڑھا کرتے تھے۔ اور جو بعد میں اخبار ہندو

میں انکے ساتھ کام میں شامل رہے۔ مسٹر آئر ۱۸۷۷ء میں بی۔ اے کے امتحان میں پرائیویٹ طور پر بیٹھے۔ اور وہ کامیاب ہو گئے۔ ۱۸۷۹ء میں وہ اینگلو ورنیکلر سکول ٹرپلی کین کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔

اخبار نویسی کا شوق

مگر اس وقت انہیں اپنی قابلیت کے اظہار و استعمال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت لوگوں کو اخبارات کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو رہا تھا۔ چنانچہ مسٹر آئر نے مسٹر ویر راگھو چیری بی۔ اے کی رفاقت سے ہفتہ وار اخبار ہندو کو جاری کیا۔ جو اتنی ترقی کر گیا۔ کہ پہلے ہفتہ میں تین بار اور پھر روزانہ شائع ہونے لگا۔ مسٹر آئر بیس سال تک اس اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ اور ۱۸۹۸ء میں انہیں بعض وجوہات کی بنا پر اس اخبار سے قطع تعلق کرنا پڑا۔ اُن کا زمانۂ ادارت میں اخبار ہندو ملک کا ایک اعلیٰ پایہ کا اخبار بن گیا۔ اور اسے وہ ہر دلعزیزی اور اقتدار حاصل ہوا۔ کہ جب کبھی لارڈ رپن کسی امر کے متعلق رائے دریافت کرنا چاہتے تھے۔ تو وہ اخبار ہندو کے مضامین کو پڑھا کرتے تھے۔ اخبار ہندو سے قطع تعلق کرنیکے بعد انہوں نے "یونائیٹڈ انڈیا" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ اور ان کا شروع سے ہی تامل زبان میں کوئی اخبار نکالنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے "سودیشی مترن" جاری کر دیا تھا۔ جو بعد میں ایک روزانہ اخبار بن گیا۔ اور جس کے ذریعہ جنوبی ہندوستان کو سیاسی تعلیم ملی ہے۔ چنانچہ "سودیشی مترن" کی "سلور جوبلی" پر جو نہایت جوش و خروش کیگئی مسٹر آئر کی خدمات کا اعتراف شاندار الفاظ میں کیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ جیسا کہ دیگر اخبارات کے مضامین سے پایا جاتا ہے مسٹر آئر دیگر اخبارات میں بھی اپنے مضامین شائع کراتے رہتے ہیں۔

کانگرس سے تعلق

مسٹر آئر کا انڈین نیشنل کانگرس سے شروع سے ہی رہا ہے۔ کانگرس کے پہلے اجلاس میں انکو ایک رزولیوشن پیش کرنیکی عزت دی گئی تھی۔ وہ کانگرس کے ہر ایک اجلاس میں شامل رہے ہیں اور ہر ایک اہم رزولیوشن کو پیش کرنیکا کام انہی کے سپرد کیا جاتا تھا۔

صوبہ مدراس کی کانفرنس کی صدارت

مسٹر آئر نہایت فصیح البیان تو نہیں تھے۔ مگر جن لوگوں کو اُن کی تقریر سُننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ مسٹر آئر ٹامل اور انگریزی زبان میں نہایت پرزور الفاظ میں تقریر کر سکتے تھے۔ اور انکی اعلےٰ خدمات کے اعتراف میں انہیں سنہ ۱۹۰۲ء میں صوبہ مدراس کی سالانہ کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کوکنڈہ کی صدارت کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں ہندوستان کی اقتصادی حالت کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کے روبرو پیش کر دیا تھا۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۰ء میں انہیں ڈسٹرکٹ کانفرنس چتور کے اجلاس کا صدر بھی بنایا گیا۔ اس کے بعد ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء میں وہ ڈسٹرکٹ کانفرنس تنجور کے صدر بھی بنائے گئے۔

ہندوستانی اخراجات کی کمشن کے روبرو شہادت

سنہ ۱۸۹۷ء میں انگلستان میں ہندوستانی اخراجات کی تحقیقات کے لئے ایک کمشن مقرر کی گئی۔ اور مسٹر آئر کو صوبہ مدراس کی طرف سے اس کمشن کے روبرو شہادت دینے کیلئے بھیجا گیا۔

سودیشی تحریک کی تائید

مسٹر آئر سودیشی تحریک کے زبردست مؤید تھے اور انہوں نے ہندوستان میں

سودیشی تحریک کو کامیاب بنانے میں بہت سرگرمی سے کام کیا ہے۔ باوجود کمزوری جسم کے سودیشی پر تقریریں کرنیکے لئے وہ جنوبی ہندوستان میں دورہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ تحریک جنوبی ہندوستان میں انہی کی مساعی جمیلہ کی بدولت ترقی پذیر ہوئی ہے +

سوشل ریفارم کی حمایت

مسٹر آئر سوشل ریفارم کے زبردست حامی تھے۔ چنانچہ انہوں نے سوشل ریفارم کی حمایت میں ہی اپنی بیوہ ہمشیرہ کی دوبارہ شادی کردی تھی۔ اگرچہ انکے اس فعل سے انکے ہم مذہب لوگ بہت برافروختہ ہوئے۔ مگر جب بتدریج سوشل ریفارم جنوبی ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں اثر کرگئی۔ تو وہ دوبارہ ہردلعزیز ہو گئے +

میونسپل کمیٹی مدراس سے تعلق

مسٹر آئر کا تعلق مدراس کی میونسپل کمیٹی سے عرصہ تک رہا ہے۔ اور اس طریق سے مسٹر آئر نے زندگی کے کئی مختلف شعبوں میں نمایاں کام کیا ہے۔ مگر وہ ابھی ان کی کوشش نوجوان تھی۔ کیونکہ ابھی تک انکے علاقہ میں قومی احساس کو ترقی حاصل نہیں ہوئی تھی +

وفات

مسٹر آئر کو سنہ ۱۹۰۹ء میں بغاوت کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ مگر استغاثہ کو اسی جگہ ترک دیا گیا۔ کیونکہ مسٹر آئر نے گورنمنٹ کی پیش کردہ شرائط کو منظور کرلیا تھا +

اس کے بعد جلدی ہی مسٹر آئر اس دنیا سے گذر گئے۔ اور اگرچہ ان

اُن کا وجود ظاہری جنوبی ہندوستان کے لوگوں میں نہیں۔ مگر اُنکی یاد سے باشندگانِ جنوبی ہند کے دِل معمور ہیں ؏

اور اخبار "ہندو" اور "سودیش مترن" اُن کی ایسی یادگاریں ہیں۔ کہ مسٹر آئر کا نام جنوبی ہندوستان میں دیر تک زندہ رہیگا ؏

شریمان لالہ ہنسراج جی

تمہید

پنجاب کے سرکردہ لوگوں کی فہرست میں لالہ ہنسراج کا نام بلحاظ انکی قومی قربانی اور فراخ ایثار کے قابل عزت اور باعث احترام ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بچپن سالہ بیش بہا خدمات کی بدولت صوبہ پنجاب کے لوگوں کی عام زندگی پر ایک خاص اثر ڈالا ہے۔ اور نہ صرف صوبہ پنجاب کے لوگ ہی بلکہ ہندوستان کے دیگر صوبجات کے باشندے بھی انکی عزت کرتے ہیں۔

پیدائش

لالہ ہنسراج موضع بجواڑہ واقع ضلع ہوشیارپور میں جو کوہستان ہمالیہ کے دامن میں ہے ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے تھے۔ راجہ سنسار چند والئے کٹوچ نے اس قصبہ میں اپنا ایک قلعہ بنوایا تھا۔ جس کے کھنڈر ابھی تک مذکورہ گاؤں کی گذشتہ عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ مذکورہ قلعہ ایک قدرتی ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں اور سربفلک درختوں کا ایک جنگل ہے۔ جس کا پرفضا نظارہ انسان کی قدرت مشاہدہ پر خاص اثر ڈالتا اور انسانی قوائے کی توسیع میں خاص طور پر ممد معاون ہوتا ہے۔ لالہ ہنسراج کی طفولیت کا زمانہ اسی جگہ بسر ہوا اور آجتک جنگل کے پرفضا نظارے کا ان پر ایسا اثر باقی ہے کہ وہ جب کبھی فراغت پاتے ہیں تو دریائے راوی کے کنارے سیر کے لئے چلے جاتے ہیں۔

والد کا انتقال

لالہ ہنسراج کی عمر ابھی مشکل سے دس سال ہوگی کہ انکے والد سُرگباش ہو گئے۔ انکے والد

کے یہ الفاظ کہ یہ غربت دیرینک نہیں رہیگی نہایت ہی عجیب و غریب پیشگوئی کی مثال ہیں۔ کیونکہ ان کے ہر دو صاحبزادے لالہ ملک راج اور لالہ ہنسراج کی بدولت بجواڑہ کا قصبہ تمام صوبہ پنجاب میں مشہور ہو گیا ہے۔

زمانۂ تعلیم

لالہ ہنسراج کے بھائی لالہ ملک راج کو ڈپٹی کمشنری میں ملازمت مل گئی۔ اور وہ آپ لاہور میں آکر لوکل مشن سکول میں داخل ہو گئے۔ اور یہاں انہوں نے اپنی محنت و سرگرمی سادگی اور قابلیت کی بدولت سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ اور وہ اس عیسائی ہیڈ ماسٹر کے منظور نظر ہو گئے۔

آریہ سماج میں شمولیت

اس سکول میں تعلیم حاصل کرنیکے بعد لالہ ہنسراج آریہ سماج میں شامل ہو گئے۔ لاہور کی آریہ سماج کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کیونکہ ۱۸۷۷ء میں ہی سوامی دیانند کے لاہور میں آنے سے اس نئے فرقہ کی بنا ڈالی گئی تھی۔ اور جس وقت لالہ ہنسراج آریہ سماج میں شامل ہوئے۔ اس وقت لالہ سائیں داس سے ان کا تعارف ہو گیا۔ جو مذکورہ فرقہ کے ایک سرگرم معتقد تھے۔ اور لالہ سائیں داس نے لالہ ہنسراج کی قابلیت کا قیافہ لگا کر ان کے ساتھ نہایت سلوک کیا جس کی بدولت دونوں میں اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ لالہ ہنسراج کے خیالات پر لالہ سائیں داس کے خیالات کا اثر پڑا۔ کیونکہ ان میں حب الوطنی کا سچا اور حقیقی جذبہ پیدا ہو گیا۔

امتحان انٹرنس میں کامیابی

لالہ ہنسراج نے ۱۸۸۰ء میں امتحان انٹرنس پاس کیا۔ اور اس کے بعد وہ گورنمنٹ

کالج میں داخل ہو گئے۔ یہاں اُن کی آشنائی لالہ لاجپت رائے۔ لالہ چیتن آنند اور پنڈت گورودت سے ہو گئی۔ جو جلدی ہی دوستی کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔ اور یہ چاروں اصحاب آریہ سماج کے بہت زیادہ مداح ہو گئے ۔

سماجی اخبار کی ادارت

چونکہ اس وقت آریہ سماج کی اشاعت کی ضرورت تھی۔ اسلئے اس کے معتقدین میں سے ایک نے "آریہ ورت ری جنریٹر" کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار شائع کیا اور پنڈت گورودت اور لالہ ہنسراج جو ابھی گورنمنٹ کالج میں ہی تھے اِس اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اور یہی موقعہ تھا۔ کہ لالہ ہنسراج نے سب سے اول اپنی قابلیت کا اظہار کیا جس وقت سوامی دیانند نے اپنے مت کا پرچار شروع کیا۔ اس وقت ہندوؤں کے درمیان مذہبی اختلاف تھا۔ کیونکہ سناتن دھرم کے خلاف اور دیگر بت پرستوں کے خلاف سوامی جی نے بت شکنی کی تحریک جاری کی تھی آریہ سماج نے سنسکرت اور ہندی کے سوال پر بہت زور دینا شروع کر دیا۔ اِس سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی ایک قسم کا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور ہندی اور اُردو کی تکرار چھڑ گئی۔ لالہ ہنسراج ۔ لالہ لاجپت رائے اور پنڈت گورودت نے اِس مسئلہ پر نہایت پرزور مضامین لکھے۔ لالہ ہنسراج جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کالج سے آتے ہی سیدھے پریس میں چلے جاتے اور وہاں اخبار کے لئے مضامین لکھتے رہتے تھے۔ لالہ صاحب ایک یتیم تھے۔ اور غربت کے باعث انکی صحت اچھی نہیں رہتی تھی +

سوامی دیانند

مذکرہ صدر نوجوان نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ مگر اکتوبر ۱۸۸۳ء کو

شروع میں ہی انہیں سوامی دیانند کے بیمار ہو جانے کا جودھپور سے تار ملا تمام آریہ سماج بے چینی اور اضطراب کے عالم میں تھی۔ اور لالہ جیون داس اور پنڈت گورودت سوامی جی کی غور و پرداخت اور خدمت کے لئے اجمیر میں بھیجے گئے۔ کیونکہ اب سوامی جی کو جودھپور سے اجمیر میں پہنچا دیا گیا تھا۔ مگر سوامی جی کا عارضہ روبہ ترقی رہا۔ اور وہ آخر کار خدا کی بارگاہ میں حمد و ثنا کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے رحلت کر گئے۔

سوامی دیانند کی وفات کے اثرات

سوامی دیانند کی وفات سے تمام حاضرین پر عام اور پنڈت گورودت پر خاص اثر پڑا پنجاب میں جا بجا ماتمی جلسے کئے گئے۔ اور ان جلسوں میں آریہ سماج کی اشاعت کے متعلق بھی زور دیا گیا۔ لاہور کے آریاؤں نے سوامی دیانند کی یادگار میں ایک کالج کھولنے کی تجویز کی۔ چنانچہ لالہ لاجپت رائے سے جنکی فصاحت و بلاغت کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ درخواست کی گئی۔ کہ وہ لاہور کی پبلک کے سامنے سوامی جی کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انکی یادگار میں ایک ہندو کالج کھولنے کی تجاویز پیش کریں۔ چنانچہ لاہور کے لوگوں نے اس تجویز کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہوئے اس تجویز کی اعانت کرنے کا وعدہ کیا اور فوراً تیس ہزار روپے کی رقم جمع ہو گئی اور دیانند اینگلو ویدک کالج قائم کر دیا گیا۔ اس وقت لالہ ہنسراج نے بہت زیادہ نمبر حاصل کر کے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا تھا۔

لالہ ہنسراج کالج و سکول کے پرنسپل

شرمیان جی کے بھائی نے انکو لکھا کہ اگر آپ اس کالج میں قومی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں۔ تو میں آپ کو پچاس روپے ماہوار بطور وظیفہ دوں گا۔ اور لالہ ہنسراج نے

بھی اس تجویز کو پسند کر کے قومی خدمت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آریہ سماج لاہور کی انتظامی کمیٹی نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور انہوں نے لالہ ہنسراج کی خدمات شکریہ کے ساتھ قبول کر لیں۔ چنانچہ لالہ ہنسراج نے یکم جون ۱۸۸۶ء میں کالج کا کام شروع کر دیا +

لالہ ہنسراج سکول کے ہیڈ ماسٹر بنائے گئے۔ اور یکم جون ۱۸۸۶ء سے اُن کا دیانند اینگلو ویدک کالج سے گہرا تعلق چلا آتا ہے +

پنجاب میں ڈی۔ اے۔ وی کالج کی اہمیت

ڈی۔ اے۔ وی کالج پنجاب میں اپنی طرز کا ممتاز کالج تھا۔ اس کے منتظم تمام ہندوستانی تھے۔ اور لاہور کے لوگ اس کالج کا حسن انتظام دیکھ کر بہت متعجب تھے۔ بہت سے ایسے طلباء جو اچھے دل و دماغ کے نہ تھے۔ اس سکول میں داخل ہو گئے اور اس وجہ سے لالہ صاحب کو بعد بہت عرصہ تک استعمال کرنا پڑا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی سکول کا کام اعلیٰ پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اور جونہی سکول کی حالت روبہ اصلاح۔ اور روبہ ترقی ہوئی۔ اسے کالج بنا دیا گیا۔ اور لالہ ہنسراج ہی اسکے پرنسپل بنائے گئے۔ یہ انہی کی مساعی جمیلہ اور محنت شعاری کا نتیجہ تھا کہ صوبہ بھر میں ڈی۔ اے۔ وی سکول کی اعلیٰ جماعتیں اور کالج کی کلاسیں بہت زیادہ تعداد پر مشتمل رہتی ہیں +

سکول و کالج کے تمام طلباء کو ہندی اور سنسکرت کی کتابوں کے ذریعہ مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ڈی۔ اے۔ وی کالج کی بدولت صوبہ پنجاب میں ہندی اور سنسکرت کو قدر سے ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی ہے۔ کالج میں اصطلاحی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ایک درزیوں کی جماعت۔ ایک آریو ویدک جماعت اور انجنیری کی جماعتیں کالج میں جاری ہیں۔ اسکے علاوہ اس کالج میں سنسکرت قدیم

کے مطالعہ کے لئے مذہبی تعلیم کا ایک محکمہ بھی ہے۔ کالج میں اور سکول میں تقریباً ایک ہزار آٹھ سو طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ اور سات لاکھ کا مالی سرمایہ ہے۔ لاہور آریہ سماج کے سالانہ اجلاس منعقدہ نومبر ۱۹۱۸ء میں کالج کے لئے ۴۶ ہزار روپے نقد بطور چندہ دیئے گئے۔ جن میں سے تیرہ ہزار روپے کی رقم تو لالہ ہنسراج نے خود جمع کی تھی۔ اور یہ انکی ہر دلعزیزی کا نمایاں ثبوت ہے۔ لالہ صاحب کے ساتھ پانچ اور اصحاب محض معمولی وظیفہ پر کام کرتے تھے۔ ان میں سے لالہ دیوی دیال یکم جون ۱۸۸۶ء سے کالج میں کام کرتے ہیں۔

ڈی۔ اے۔ وی کالج کی ترقی محض پروفیسروں کی کارگذاری پر مبنی ہے۔ لالہ ملک راج ابھی تک لالہ ہنسراج کو موعودہ رقم دیتے رہے ہیں۔ اور لالہ ہنسراج بھی اس معمولی سے وظیفہ پر اپنا گذارہ کرتے رہے ہیں۔ کالج کی انتظامیہ کمیٹی میں ہر طرح سے امن رہتا ہے۔ اور لالہ ہنسراج ایک تنخواہ دار ملازم کی طرح سکول و کالج کے منتظمین کی پالیسی پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اور منتظمین بھی ان کے کام کو ہمیشہ بنظر استحسان دیکھتے رہے ہیں۔

فرائض کی ادائگی کا احساس

قاعدہ ہے کہ جس شخص کے دنیا میں مداح ہوتے ہیں۔ اسکے مخالف بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور لالہ ہنسراج بھی بتقاضائے بشریت تعریف و تحسین اور بدتعریفی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ مگر خوشی کا مقام ہے۔ کہ وہ اپنے معترضین کی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر نہایت دیانتداری سے اپنے فرائض کو سرانجام دیتے رہے ہیں۔

لالہ ہنسراج کی مذہبی سرگرمی

مذہبی پرچارک ہونے کی حیثیت میں بھی لالہ ہنسراج کو ایک نمایاں رتبہ حاصل ہے اور

وہ نیکی اور بدی کے مسئلہ پر ہمیشہ غور و خوض کرتے رہتے ہیں۔ وہ خود غرضانہ مقاصد کی تحصیل کیلئے کوشش کرنا نامناسب سمجھتے ہیں۔ بلکہ ایثار اُن کا اپنا شیوہ رہا ہے اور وہ بھی ایثار کو تمام خصائل پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور راستبازی۔ راست گفتاری اور راست کرداری کو موجب فخر جانتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے مسئلہ زندگی کی ماہیت کو جس کی واقفیت سے انسان مقاصد معنوی کے حصول کیلئے کوشش کرتا ہے بخوبی سمجھ لیا ہے۔ اور اُنہوں نے انسانی زندگی کی وقعت و اہمیت کو بخوبی پہچان لیا ہے۔

لالہ ہنسراج کا روزانہ انضباط اوقات

جرمنی فلاسفر امانوئیل کنٹ کی طرح لالہ ہنسراج بھی اپنی زندگی یکسانیت سے بسر کرتے ہیں۔ وہ علی الصباح بیدار ہو کر اشنان سے فارغ ہونے کے بعد پرارتھنا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تپسیا کے بعد وہ سیر کرتے اور سیر سے واپس آکر ڈمبلوں سے ورزش کرتے ہیں اور ورزش کے بعد مذہبی کتابوں کا کچھ مطالعہ کر کے کالج یا سماج کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

لالہ ہنسراج پنجاب یونیورسٹی کے فیلو سنڈیکیٹ کے ممبر اور تعلیمات کے بورڈ ٹکسٹ بک سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ نیز آریہ سماج۔ آریہ سماج اور کالج کی انجمن کے صدر رہتے۔ اور کالج کمیٹی کے وہ ممبر بھی ہیں۔ وہ سماج گرلز سکول کمیٹی اور سیوک منڈل کے بھی رکن ہیں۔ جب وہ شام کا کھانا کھا چکتے ہیں۔ تو ان کے احباب کالج یا سماج کے معاملات کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے مکان میں مذہبی اور معاشرتی امور کا پرچار کرتے ہیں۔ اسکے بعد وہ سو جاتے ہیں۔ وہ فراغت کے ایام میں جا بجا لیکچر دیتے رہتے ہیں۔ اور کالج کے لئے چندہ جمع کرتے ہیں۔ انکی زندگی کا اکثر وقت سماج کے معاملات میں ہی گذر جاتا ہے

اور وہ دیگر امور میں شاذونادر شریک ہوتے ہیں۔ وہ مضمون نویسی میں اب بہت کم دلچسپی لیتے ہیں۔ بلکہ آریہ سماج کے اخبارات کے لئے بھی شاذونادر ہی کچھ سطور لکھتے ہیں ۔

خاتمہ

لالہ ہنسراج پنجاب کے اہلِ ہمت کی فہرست میں سب لوگوں سے نمایاں پایہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی محنت و سرگرمی اور جانفشانی سے یہ عزت حاصل کی ہے۔ اور وہ صوبہ پنجاب کے نوجوانوں کے لئے اصلاح و فلاح کا ایک نمونہ ہیں۔ وہ جانفشانی۔ ایثار۔ راست بازی۔ راست گفتاری اور راست کرداری کا مجسمہ ہیں۔ اور پنجاب کے لوگوں کو اُن کی شخصیت پر بجا ناز ہے ۔

مسٹر رومیش چندر دت سی۔ آئی۔ ای

تمہید

مادرِ ہندوستان کے فرزندانِ ارجمند کی فہرست میں مسٹر رومیش چندر دت کا نام بھی مسلمہ طور پر خاص ادب و عزت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اپنے وقت پیدائش یعنی ۱۸۴۸ء سے وہ ہندوستان کی ترقی کے مختلف مراحل کا بخوبی مشاہدہ کرتے رہے ہیں۔ وہ کلکتہ کے رام بگن خاندان میں سے تھے۔ اور انہیں ہیر سکول اور پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں تعلیم دی گئی۔ ہندوستان میں تعلیم حاصل کرنیکے بعد وہ انگلستان میں چلے گئے۔ جہاں وہ یونیورسٹی کالج لندن میں داخل ہو گئے۔ ۱۸۶۹ء میں وہ سول سروس کے امتحان مقابلہ میں سوم رہے اسی سال اُن کو بیرسٹری کی سند بھی دی گئی۔ ۱۸۷۱ء میں مسٹر رومیش چندر دت انگلستان سے ہندوستان میں آ گئے۔ اور ابھی انکی عمر ۲۳ سال ہی تھی۔ کہ انہیں انڈین سول سروس کا ممبر بنایا گیا +

سول سروس میں شمولیت

مسٹر دت کی ۲۶ سالہ ملازمت کے عرصہ میں صوبہ بنگال کے بڑے اضلاع مثلاً بردوان۔ باقر گنج۔ میدنا پور اور میمن سنگھ وغیرہ کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ اور وہ ایسی انصاف پسندی سے اپنے فرائض کو ادا کرتے رہے کہ ان کے ماتحت لوگ ہندو یا مسلمان اور زمیندار یا کسان ان کو یکساں ہر دلعزیز جانتے تھے۔ اور گورنمنٹ بھی اُن پر پورا پورا اعتماد رکھتی تھی اضلاع باقر گنج و میمن سنگھ کے مسلمان زمیندار انکی ہر طرح

اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اور انکے کام میں ممد و معاون ہوتے تھے۔ لوگوں میں ہر دلعزیز ہونے
کے باعث سرکار کے ہاں بھی انکی عزت زیادہ ہوگئی چنانچہ سنہ ۱۸۹۴ء میں وہ بردوان کے
اور سنہ ۱۸۹۶ء میں وہ اڑیسہ کے ڈویژنل کمشنر مقرر ہوگئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں گورنمنٹ ہند نے انکی
عزت افزائی کیلئے انہیں "سی۔ آئی۔ ای" کا اعزاز عطا فرمایا۔ زمانہ ملازمت میں سر اسٹوارٹ
بیلی سر انتھنی میکڈانل اور سر ہنری سٹیونسن جیسے معزز انگریز حکام بھی جو بنگال میں گورنر ہو گئے
ان کی عزت کیا کرتے تھے۔

مسٹر دت کی علمی سرگرمی

مسٹر دت ان سولینوں کی فہرست میں شامل ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ قدیم
اصلی ماخذوں سے حاصل کی۔ چنانچہ سر ولیم میور، سر ولیم ولسن ہنٹر جیسے معزز اصحاب نے بھی
مسٹر دت کی طرح ہی تاریخ ہندوستان کو سیکھا تھا۔ مسٹر دت کا علمی اور ادبی مذاق اس وقت سے
شروع ہوا جبکہ وہ ضلع کے افسر مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سنہ ۱۸۷۴ء
میں بنگالی زبان میں "بنگا بجیتا" کے نام سے ایک ناول شائع کرایا۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں انہوں
نے تاریخ ہندوستان کی تین داستانیں طبع کرائیں۔ اور "سنسار" اور "سماج" کے نام سے
ایک معاشرتی ناول لکھا جسے انہوں نے سنہ ۱۹۱۲ء میں انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے
شائع کر دیا اور جو یورپین اور ہندوستانی اہل مذاق اصحاب میں بہت شہرت حاصل کر گیا
سنہ ۱۸۸۵ء میں مسٹر دت نے رگ وید کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا اور گورنمنٹ ہند اور
علمی مذاق رکھنے والے لوگوں کے علاوہ پروفیسر میکس ملر جیسے فاضل اجل شخص نے بھی انکی
اس محنت کی داد دی۔

مسٹر دت کے ناولوں سے زیادہ اہم انکی تصنیف کردہ تاریخ ہندوستان ہے
چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے سنہ ۱۸۸۹ء میں جبکہ وہ ضلع میمن سنگھ کے انتظام پر مامور

تھے۔ "ہندوستان قدیم کی تہذیب" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ۱۸۹۳ء میں اُنہوں نے "ہندوستان قدیم کے اشعار" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو زمانۂ قدیم کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔

مسٹر دت کو انگریزی زبان میں کامل مہارت تھی۔ ۱۸۹۸ء میں اُنہوں نے مہابھارت اور رامائن کے تراجم شائع کئے۔ اور نہایت خوشی کا مقام ہے کہ پروفیسر میکس ملر ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے "ہندوستان قدیم وجدید کی تاریخ" "بنگال قدیم وجدید کی تاریخ" "بنگال کا علم ادب" "ہندوستان کی سپاہ اور یورپ میں تین سال" کے عنوان سے بھی مستند کتابیں شائع کیں۔

لنڈن یونیورسٹی نے مسٹر دت کی ان قابلانہ خدمات کا اعتراف کیا۔ جو اُنہوں نے تاریخ ہندوستان کی تصنیف کے متعلق سرانجام دیں۔ چنانچہ وہ ۱۸۹۸ء میں لنڈن یونیورسٹی میں تاریخ ہندوستان پر تقریریں کرنے کے لئے لیکچرار مقرر کر دئے گئے۔ اور اسی زمانہ میں انکی رامائن و مہابھارت بھی شائع کی گئیں تھیں جبکہ وہ لنڈن یونیورسٹی میں یہ ممتاز کام کر رہے تھے۔ لنڈن میں قیام کے دوران میں ہی اُنہوں نے ۱۹۰۱ء میں "ہندوستان کی اقتصادی تاریخ" تصنیف کی ۱۹۰۳ء میں اُنہوں نے ملکہ معظمہ آنجہانی کے عہد حکومت کے حالات لکھے۔

عزم ولایت

مسٹر دت کو تاریخی واقعات میں کمال دسترس تھی۔ اور وہ ایک اچھے محب وطن تھے۔ ان کا ارادہ ملکی خدمت کا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اِس مطلب کے لئے اپنے عہدے سے سبکدوشی کی خواہش ظاہر کی۔ اور ۱۸۹۷ء میں اُنہوں نے پنشن حاصل کر لی۔ اپنے انتظامی تجربہ کی بدولت وہ مزارعان کے افلاس سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ۱۸۹۷ء میں وہ اپنے عہدۂ جلیلہ

سے سبکدوش ہو کر اس معاملہ پر گورنمنٹ کو توجہ دلانے کے لئے انگلستان چلے گئے۔ اور ۹۷-۱۸۹۶ء میں جب کبھی انہیں موقع ملا وہ اس معاملہ کے متعلق مضامین لکھنے کے علاوہ تقریریں بھی کرتے رہے +

کرنسی کمیٹی کے روبرو شہادت

"ہندوستان میں قحط" کے عنوان سے اُنہوں نے ایک مضمون لکھ کر ۱۸۹۷ء کے ایک انگریزی ریویو میں شائع کرایا۔ اسی سال وہ انگریز حاضرین کے سامنے نئے قانون بغاوت اور کلکتہ کے میونسپل قانونی مسودہ پر تقریریں کرتے رہے ۱۸۹۸ء میں مسٹر دت نے کرنسی کمیٹی کے روبرو شہادت دی جس کے صدر سابق وزیر ہند سر ہنری فولر تھے +

انڈین نیشنل کانگرس کی صدارت

۱۸۹۹ء میں ہندوستان کے لوگوں نے انہیں انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ کی صدارت کے لئے مدعو کیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس دعوت کو قبول کر کے نہایت دانشمندانہ طور پر صدارتی تقریر کی اور لارڈ مارلے کی اصلاحی سکیم کو بہ نظر استحسان دیکھا۔ اسکے علاوہ اُنہوں نے مالگزاری پر بھی کچھ ریمارک کئے۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء میں اُنہوں نے اس مضمون کے متعلق لارڈ کرزن کی خدمت میں اور وزیر ہند کے پاس بھی مراسلات بھیجے اور یہ نہایت خوشی کا مقام تھا کہ گورنمنٹ نے انکی تجاویز کو پسند کر کے بہت حد تک مذکورہ نقائص کو دُور کر دیا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں مسٹر دت پھر ولایت میں چلے گئے۔ اور راستہ میں کلکتہ اور بمبئی کے لوگوں نے انکی خدمت میں ایڈریس پیش کئے۔ ولایت میں پہونچ کر اُنہوں نے ہندوستانیوں کے حقوق۔ مذہبی فلسفہ اور ہندوستان کے علم ادب پر تقریر و تحریر شروع کر دی۔ وہ ولایت میں دو سال رہے اور اُنہوں نے انگلستان کے عوام الناس کو

ہندوستانی امور سے بخوبی آگاہ کر دیا۔ مارچ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے نیشنل انڈین ایسوسی ایشن
میں ہندوستان کی معاشرتی ترقی پر ایک نہایت ہی دلچسپ تقریر کی۔ اسی سال انہوں نے بمبئی کے
ترمیم شدہ قانون مالگذاری کے متعلق وزیر ہند کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی۔ اور خود
اس قانون کے متعلق لندن میں تقریریں کرتے رہے۔ جنوری کے مہینہ میں وہ اس درخواست
کے پیش کرنے میں بھی شامل ہوئے۔ جو قحط کی انجمن نے ہندوستان کی اقتصادی حالت کی تحقیقات
کے لئے وزیر ہند کو دی تھی ✦

ولایت سے واپسی

مسٹر دت فروری ۱۹۰۲ء میں ہندوستان میں واپس آگئے اور مہاجن سبھا نے
مدراس میں نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ ہندوستان میں قیام کے دوران میں انہوں نے
گورنمنٹ ہند کے ان رزولیوشنوں کا جواب دیا۔ جو مالگذاری کی پالیسی کے لئے مد نظر تھے

ریاست بڑودہ کے منسٹر مال

مہاراجہ صاحب گائیکواڑ نے جو ہندوستانی رؤسا میں سے ایک روشن دماغ فرمانروا
ہیں مسٹر دت کی قابلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں اپنی ریاست میں منسٹر مال بنانے کی خواہش
ظاہر کی چنانچہ مسٹر دت نے اس عہدے کو قبول کر لیا۔ اور انہوں نے اس خوش اسلوبی سے
اپنے فرائض ادا کئے کہ مہاراجہ صاحب کا یہ انتخاب ہندوستان بھر میں بالعموم اور ریاست
بڑودہ میں بالخصوص بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔ مسٹر دت نے وہاں جا کر ریاست کے جوڈیشل
اور انتظامی عہدوں کے فرائض کو علیحدہ علیحدہ کر دیا ✦

جنوبی ہندوستان میں دورہ

کچھ عرصہ کے بعد مسٹر دت نے ریاست میسور۔ ریاست ٹراونکور اور ریاست کوچین میں سفر کیا۔ لوگوں نے ہر جگہ کمال تپاک سے ان کا استقبال کیا۔ اور اُنھوں نے بھی ہر جگہ موزوں تقریریں کیں۔ مدراس میں اُنھوں نے تاریخ ہندوستان کے مطالعہ کی نسبت نہایت دلچسپ تقریر کی۔ اور آخر کار ساٹھ سال کی عمر میں مسٹر دت قابلانہ قومی اور ملکی خدمات کو سرانجام دینے کے بعد اس دنیا سے رحلت کر گئے۔

عادات وخصائل

مسٹر دت ایک سچے محب وطن اور فصیح البیان اور طلیق اللسان انسان تھے انھوں نے نثر میں نہایت کارآمد کتابیں لکھی ہیں۔ وہ محنت و مشقت کے خود عادی تھے اور اپنے معاصرین کو محنت و مشقت کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ وہ عملی قابلیت کا نمونہ تھے۔ اور ان کی محنت و جانفشانی سے مزارعان کا بوجھ بہت کم ہو گیا ہے۔ ہندوستان کو ان کی باکمال شخصیت پر سچا ناز ہے۔ اور وہ آنے والی نسلوں کے لئے تقلید کا موجب ہیں۔

سر ڈنشا عدل جی واچا

تمہید

بارہ سو سال گذرے پارسی مذہب کی ایک مختصر سی جماعت مغربی ہندوستان میں پناہ گزین ہوئی تھی۔ اور آجکل اس قوم کے افراد ہندوستان میں معاشرت و علمیت کے راستہ میں چراغ ہدایت شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر نوروجی دادابھائی۔ سر فیروز شاہ مہتہ اور سر ڈنشا عدل جی واچا کے اسمائے گرامی سے اخبار بین اصحاب ناواقف نہیں ہیں۔ سر ڈنشا واچا ہندوستان کے سرکردہ محبان وطن میں سے ہیں مقامی اور شاہی سیاسیات میں انہوں نے نہایت دسترس حاصل کی ہے وہ کانگرس کے ایک سرگرم ممبر رہے ہیں۔ اور وہ الہ آباد کانوشن کمیٹی کے سیکرٹری بھی تھے ہندوستان میں آجکل کوئی ایسا شخص نہیں جس نے باوجود تقاضائے عمر کے دل و دماغ کی طاقت کو سر ڈنشا واچا کی مانند برقرار رکھا ہو۔ انہوں نے صبر آزما محنت و مشقت سے ہندوستانی امور کی نسبت بہت زیادہ تجربہ حاصل کیا ہے +

پیدائش و طفلی

سر ڈنشا واچا ۲ اگست ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے تھے۔ انکے والد ایک فارغ البال پارسی خاندان میں سے تھے۔ اور تجارت کرتے تھے۔ چودہ سال کی عمر میں سر ڈنشا واچا الفنسٹن انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم کیلئے داخل ہوئے۔ اور وہ وہاں چار سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں وہ الفنسٹن کالج میں داخل ہوئے جس کا انتظام ان ایام میں ڈاکٹر

جان ہارک نس کے سپرد تھا۔ کالج کی تعلیم انکے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ اور انکے چال چلن اور طرز عمل کا انکے کالج کے پروفیسر سر الگزینڈر گرانٹ پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ مگر تعلیم کے نصاب کے ختم ہونے سے پہلے ہی انکے والد نے انکو کالج سے بیجا کر اپنا کاروبار سکھانا شروع کردیا۔ پہلے پہل تو وہ بینک آف بمبئی میں ملازم رہے۔ اور اس کے بعد وہ میسرز بروڈی اینڈ ولسن کی تجارتی کوٹھی میں کام کرتے رہے۔ جہاں سے انہوں نے روپے پیسہ کی آمد و اخراجات کے متعلق تجربہ حاصل کیا اس کے بعد وہ بمبئی میں روئی کے کام میں مصروف ہوگئے۔ اور وہاں بھی نہایت خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے ؞

اخبار نویسی کا مشغلہ

باوجود کاروباری آدمی ہونے کے بھی سر ڈنشا واچا شہر بمبئی کے رفاہ عامہ میں شریک ہوتے رہے۔ سات سال تک وہ مسٹر مالاباری ایڈیٹر "انڈین سپکٹیٹر" کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ مذکورہ پرچے میں انکے نہایت اچھے مضامین شائع ہوتے رہے انہوں نے معاملات ہندوستان میں مہارت رکھنے کی قابلیت زیادہ تر مسٹر نائٹ میکلین ایڈیٹر بمبئی گزٹ کی رفاقت میں حاصل کی مسٹر میکلین نے مالگذاری ارضیون اور ہندوستان کے مالی معاملات کی نسبت سلسلہ مضامین شائع کیا تھا۔ اور سر ڈنشا واچا ان مضامین سے خاص طور پر متاثر ہوئے ؞

امور عامہ میں دلچسپی

وہ شہر بمبئی کے میونسپل انتظام پر نہایت دلیری سے نکتہ چینی کرتے رہے۔ اور اسی وجہ سے انہیں شہر میں شہرت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ بعد میں ان کو "فورٹ وارڈ آف بمبئی" کی

طرف سے میونسپل کمیٹی بمبئی میں شامل کیا گیا - انکو میونسپل امور پر مکمل عبور ہے اور کبھی نہ کبھی
میونسپل کمیٹی میں ہمیشہ شامل ہوتے رہے ہیں - اور یہ خوشی کا مقام ہے - کہ انہوں نے اپنے
فرائض کو سرانجام دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی +

شاہی کمیشن کے روبرو شہادت

۱۸۹۷ء میں سر ڈنشا واچا نے ہندوستانی اخراجات کے متعلق شاہی کمیشن
کے روبرو شہادت دی تھی - اور بمبئی کی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن اور نیشنل کانگرس نے
نہایت اعتماد سے ان کو اس کمیشن کی ممبری کے لئے منتخب کیا تھا +

پروونشیل کانفرنس کے اجلاس کی صدارت

سر ڈنشا واچا ۱۸۸۵ء سے انڈین نیشنل کانگرس کے ممبر ہیں - اور وہ کانگرس کے
ہر ایک اجلاس میں ہمیشہ فاضلانہ تقریریں کرتے رہے ہیں ۱۸۹۵ء میں انہیں پروونشل
کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بلگام کا صدر بنایا گیا - اور انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں
ہندوستان کی مالی حالت کے متعلق ایک تقریر کی - اسکے بعد مسٹر واچا بمبئی کی کارپوریشن
کے صدر بنائے گئے - اور انکے حقیقی اوج و کمال کا یہی وقت تھا - ۱۹۰۱ء میں وہ کلکتہ کانگرس
کے پریذیڈنٹ مقرر کئے گئے - اور ناظرین کے لئے یہ امر موجب مسرت و طمانیت ہوگا کہ
سر ڈنشا واچا اپنے اہم فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے +

شخصی قابلیت

ان کے مختلف کاروبار زندگی کی حقیقت انکی اپنی تحریر سے بخوبی منکشف ہوتی
ہے - چنانچہ ۱۸۹۷ء میں انہوں نے ویبی کمیشن کے روبرو شہادت دیتے وقت اپنی شخصیت

کے متعلق بیان کیا تھا۔ کہ میں بمبئی کی پریذیڈنسی ایسوسی ایشن کا آنریری سیکرٹری انڈین نیشنل کانگریس کا آنریری جائنٹ جنرل سیکرٹری۔ اور بمبئی کی میونسپل کمیٹی کا ایک ممبر ہوں۔ اسکے علاوہ میں روئی کے ایک کارخانہ کا منتظم کارندہ ہوں۔ گذشتہ ایام میں میں نے کئی سال عام امور کے مطالعہ میں صرف کئے ہیں۔ اور مالی سوالات اور اقتصادی معاملات میری توجہ کا خاص آماجگاہ تھے۔ اور میں کیسا اوقات انکے متعلق مضامین لکھ کر سفائی اخبارات میں شائع کراتا رہا ہوں۔ میں شہر کی عام تحریکات میں اکثر شریک رہتا ہوں۔ اور میں نے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں فوجی اخراجات۔ روئی کے محصول۔ محصول آمدنی اور تبادلہ زر کے متعلق بہت سی تقریریں کی ہیں۔ بمبئی کی پروشیل کانفرنس کا میں سیکرٹری ہوں۔ جو ہر سال صوبہ کے مشہور مقامات میں اجلاس کرتی ہے۔ مال اور بجٹ کے متعلق میں نے بمبئی میں کئی تقریریں کی ہیں۔ اور ان امور کے متعلق میں بمبئی گزٹ میں مضامین چھپواتا رہا ہوں۔ میں اینگلو انڈین ٹمپرنس ایسوسی ایشن کی شاخ مقیم بمبئی کا آنریری سیکرٹری رہا ہوں۔ میں نے زراعتی سوال اور کسانوں کی غربت کے متعلق مضامین لکھے ہیں۔ میں بمبئی کے کارخانوں کے مالکان کی انجمن کے اجلاس میں شامل ہوتا رہا ہوں۔ اور روئی کی صنعت و حرفت کے متعلق میں نے متعدد تقریریں کی ہیں۔ اسکے علاوہ گذشتہ سال میں بمبئی کی میونسپل کمیٹی کی آمد و اخراجات کے متعلق ٹائمز آف انڈیا میں مضامین لکھتا رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ویبی کمشن کے روبرو جو شہادت دی۔ اس سے ان کی اعلیٰ قابلیت کا بین ثبوت ملتا ہے۔

وائسرگل کونسل کی ممبری

غرضکہ مسٹر واچا ہندوستان کے بہترین افراد میں سے ہیں۔ اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ اصحاب ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ انکی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں

انہیں صوبۂ بمبئی کی قانونی کونسل کا ممبر منتخب کیا گیا - اور جب مسٹر گوکھلے آنجہانی سُرگباش ہو گئے - تو مسٹر واچا کو حضور وائسرائے کی آئینی کونسل کا ممبر بنایا گیا - اور اُنہوں نے اعداد و شمار پر حاوی ہونے کی بدولت اس کونسل میں ایسی تقریریں کی ہیں کہ وہ کونسل کے ایک ممتاز ممبر بن گئے ہیں ؀

عادات و صاف گوئی

مسٹر واچا اپنے خیالات کو خواہ عوام الناس کی رائے انکے برخلاف ہی کیوں نہ ہو جائے ظاہر کر دیتے ہیں - اور ان کی سرکردگی میں بمبئی اور شہر بمبئی کے لوگ ملک کی ہر ایک تحریک میں حصہ لیتے ہیں - اور گورنمنٹ ہند نے بھی ان کی قابل خدمات کے اعتراف میں انہیں سر کا خطاب عطا کیا ہے - چنانچہ ٹائمز آف انڈیا ان کی ذاتی صفات کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اعزاز و شہرت سے لاپروا ہیں - اور ہر حالت میں ملک و قوم کی خدمت اور گورنمنٹ عالیہ کی اطاعت کو اپنا فرض مقدم جانتے ہیں - چنانچہ وہ آجکل بھی حضور وائسرائے کی آئینی کونسل کے ممبر ہیں - اور نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہیں ؀

راجا سر ٹی مادھو راؤ کے سی ایس آئی

تمہید

ہندوستانیوں کے مخلص ترین دوست مسٹر فاسٹ نے برطانیہ اعظم کے دار العوام میں راجا مادھو راؤ کو ہندوستان کا ٹرگوٹ کہا تھا۔ کیونکہ راجا صاحب میں واقعی وہ صفات موجود تھیں جن کی بدولت انسان معاشرتی ترقی کے قابل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ کسی حد تک وعدہ فردا کے مشتاق تھے۔ مگر وہ حال کی ماہیت و اہمیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ انہوں نے عرصہ تک سرکار عالیہ کی خدمت کی اور ان کے زمانہ ملازمت کا زیادہ وقت ایسی ریاستوں میں بسر ہوا۔ جہاں ہر طرح کی بدنظمی ہوتی تھی۔ مگر چونکہ وہ مستقل مزاجی اور زود عمل کی بدولت ہمیشہ اصلاح کی تخم ریزی کر دیتے تھے۔ وہ انسان کی صفات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اور معاشرتی مصلح ہونے کی حیثیت میں وہ ہمیشہ محتاط رہتے تھے۔

ولادت

راجا مادھو راؤ موضع کمبکونم میں پیدا ہوئے۔ اور وہ ایک برہمن مرہٹہ خاندان میں سے تھے۔ جو مرہٹوں کی سلطنت کی وسعت کے زمانہ میں جنوبی ہندوستان میں ہجرت کر گیا تھا۔ انکے خاندان کے لوگ ملک میں اعلیٰ درجہ کے مدبر ہوتے آئے تھے۔ چنانچہ ان کے چچا وینکٹا راؤ ٹراونکور راج کے پہلے دیوان اور وزیر تھے۔ اور بعد میں وہ ریاست ٹراونکور میں ناظم ہو کر ریاست کے دیوان بن گئے تھے۔ ان کے

اپنے والد بھی جن کا نام نامی رنگا رام تھا۔ ریاست ٹراونکور میں ملازم تھے۔ اور انہوں نے بھی اپنی قابلیت سے اعلےٰ حیثیت پیدا کر لی تھی ؛

عرصۂ تعلیم و ملازمت

راجا مادھو راؤ چھ سال تک گورنمنٹ سکول مدراس میں مشہور و معروف ریاضی دان مسٹر پاول کے زیر تعلیم رہے۔ اور انہوں نے ریاضی میں اعلےٰ قابلیت پیدا کر لی۔ چنانچہ ان کے معزز اُستاد نے بھی انہیں ریاضی اور قدرتی فلسفہ کا پروفیسر بنانے کی کوشش کی۔ مگر ۱۸۴۹ء میں مدراس کے اکونٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہو گئے۔ اور بعد میں وہ شہزادگان ٹراونکور کے اتالیق مقرر ہو کر ٹراونکور میں چلے گئے۔ انہوں نے اتالیق ہونے کی حالت میں اِس خوش اسلوبی سے کام کیا۔ کہ انہوں نے ۱۸۵۳ء میں محکمہ مال میں ایک اچھا عہدہ حاصل کر لیا اور مہاراجہ صاحب اکثر ان کے کام پر خوش رہتے تھے۔ چنانچہ انہیں مہاراجہ صاحب ٹراونکور نے دیوان پیشکار مقرر کر دیا جب راجا مادھو راؤ ریاست ٹراونکور میں ملازم ہوئے تھے۔ تو اُس وقت معاملات ریاست کی حالت ناگفتہ بہ تھی کیونکہ اعلےٰ انتظامی حکام اپنا وقت اکثر دیوان اعظم کے خلاف سازش کرنے میں صرف کر دیتے تھے ؛

ریاست ٹراونکور کے دیوان

راجا مادھو راؤ نے مہاراجہ صاحب کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ تمام ریاست کو اضلاع میں تقسیم کر دیا جائے۔ یا ہر ایک ضلع یا کچھ اضلاع ایک دیوان پیشکار کے ماتحت ہوں۔ جو انتظامی ذمہ داری کے لحاظ سے اعلےٰ دیوان کے ماتحت ہیں مہاراجہ صاحب نے اس تجویز کو پسند کر لیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں ریاست کے معاملات

کی خرابیاں رفع ہوگئیں۔ اور پولیٹکل افسر کی تحریک کے مطابق یہ سب کام اجا مادھو راؤ کی عقل و دانش کا نتیجہ تھا ٭

ریاست میں اصلاح

۱۸۵۸ء میں دیوان کرشن راؤ سرگباش ہوگئے۔ اور مہاراجہ صاحب نے سر مادھو راؤ کو دیوان مقرر کیا۔ اس وقت انکی عمر صرف اکتیس سال تھی۔ اور انہوں نے نہایت خوشی سے اپنے فرائض کو سرانجام دینا منظور کرلیا۔ اُس وقت ریاست ٹراونکور کی انتظامی حالت میں نمایاں اصلاح نہیں ہوئی تھی۔ مگر سر مادھو راؤ نے پولیٹکل اکانمی اور زمانہ جدید کے طرز حکومت کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر اصلاح شروع کی۔ ہندوستانی ریاستوں کے حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ اس لئے انتظامی تبدیلی کے لئے بھی نئے اصولوں کی ضرورت تھی ٭

برہمنوں کے اقتدار کی کمی

ریاست ٹراونکور میں برہمنوں کو بہت اقتدار حاصل تھا۔ اور وہ ادنے جماعتوں پر بہت تشدد کرتے تھے۔ ادنے جماعتوں کو عرصہ کے جبر و تشدد نے تقریباً درجہ غلامی تک پہنچا دیا تھا۔ مگر مغربی تہذیب کی بدولت ان میں بھی بیداری پیدا ہوگئی تھی۔ اور اسی وجہ سے برہمنوں اور انکے درمیان کئی بار بلوے بھی ہو گئے تھے۔ چنانچہ سر مادھو راؤ کے زمانہ میں بھی ایک بار بلوہ ہوا۔ وہ موقعہ پر پہونچے۔ اور انہوں نے مہاراجہ صاحب کی اجازت سے بلوائیوں کے سرغنوں کو گرفتار کرلیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برہمنوں کو ادنے جماعتوں کی رسوم پر نکتہ چینی کی ممانعت ہوگئی ٭

محکمۂ مال کی اصلاح

مگر افسوس کہ انہی واقعات کے دوران میں مہاراجہ صاحب ٹراونکور سرگباش ہوگئے۔ اور ان کی جگہ راج کمار راوی ورما گدی نشین ہوئے۔ جو مادھوراؤ کی پالیسی کے بہت زیادہ حامی رہے۔ محکمۂ مال کا انتظام نہایت خراب تھا۔ بہت سے اجارے اور تکالیف دہ محصول ہٹا دئے گئے۔ کاغذ کی تجارت کے اجارہ کو ہٹانے کے بعد برآمد کا محصول لگا دیا گیا۔ اس کے بعد تمباکو کے اجارے کا وقت آگیا۔ اسکے علاوہ انہوں نے بہت سے ایسے محصولات کو دُور کردیا۔ جس سے ریاست کی آمدنی میں کوئی معتدبہ اضافہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر جن کے جمع کرنے میں اخراجات و تکالیف کا سامنا رہتا تھا۔ چونکہ برآمد اور درآمد کے مال پر سے بہت حد تک محصول ہٹا دیا گیا تھا اسلئے ریاست کی تجارت کو بھی ترقی حاصل ہوئی۔ ۶۲-۱۸۶۱ء میں ۳۵ لاکھ روپے کی مالیت کا مال ریاست سے باہر بھیجا گیا تھا۔ مگر ۶۹-۱۸۶۸ء میں ۷۲ لاکھ روپے کا مال باہر گیا۔

پبلک سروس کمشن

تجارتی امور سے فارغ ہوکر انہوں نے پبلک سروس کمشن کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ محکمہ پولیس اور جوڈیشل ملازموں کی تنخواہیں بڑھا دی گئیں۔ محکمۂ رفاہ عام اور محکمۂ تعلیم کی اصلاح کی گئی۔ اور ان اخراجات کے علاوہ انہوں نے ریاست کے قرض کی بھی ایک معتدبہ رقم ادا کردی۔

ریاست ٹراونکور نے برہمنوں کی پرورش کیلئے بہت سا روپیہ وقف کر رکھا تھا۔ مگر اس خرچ کو بھی انہوں نے کم کرکے ریاست کو تباہی سے بچا لیا۔ پبلک سروس میں ایسی اصلاح کردی گئی۔ کہ آئندہ بدنظمی کا کوئی موقعہ نہ رہا۔ تعمیر ریاست بہت۔ صاحب نے توجہ دی۔

ضابطہ دیوانی۔ اور دیگر انگریزی قوانین کی رو سے عدالتوں کا انتظام درست کیا گیا۔ انگریزی علاقہ کے ایک تجربہ کار جج کو چیف جج بنایا گیا۔ اور ڈسٹرکٹ جج اور منصف مقرر کر دیئے گئے +

نیا آئین مالگذاری

اسکے علاوہ سر راجا مادھو راؤ نے ملکی زراعت کی ترقی کے لئے زر مالگذاری بھی مقرر کر دیا۔ اور اس سے مزارعان کو اچھی طرح کاشت کرنے کا چسکا پڑ گیا۔ کافی اور چائے کی درآمد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اور سنکونا کی کاشت بھی بڑھ گئی محکمہ تعمیرات عام کو بھی خاص ترقی دی گئی۔ اور تعلیم کی حالت بھی روبہ اصلاح کر دی گئی۔ ٹراونکور میں صرف ایک ہی انگریزی سکول تھا۔ اور ورنیکلر سکولوں کا تو نام و نشان ہی نہیں تھا۔ مگر راجا مادھو راؤ نے اعلےٰ تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کر دیا۔ اور ضلع میں سکول قائم کئے گئے۔ اگرچہ تعلیم کی توسیع پر بہت زیادہ روپیہ صرف ہوا۔ مگر سر مادھو راؤ نے نہایت کشادہ دلی سے تعلیمی مصارف کے لئے روپیہ دیا۔ ورنیکلر سکول اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بھی سکول قائم کئے گئے +

ریاست کی ترقی

مسٹر مادھو راؤ نے انتظامی صیغوں کی اس طرح اصلاح کر دی۔ کہ ریاست میں سکول ماسٹر۔ ڈاکٹر۔ جج۔ مجسٹریٹ۔ رجسٹرار اور پوسٹ ماسٹر بکثرت ہو گئے۔ اور سرکار عالیہ کی طرف سے انکی اعلےٰ خدمات کے صلہ میں انہیں کی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا اعزاز عطا کیا گیا +

سرکار عالیہ کی طرف سے خطاب

سر کے خطاب کی تفویض کے چند ہی ماہ بعد سر مادھوراؤ اپنے عہدہ جلیلہ سے مستعفی ہوگئے۔ اور مہاراجہ صاحب نے معتدبہ پنشن عطا کی۔ مگر مستعفی ہونے کے بعد گورنمنٹ ہند نے انہیں حضور وائسرائے ہند کی قانونی کونسل کا ممبر بنا دیا۔ مگر انہوں نے اس اعزاز کو قبول نہ کیا۔ مہاراجہ تکاجی راؤ ہلکر والئے اندور نے سر مادھوراؤ کو دیوان کا عہدہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۸۷۳ء میں اس نئے عہدے پر کام شروع کر دیا۔ مگر اس ریاست میں مہاراجہ صاحب نے تمام انتظام ریاست اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اِسلئے راجا مادھوراؤ اندور میں زیادہ انتظامی تغیرات و اصلاحات نہ کر سکے۔

سفرِ انگلستان اور بڑودہ کا انتظام

اندور میں عرصۂ ملازمت کے دوران میں ہی انہیں ہندوستان کے محکمۂ مال و مالی حالت پر گواہی دینے کے لئے انگلستان میں طلب کیا گیا۔ مگر انہوں نے اُسے بھی رضامندی ظاہر نہ کی۔ مہاراجہ ملہار راؤ والئے بڑودہ کے عہد حکومت میں ریاست میں بدنظمی کا تاریک بادل چھایا ہوا تھا۔ چنانچہ بڑودہ کے حالات کی تحقیقات کے لئے کمشن مقرر کی گئی۔ اور مذکورہ کمشن کی رپورٹ سے نہایت افسوسناک اسرار کا پردہ فاش ہوا۔ چنانچہ گورنمنٹ نے رعایا کی بہتری کے لئے ریاست کا انتظام ملک کے اعلےٰ مدبروں کے سپرد کیا۔ ریاست بڑودہ اور ریاست ٹراونکور میں یکساں قباحتیں تھیں۔ اور جیسا کہ سر مادھوراؤ نے ریاست ٹراونکور کی حالت روبہ اصلاح کر دی تھی۔ اب کے انہیں ریاست بڑودہ کے انتظام کے لئے بھی مقرر کیا گیا۔ سر مادھوراؤ نے نہایت عقل و دانش سے گدی کے دعویداروں کو جاگیریں اور تحائف دیکر خوش کیا۔ اور معزول مہاراجہ

کے مددگاروں سے بھی انہوں نے ایسے طریق پر راہ ورسم پیدا کرلی کہ ریاست سے بھیجی رفع ہوگئی
بڑودہ کے ساتھ ہندوستانی افسروں کو قرض کی آدائگی پر مجبور کیا گیا۔ اور اِس طریق پر سرکاری خزانہ
میں بھی روپیہ کی مقدار کا اضافہ ہوگیا۔ معزول مہاراجہ صاحب بڑودہ نے جو ہر یونی کا قرض
ادا نہیں کیا تھا اور طرح طرح کی مالی مشکلات رونما ہوگئی تھیں۔ مگر سر مادھوراؤ نے اِس خوش اسلوبی
سے تمام قباحتوں کو رفع کیا کہ تمام اہل دربار جو پہلے انکی تقرری کو ناپسند کرتے تھے انکے مداح ہوگئے
ریاست میں امن وامان قائم ہوگیا۔ محصولات کو کم کردیا گیا۔ محکمہ پولیس میں اصلاح کردی گئی۔
عدالتوں کے انتظام کی نظرثانی کی گئی۔ تعلیم کا محکمہ وسیع کیا گیا۔ اور رفاہِ عامہ کے لئے عمارات
پل۔ سڑکیں اور نہریں بنائی گئیں۔ اراضیات کے بندوبست کے لئے رعیت واری طرزِ عمل اختیار
کیا گیا۔ اخراجات کی مقدار مقرر کی گئی۔ اور ریاست بڑودہ ہندوستان کی بہترین ریاستوں کا
ہم پایہ اور ہم پلہ بن گئی۔

وفات

سر مادھوراؤ نے ۱۸۸۲ء میں ریاست بڑودہ کی ملازمت ترک کی اور ۶۳ سال
کی عمر میں ۵۔ اپریل کے دن سرگباش ہوگئے۔ ان کا نام ملک کے ہر چھوٹے بڑے کے لئے
موجب یاد اور باعث فخر ہے۔ انکی طبیعت میں کمال پایہ کا استقلال تھا اور ہندوستانی
مدبرین میں سے ان کا وجود بھی باعث برکت تھا۔ بگڑتی ہوئی دیسی ریاستوں کو آراستہ کرنا
اہلِ ہمت کا کام ہے۔ اور تاریخی امتحان کے نکتہ نظر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ
وہ ایک محنت شعار اور دانا شخص تھے۔ اور انہوں نے اپنی ذہنی اور دماغی قوتوں کی بدولت
ایسے کارنامے کر دکھائے جو معمولی دماغ کا انسان کبھی نہیں کرسکتا۔

بابو ووميش چندر بونرجی

تمہید

مسٹر وومیش چندر بونرجی ایک آسودہ حال اور فارغ البال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے اعلےٰ دماغی اور ذہنی قوائے کی بدولت ایسی علمی تحصیل کی۔ کہ آسمان ہندوستان پر اُن کا نام ہمیشہ کے لئے تابدار ستارہ بن کر چمکتا رہیگا۔ اور انکے کارنامے آنے والی نسلوں کے لئے چراغ ہدایت کی طرح فروزاں وتاباں رہینگے ٭

ولادت وتعلیم

مسٹر بونرجی دسمبر ۱۸۴۴ء میں کدار پور میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا خاندان دیرسے وکالت پیشہ چلا آتا تھا۔ اُن کے دادا بابو پتمبر بونرجی کا کلکتہ میں ایک دکان سے تعلق تھا جس میں وہ اٹارنی کا کام کیا کرتے تھے۔ اور ان کے والد نے بھی اٹارنی کا کام ہی شروع کیا تھا۔ ان حالات کی رو سے مسٹر بونرجی وکالت پیشہ گھرانے میں پیدا ہونے کے علاوہ ہر وقت قانونی امور کے متعلق ہی گفتگو سنا کرتے تھے اور مسٹر بونرجی کے طرز عمل میں ہندوستان کے دیگر سرکردہ لوگوں کی طرح بچپن میں ہی ہونہار ہونے کی علامات ظاہر ہوتی تھیں۔ پہلے وہ اوریئنٹل سیمنری اور ہندو سکول میں تعلیم پاتے رہے۔ مگر جب انٹرنس کا امتحان نزدیک آیا۔ تو سترہ سال کی عمر میں اُنکے والد ان کو سکول سے لے گئے۔ اور اُنہوں نے مسٹر بونرجی کو ایک اٹارنی مسٹر ڈبلیو پی ڈاؤننگ کا کلارک مقرر کرا دیا۔ یہاں وہ قریباً ایک سال تک کام کرنیکے بعد مسٹر گیلنڈرز کے دفتر میں ملازم ہو گئے۔ اور اُنہوں نے مقامی

کی پیروی کا کام سیکھ لیا۔ اِس قابلیت کے پیدا ہوتے ہی اُنہوں نے مُلکی خدمت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے "اخبار بنگالی" کی اشاعت شروع کی جس کے موجودہ ایڈیٹر مسٹر سرندر ناتھ بنرجی ہیں

ولایت کی تعلیم

مسٹر رستم جی جمسیدجی جی جی بھائی نے انگلستان میں جاکر تعلیم حاصل کرنیوالے ہندوستانی طلبا کے لئے ایک وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ۱۸۶۴ء میں مقابلہ کے امتحان میں بیٹھ کر یہ وظیفہ حاصل کر لیا۔ اور وہ انگلستان میں جاکر مڈل ٹمپل میں داخل ہوگئے۔ ولایت میں اُنہوں نے ۱۸۶۷ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۶۸ء میں وہ ہائیکورٹ کلکتہ کے وکلا کی فہرست میں شامل ہوئے۔

اپنے زمانہ وکالت میں کلکتہ میں وہی صرف ایک ہندوستانی بیرسٹر تھے۔ اور اُنہوں نے اپنے وکالت پیشہ احباب کی مدد سے جلدی ہی ایسی شہرت حاصل کر لی۔ کہ وہ عوام و حکام میں یکساں طور پر ہر دلعزیز ہوگئے۔ وہ زرکثیر حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ اور اُنہوں نے محنت سے واقعی زر کثیر حاصل کر لیا۔ اُنکی قابلیت کے اعتراف میں گورنمنٹ نے انہیں سرکاری وکیل مقرر کر دیا۔ اور اُسکے بعد اُن کو جج کا عُہدہ بھی دیا گیا۔ مگر اُنہوں نے رضامندی ظاہر نہ کی۔

انگریزی طرز بود و باش کا اثر

لیکن مسٹر بونرجی کا مذہبی اور قومی روایات سے قطع تعلق ہوگیا۔ اور وہ گفتار اور حرکات و سکنات عادات اور طرز بود و باش میں بالکل انگریز ہی بن گئے۔ اور ہرسال وہ سیر و نشاط کے لئے ولایت میں چلے جاتے تھے۔ ان کی اولاد کی تعلیم و تربیت بھی ولایت میں ہوئی۔ اور اُن کے بعض بچوں نے تو شادی بھی وہیں کرلی۔ اگرچہ

مسٹر بونرجی نے مذہبی رسم و رواج کو ترک کر دیا تھا۔ مگر وہ اُن لوگوں کو جو مذہبی رسوم کے پابند تھے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور وہ سوشل اصلاحات اور پولیٹکل اصلاحات کو متحد الاصل نہیں جانتے تھے۔

کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو

مسٹر بونرجی ۱۸۸۰ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو مقرر کئے گئے۔ اور تعلیمی مقاصد کی تکمیل کیلئے انہیں یونیورسٹی کی طرف سے صوبہ بنگال کی قانونی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا کونسل میں مسٹر بونرجی اور مسٹر آر سی دت کا آپس میں ہمیشہ اتفاق رائے رہا۔ مسٹر بونرجی شروع سے ہی انڈین نیشنل کانگرس کے ممبر تھے۔ اور وہ عمر بھر اس کے حامی رہے۔ اور ۱۸۸۵ء میں وہ انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس منعقدہ بمبئی کے پریذیڈنٹ بنائے گئے اور اگرچہ وہ بابو سریندر ناتھ بنرجی کیطرح فصیح البیان اور طلیق اللسان نہیں تھے۔ لیکن وہ مدلل طرز تقریر کی بدولت سامعین پر اپنی باتوں کا اثر ڈال لیا کرتے تھے۔ مسٹر بونرجی برٹش راج کی برکات سے بخوبی واقف تھے۔ اور انہیں ہمیشہ برطانوی سلطنت کے فیضان کی توقع رہتی تھی۔ وہ نہایت وفادار اور شکر گذار انسان تھے۔ مگر وہ ہمیشہ پولیٹیکل ترقی کے خواہاں تھے۔ اور ان کا یہ مدعا تھا کہ لوگوں کو حکومت خود اختیاری کے حقوق تفویض کئے جائیں۔ کانگرس کا اجلاس دوسرے سال کلکتہ میں ہوا۔ اور انہوں نے اسے کامیاب بنانے کے لئے نہایت تن دہی سے کام کیا۔ جب کانگرس کا اجلاس ۱۸۸۷ء میں مسٹر بدرالدین طیب جی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ تو مسٹر بونرجی نے "باشندگان ہندوستان" کی تعریف کرتے ہوئے یوروشین مشرقی ہندوستانیوں اور اُن یورپین لوگوں کو بھی ہندوستانیوں کے زمرہ میں شمار کیا۔ جنہوں نے ہندوستان میں اقامت اختیار کر لی ہے۔

ولایت کو چلے گئے

کانگرس کے اگلے اجلاس میں وہ حاضر نہ ہو سکے کیونکہ وہ طبی مشورہ سے صحت کے خیال سے ولایت میں تشریف لیگئے تھے۔ مگر وہاں بھی انہوں نے برطانوی رعایا کو ہندوستانیوں کا ہمدرد بنانے میں کافی کام کیا۔ انہوں نے ولایت میں قیام رکھنے کے دوران میں ضابطہ فوجداری کی ایک ترمیم پر نکتہ چینی کی۔ جسے سر جیمس فٹز سٹیفن نے مذکورہ ضابطہ میں بڑھا دیا تھا۔ اسکے علاوہ انہوں نے وائسرائے ہند کی قانونی کونسل کی توسیع اور منتخب شدہ ممبروں کی شمولیت کے متعلق بھی کوشش کی۔ ۱۸۸۸ء میں مسٹر بونرجی ولایت سے واپس آکر انڈین نیشنل کانگرس کے چوتھے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں شریک ہوئے۔ جو مسٹر جارج یول کی زیر صدارت منعقد کیا گیا تھا۔ انہوں نے اعتدال و استدلال سے مسٹر جارج یول کو صدارت کے قبول کرنے اور پنڈت اجودھیا ناتھ کو استقبالی کمیٹی کا صدر بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ خوشی کا مقام ہے کہ ان کی کوشش سے مسٹر جارج یول اور پنڈت اجودھیا ناتھ دونو اس اجلاس میں شریک ہوئے۔

کانگرس کے اجلاس میں شمولیت

۱۸۸۹ء میں سر ولیم ویڈر برن کو کانگرس کے اجلاس منعقدہ بمبئی کا صدر بنایا گیا اور ولایت سے مسٹر چارلس بریڈلا بھی مسٹر بونرجی کی تحریک پر کانگرس کے اس اجلاس میں شامل ہوئے۔ مسٹر بونرجی سنہ ۱۸۹۰ء میں کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں بیماری کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ سنہ ۱۸۹۱ء میں کانگرس کا اجلاس ناگپور میں ہوا۔ اور مسٹر بونرجی نے یہ رزولیوشن پیش کیا۔ کہ ہندوستان میں آئندہ ہر سال کانگرس کا اجلاس ہوا کرے۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں مسٹر بونرجی انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاس کے صدر بنائے گئے اور انہوں نے مسٹر اے او ہیوم

کی اعلیٰ خدمات پر ایک مبسوط تقریر کی - جو اصل میں کانگرس کے حقیقی بانی تھے +

قانونی قابلیت

وکیل ہونے کی حیثیت میں مسٹر بونرجی فوجداری مقدمات کے فیصلہ جات میں بہت دلچسپی لیا کرتے تھے - اُنکے نکتہ خیال سے ہندوستان میں "جمہوریت" کی ترویج کوئی نئی بات نہیں تھی - کیونکہ تاریخ دان اصحاب پر بخوبی روشن ہے کہ ہندوستان میں عرصہ سے پنچایت کے ذریعہ تنازعات کے فیصلہ جات ہوتے رہے ہیں - چنانچہ کانگرس کے اجلاس منعقدہ پونا میں مسٹر بونرجی نے "جمہوری" کے متعلق ہی ایک خاص تقریر کی تھی +

ولایت میں بود و باش اور رحلت

مسٹر بونرجی سنہ ۱۹۰۲ء میں ہمیشہ کے لئے ولایت کو چلے گئے - اور اُنہوں نے "کرائے ڈن" میں ایک زر خرید مکان میں رہائش اختیار کی - اور وہ وہاں پریوی کونسل میں وکالت کا کام کرتے رہے - ان کا طرز بود و باش نہایت امیرانہ تھا - اور وہ مہمان نوازی پر بہت روپیہ صرف کر دیا کرتے تھے - ولایت میں اُنہوں نے انڈین نیشنل کانگرس کی برٹش کمیٹی کی نمایاں خدمات کیں - اور اس تمام محنت و سرگرمی کے علاوہ پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی بھی آرزو رکھتے تھے مگر ولایت میں تھوڑے عرصہ کے قیام کے بعد ہی وہ بیمار ہو گئے - اور جیسا کہ اُنہوں نے اپنے ایک مراسلہ میں مسٹر آر سی دت کو لکھا تھا - انہیں اپنی رحلت کا یقین کامل ہو گیا - چنانچہ ۲۱ - جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کو وہ اس دُنیا سے سرگباش ہو گئے - انہیں گولڈرز گرین میں جلایا گیا - بہت سے ہندوستانی لوگ وہاں موجود تھے - اور مسٹر دادا بھائی نوروجی نے اس موقعہ پر ایک مختصر سی تقریر بھی کی +

عادات و خصائل

اگرچہ مسٹر بونرجی فصیح البیان بنگالی نہیں تھے۔ مگر ان میں قومیت کی روح تھی۔ اس کے علاوہ وہ مذہبی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے تھے۔ مگر انکی عملی قوت فیصلہ اور محض ان کی سیاسی سرگرمی نے انکو ملک کے سرکردہ اصحاب کی فہرست میں داخل کر رکھا ہے۔ وہ سیاسی تحریکات کی نہایت جانفشانی سے معاونت کرتے رہے ہیں۔ اور کانگرس کی تاریخ در اصل اُن کی زندگی کے واقعات پر مشتمل پائی جاتی ہے۔ ان کے نصب العین خیالی یا موہوم نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک سنجیدہ اور معقول انسان تھے۔ وہ سیاسی امور پر نہایت متانت سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر دادابھائی نوروجی نے کہا تھا وہ ایک دانا اور روشن ضمیر مدبر تھے۔ ان کو ذمہ داری کا زبردست احساس تھا۔ اور وہ اپنے فرائض کو بجالانے سے کبھی گریز نہیں کیا کرتے تھے۔ انڈین نیشنل کانگرس کی برٹش کمیٹی کا ممبر ہونے کی حیثیت میں انہوں نے نہایت مفید کام کئے۔ اور ان کے کارنامے واقعی قابل تقلید ہیں۔ وہ خود بھی شہنشاہ معظم کے ایک وفادار شخص تھے۔ اور اپنی تقریر و تحریر میں انہوں نے ناظرین کو وفاداری حب الوطنی اور ملک پرستی کے گرانمایہ اسباق سکھلائے ہیں۔

مولوی رحمت اللہ محمد سیانی

تمہید

اگر کسی اجنبی کو شہر بمبئی میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے وہ وہاں کے پارسی سوداگروں کی دولت و ثروت کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے۔ بہ نظر غائر دیکھنے سے پارسی لوگوں کی دولت تجارتی تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثرات کا پتہ دیتی ہے جس طرح صوبہ بمبئی میں پارسی طبقہ کو دولت و ثروت اور عزت و اقتدار حاصل ہے۔ اسی طرح اس علاقہ کے مسلمانوں میں سے خوجہ آبادی کو بھی عزت و ثروت میسر ہے۔ اور خوجہ آبادی اور پارسی آبادی کی عزت و ثروت کی وجوہات بھی یکساں ہیں۔ یہ دونوں قومیں تعلیم و الوالعزمی کے میدان میں سب سے آگے قدم رکھتی ہیں جس طرح ڈاکٹر نوروجی۔ سر فیروز شاہ مہتہ۔ اور سر ڈنشا واچا پارسی آبادی کے لئے سامان تقلید ہے ہیں۔ اسی طرح خوجہ آبادی میں سے مسٹر سیانی کا وجود بھی انکی عزت و عظمت کا باعث بنا رہا ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو سر سید احمد مرحوم مسٹر بدرالدین طیب جی اور مسٹر سیانی کی مساعی جمیلہ سے ہی موجودہ عروج حاصل ہوا ہے۔ اگرچہ آج ان بزرگان ملت کا وجود ہمارے درمیان سے گم ہے۔ مگر وہ موجودہ لوگوں اور آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ قبلۂ تقلید رہینگے ؛

پیدائش و ابتدائی حالات

مسٹر رحمت اللہ محمد سیانی ۵ - اپریل ۱۸۴۷ء کو شہر بمبئی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جد امجد ریاست کچھ میں ایک معزز سوداگر تھے۔ مگر نیر نگیٔ روزگار سے جب مسٹر سیانی اپنے

بچپن ہی میں ہوش رُبا حوادث کا سامنا کرنا پڑا لیکن عالی حوصلگی اور محنت شعاری سے وہ اپنے
مقاصد کے حصول میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے۔ اگرچہ آجکل خوجا آبادی کے لوگ اعلےٰ تعلیم
کے شائق ہیں۔ مگر آج سے پچاس سال پہلے وہ انگریزی تعلیم کے نہایت مخالف تھے۔ بیان کیا
جاتا ہے۔ کہ ایک بار مسٹر سیانی الفنسٹن سکول کو جارہے تھے۔ اور جاہل خوجوں کے ایک گروہ نے
ان کو "کافر کافر" کہہ کر ان پر پتھر پھینکے۔ ایک بار انہوں نے کمزوری بصارت کے باعث
عینک لگائی تو اس وقت بھی بعض خوجوں نے ان پر حملہ کر کے تحقیر آمیز نعرے بلند کئے۔
اور ان کو بازاروں میں اکیلے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا۔ مگر خوش قسمتی کا مقام ہے۔ کہ آجکل
اعلےٰ تعلیم کی اس خوفناک طریق پر مخالفت نہیں کیجاتی۔ اور لوگ انگریزی تعلیم کے دلدادہ
پائے جاتے ہیں۔

مسٹر سیانی نے جب امتحان انٹرینس پاس کرلیا۔ انکے والد نے انکو تعلیم چھوڑ دینے کے
لئے کہا۔ مگر انہوں نے اپنے متعلقین و احباب کی مخالفت کے باوجود بھی اعلےٰ تعلیم کی تحصیل
کو ترجیح دیکر کالج میں پڑھنے کا عزم بالجزم کرلیا۔ چنانچہ الفنسٹن کالج میں مدت دراز زمانہ تعلیم بسر
کرنے کے بعد مسٹر سیانی نے ۱۸۶۶ء میں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ اور وہ صوبہ بمبئی
کے مسلمانوں میں سے پہلے شخص ہیں جن کو ۱۸۶۶ء میں ایم۔ اے کی سند ملی۔ اور حیرت
کی بات ہے کہ اسکے بعد پچیس سال کے عرصہ میں بھی اس علاقہ سے کوئی مسلمان ایم۔ اے نہ ہو سکا
جس سے مسلمانوں کے تعلیمی تنزل کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ تعلیم کالج کے زمانہ میں مسٹر سیانی
کو بہت زیادہ انعام و وظائف ملتے رہے۔ اور وہ ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد
انگریزی زبان میں قابلیت رکھنے کے باعث چار سال تک انگریزی پڑھاتے رہے۔ وہ
سر الگزینڈر گرانٹ کے ایک منظور نظر شاگرد تھے۔ جو سکاٹلینڈ میں واپس چلے جانے کے
بعد بھی ہمیشہ اپنے طلباء کا خاص خیال رکھتے رہے ہیں اور ان کے فیض کی بدولت مسٹر سیانی
نے ۱۸۷۰ء میں ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔

کاروبار کا آغاز

ایل ایل بی کا امتحان پاس کرنیکے بعد مسٹر سیبنائی کو جج مقرر کیا گیا۔ اور وہ بمبئی یونیورسٹی کے فیلو بھی بنائے گئے۔ اسکے علاوہ وہ سنڈیکیٹ کے سینئر ممبر اور یونیورسٹی کے مختلف امتحانات کے ممتحن بھی رہے۔ مسٹر ٹیلانگ جج ہائیکورٹ بمبئی کے آخری ایام میں جو یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ وہ سنڈیکیٹ اور سینیٹ کے اجلاس کے صدر بھی بنائے جاتے تھے۔ اس وقت سنڈیکیٹ میں ہائیکورٹ کے تین جج شامل تھے۔ اور یقین کیا جاتا تھا کہ مسٹر سیبنائی بھی کسی روز یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے جائینگے۔ ۱۸۷۸ء میں مسٹر سیبنائی نے سالسٹر کا امتحان پاس کیا۔ اور اس وقت سے ان کا پیشہ وکالت شروع ہوا۔ وہ مسٹر بدرالدین طیب جی کے بڑے بھائی مسٹر قمرالدین طیب جی کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور انکی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہو گیا۔ مسٹر قمرالدین کی وفات کے بعد وہ ایک اور سالسٹر کے ساتھ مل گئے۔ انکی کاروباری قابلیت کا ثبوت صرف اسی بات سے ہی بخوبی ملتا ہے کہ وہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے علاوہ دیگر تجارتی کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائرکٹرز میں بھی شامل رہے۔ اور اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے بجا لاتے رہتے۔

میونسپل کمیٹی بمبئی میں مسٹر سیبنائی کا انتخاب

۱۸۷۲ء میں مسٹر سیبنائی کو میونسپل کمیٹی بمبئی کی ممبری کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور ۱۹۰۲ء تک اس کے ایک سرگروہ مسلمان ممبر بنے رہے۔ وہ کئی سال تک شہر بمبئی کی ٹاؤن کونسل کے ممبر بھی رہے۔ اور اپنی سرگرمی کی بدولت وہ ہمیشہ ہر دلعزیز رہے چنانچہ انکی خدمات کے اعتراف میں ان کو ۱۸۸۸ء میں کمیٹی کا صدر بھی منتخب کیا گیا۔ ۱۸۹۱ء [illegible] میں بھی وہ اس خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے۔ کہ تمام یورپین اور ہندوستانی

ممبران کی عزت کیا کرتے تھے سنہ ۱۸۶۲ء میں اس قانون کی ترمیم کی ضرورت پڑی۔ جو قوجوں پر عائد کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خوجوں کے بعض فیصلہ جات دھرم شاستر اور بعض فیصلہ جات شریعت کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ اور اس سے اکثر بدنظمی پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس قانون کی ترمیم کیلئے ایک کمیشن بنائی گئی۔ جس میں جسٹس ملول۔ جج بینیرا اور مسٹر سیناٹی کو شامل کیا گیا۔ ان کی قابل تعریف کارگذاری کے اعتراف میں گورنمنٹ بمبئی نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں گورنمنٹ ہوس میں پرائیویٹ باریابی کا اعزاز تفویض کیا گیا۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں مسٹر سیناٹی کو شہر بمبئی کا شریف بنایا گیا۔ اور صوبہ بمبئی کے لوگوں نے تہنیت کے کئی ایڈریس انکی خدمت میں پیش کئے۔ چنانچہ اس واقعہ کی یاد میں خوجہ ریڈنگ روم و لائبریری بمبئی کے لئے ایک نہایت نفیس تصویر پیش کی گئی۔ کیونکہ مسٹر سیناٹی کو خوجہ آبادی کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کا پیشرو مانا جاتا ہے۔ اور خوجہ لائبریری بھی مسٹر سیناٹی کی کوشش سے قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ مسٹر سیناٹی اس کتب خانہ کی انتظامی کمیٹی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ مسٹر سیناٹی کی تقلید و تحریک سے بمبئی کے خوجوں نے بہت زیادہ ترقی کی ہے اور رفاہ عام کا انتظام جاری رہا ہے ٭

مسٹر سیناٹی بمبئی کی قانونی کونسل میں

مسٹر سیناٹی کو سنہ ۱۸۸۸ء میں صوبہ بمبئی کی قانونی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا۔ اور انہوں نے اس کونسل میں وہ قابلیت دکھائی۔ کہ اگر وہ کبھی ناسازئ طبع کے باعث کونسل کی شمولیت سے قاصر ہوتے تھے۔ تو کونسل کا اجلاس بھی ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں مسٹر سیناٹی کو صوبہ بمبئی کی پولیٹیکل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ احمد آباد کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ ابھی انہوں نے اپنی تقریر ختم نہ کی تھی۔ کہ انجمن اسلام کے سیکرٹری نے کانفرنس کی مخالفت سے بھرا ہوا ایک مراسلہ صاحب صدر کے پاس بھیج دیا

مسٹر سیانی نے یہ خط حاضرین کو پڑھ کر سنائی۔ جس پر لوگوں نے انجمن اسلام سورت سے قطع تعلق
کر کے کانفرنس کے کام میں دلچسپی لینے کا وعدہ کیا۔ مسٹر سیانی نے اپنی صدارتی تقریر میں
اپنی ذاتی قابلیت موقعہ شناسی اور معاملہ فہمی کا بیّن ثبوت دیا۔ اور لوگوں کو کانفرنس
کی حمایت کی زبردست ترغیب دی۔ مسٹر سیانی ہندوؤں اور مسلمانوں میں اسقدر ہر دلعزیز
تھے۔ کہ جب ۱۸۸۸ء میں انہیں قانونی کونسل کی ممبری دی گئی۔ تو ان سب نے ملکر ایک تہنیت نامہ
اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ اور مسٹر سیانی نے اپنی تقریر میں اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے
ان کو تجارتی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ اور معاشرتی اصلاح پر زور دیا۔ اس
کے علاوہ شہر بمبئی کے ہندو سوداگروں نے بھی ایک ایڈریس پیش کیا۔ ۱۸۹۶ء میں
مسٹر سیانی کو نیشنل کانگرس کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا۔ اور
انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں اہل ہندوستان کے اغراض و مقاصد پر وضاحت
سے بحث کرتے ہوئے مسلمانوں سے کانگرس کی شمولیت کے لئے موجہ اور مدلل
درخواست کی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے تعلیمی مصارف کے لئے روپیہ جمع کرنیکی ایک
تجویز پیش کی۔ اور تعلیم کی توسیع کے لئے قانونی کونسل اور گورنمنٹ سے درخواست
کی۔ ۱۸۹۶ء میں سر فیروز شاہ مہتہ سپریم و امپیریل کونسل سے مستعفی ہو گئے۔ اور انکی
جگہ مسٹر سیانی کو اس کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا۔ وہ اس کونسل میں دو سال تک ممبر رہے۔ او
انکے زمانہ میں وبائی بیماریوں کا انسدادی قانون۔ ضابطہ فوجداری اور قانون بغاوت
کے لئے پیش ہوئے۔ مسٹر سیانی نے ان معاملات پر اس وضاحت سے بحث کی۔ کہ
لارڈ ایلجن نے ان کی قابلیت کی خاص طور پر تعریف کی۔ ۹۷-۱۸۹۶ء کے اجلاس کونسل
میں انہوں نے بجٹ پر بھی نہایت مدلل تقریر کی۔ زراعت پیشہ لوگوں کی غربت اور ان
کے افلاس کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے زرعتی بنکوں کی قائمی کی تجویز پیش کی۔ مسٹر سیانی
نے نیشنل کانگرس کے حالات کے متعلق جو کچھ بھی کہا اس سے تاسف مجمل سرگزشت یونس ادیب خیمہ

ولبٹ لینڈ جیسے روشن دماغ اصحاب کو بھی اتفاق رائے ہوا۔ مسٹر سیانی نے اپنی تقریر
میں انسداد قحط پر سرکار کا شکریہ کیا۔ اور سرحدی لڑائیوں اور کرنسی کی پالیسی پر بھی
رائے زنی کی۔ اور گورنمنٹ کو لوگوں کی معاشرتی اصلاح اور ملکی بہبودی کی طرف توجہ دلائی۔

مسٹر سیانی کا اثر و اقتدار

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ آج سے پچاس سال پہلے بمبئی کی خوجہ آبادی زیادہ تر
ان پڑھ تھی۔ مگر گذشتہ بیس پچیس سال کے اندر حالات میں عظیم الشان تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ اور
آج خوجہ لوگ تعلیم الوالعزمی کے لحاظ سے کافی ترقی کر چکے ہیں۔ مغربی دستور کے مطابق
خوجوں نے سکول اور رفاہ عام کی دیگر عمارتیں قائم کر دی ہیں۔ اور تعلیم نسواں کا بھی خاص
بندوبست ہو گیا ہے۔ خوجہ لوگ مغربی تعلیم اور سائنس سے نفور تھے۔ مگر مسٹر سیانی
کی پے در پے کوشش و ترغیب سے خوجہ لوگ آخرکار تعلیم و تہذیب کے اس قدر دلدادہ
ہو گئے ہیں۔ کہ انسان انکی ترقی کو دیکھ کر متحیر ہو جاتا ہے۔

خوجوں نے کئی یتیم خانہ اور سکول کھول رکھے ہیں۔ اور لاوارث و غریب
طلبا کی تعلیم کا ان میں نہایت سہولت سے بندوبست کر دیا گیا ہے۔ خوجہ
برادری کے علاوہ مسٹر سیانی نے دیگر مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لئے بھی
کئی سکول کئی دار الاقامت اور کئی جماعت خانے قائم کئے ہیں۔ صوبہ بمبئی کی
انجمن اسلام سے ان کا ہمیشہ تعلق رہا ہے۔ اور وہ کئی سال تک اس
انجمن کے آنریری سکرٹری اور وائس پریذیڈنٹ بھی رہے ہیں۔ مسٹر سیانی کی
قانونی قابلیت بھی شہرۂ آفاق تھی۔ چنانچہ پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی نے
ان کی قانونی رائے کی نسبت جو اظہار اپنے فیصلہ میں کیا ہے۔ اس سے
مسٹر سیانی کی قابلیت کا کافی سے زیادہ ثبوت ملتا ہے۔ مسٹر سیانی پہلے نیشن

نیک انسان تھے۔ مگر انکے خیالات میں عصر جدید کا نمایاں رنگ پایا جاتا تھا۔ وہ ایک
سادہ مزاج اور اعلےٰ خیال کے مالک تھے۔ اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگ
ان کی بہت زیادہ عزت کیا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ وہ خیرات کے خوگر بھی تھے۔
اور عزت و ناموس کا انہیں ہمیشہ پاس رہتا تھا۔ وہ اپنے صوبہ میں اس قدر ہر دلعزیز
تھے۔ کہ جب ۴۔ جون ۱۹۰۲ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ تو تمام خوجہ آبادی نے
ان کا ماتم کیا۔ اور لوگوں نے اظہار ماتم کے لیئے جلسہ کرکے ان کے
پس ماندگان سے اظہار ہمدردی کیا۔ ملک کے ہر گوشہ سے لوگوں نے ان
کے خاندان کو ہمدردی و افسوس کے خطوط بھیجے۔ اور یورپین اصحاب
نے بھی اظہار ملال کیا ٭

لارڈ ایس پی سنہا

تمہید

لارڈ سنہا کو شہنشاہِ معظم جارج خامس کے عہدِ حکومت میں اپنے معاصرین پر وہی سبقت و فوقیت حاصل ہے جو راجہ ٹوڈر مل انجہانی کو شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں حاصل تھی کیونکہ گورنمنٹ عالیہ نے اُن کو سب سے اعلےٰ و بالا مرتبہ عطا کر کے نائب وزیر ہند مقرر کیا ہے لہذا آجکل لارڈ سنہا کے ذمہ وہ کام ہے جسکی تکمیل کے لئے ہمت و جرأت۔ دانش و قابلیت اور حوصلہ و استقلال کی ضرورت ہے۔ اور ناظرین یہ بات پڑھ کر بہت مطمئن ہونگے۔ کہ وہ اس کا ثبوت بین پہلے بھی دے چکے ہیں۔ چنانچہ پہلے جب لارڈ سنہا کو حضور وائسرائے ہند کی انتظامی کونسل کا ممبر بنایا گیا تھا۔ تو انہوں نے اس عہدہ پر کام ایسا تسلی بخش کیا تھا۔ کہ حکام و عوام دونوں انکی قابلیت کے معترف تھے لارڈ سنہا پہلے ہندوستانی ہیں جن کو بنگال کا ایڈووکیٹ جنرل اور شاہی کانفرنس اور جنگی وزارت کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔ وہ انڈین نیشنل کانگرس کے صدر رہ چکے ہیں اور ان کے خیالات ہمیشہ حق و انصاف۔ استدلال و اعتدال اور حب الوطنی پر مبنی ہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ حکام و عوام میں یکساں ہر دلعزیز مانے جاتے ہیں۔

پیدائش و طفولیت

لارڈ سنہا کا مولد رائے پور ہے جو ضلع بیر بھوم میں واقع ہے۔ ان کا خاندان عرصہ سے معزز و ممتاز مانا جاتا ہے اور بنگال بھر میں ان کے خاندان کی شاخیں آباد

ہیں۔ ان کے آبا و اجداد صاحب حیثیت زمیندار گزرے ہیں اور اٹھارھویں صدی کے آخر میں سیم روپ گڑھ کے راجا چتر سین کو ان پر اعتماد کامل تھا۔ لارڈ سنہا کے والد مسٹر سیتی کنٹھ سنہا ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت منصف اور صدر امین رہے ہیں۔ مسٹر سنہا اپنے چار بھائیوں میں سے سب سے چھوٹے ہیں۔ وہ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ مگر بدقسمتی سے ۱۸۶۵ء میں ہی ان کے سر سے ان کے والد ماجد کا ظل ہمایوں جاتا رہا۔ ان کا سب سے بڑا بھائی بیر بھوم میں سرکاری وکیل تھا۔ دوسرا بھائی زمین وغیرہ کا انتظام کیا کرتا تھا۔ اور تیسرا بھائی میجر ایس پی سنہا انڈین میڈیکل سروس میں میجر تھے۔ مسٹر سنہا کو بیر بھوم کے گورنمنٹ سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ وہ بالکل خاموش طبع اور سکون پسند طالب علم تھے۔ اور ہمیشہ اپنی کتابوں کے مطالعہ میں سرگرمی سے مصروف رہتے تھے۔

۱۸۷۷ء میں وہ انٹرینس کا امتحان پاس کر کے کلکتہ کے پریذیڈنسی کالج میں داخل ہو گئے۔ جہاں سے انہوں نے ایف۔ اے کا امتحان ۱۸۷۹ء میں پاس کیا۔ ۱۸۸۰ء میں ان کی ایک زمیندار کی اکلوتی لڑکی سے شادی ہو گئی۔ ان کے والد ماجد نے ارکن اینڈ کمپنی کے پاس دس ہزار روپے کی رقم بطور امانت جمع کر رکھی تھی۔ اور جب مسٹر ایس پی سنہا سن رشد و تمیز کو پہنچے یہ رقم انکو دی گئی۔ اس وقت مسٹر ایس پی سنہا میڈیکل کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ چنانچہ اس رقم کے ملتے ہی ۱۸۸۱ء میں ولایت جا کر قانونی کالج میں داخل ہو گئے۔ جہاں سے انہوں نے رومی قانون خاص قابلیت دکھائی۔ اور ڈاکٹر ہنٹر نے انکی قابلیت کا اعتراف کیا۔ مسٹر سنہا ولایت کے علمی حلقہ میں رہنے سہنے لگے۔ اور ان کا تعارف وائس کونٹ برائس جیسے قابل اصحاب سے ہو گیا۔ رومی قانون اصول قانون۔ آئینی قانون اور بین الاقوامی قانون میں اچھے نمبر حاصل کرنے کی بدولت انہیں چار سال کے لئے پچاس پونڈ سالانہ کی رقم بطور وظیفہ مل گئی۔ اسکے علاوہ انہیں اور کئی وظائف اور انعام ملتے رہے۔ اور قانونی کالج کی

طرف سے بھی انہیں سو پونڈ کی رقم بطور وظیفہ مل گئی جو قانون کے طلباء کو تین سال تک ملتا
ہے۔ ۱۸۹۳ء میں انہوں نے بیرسٹری کی سند حاصل کر لی۔ اور وہ دیگر یورپین ممالک
میں وسیع دورہ کرنے کے بعد غیر ممالک کی مختلف زبانیں سیکھ کر ہندوستان میں
واپس آ گئے۔

آغاز وکالت

جب مسٹر سنہا کی عمر تیئیس ۲۳ سال تھی انہوں نے کلکتہ کی عدالت میں وکالت کا کام
شروع کیا۔ اور تقریباً آٹھ سال کی مشق کے بعد انہیں اپنے فن میں کامیابی ہوئی۔ وکلا کا پیشہ
زمانہ وکالت نئے آدمیوں کے لئے نہایت صبر آزما ہوتا ہے۔ عمر رسیدہ وکیل لاپروائی
دکھاتے ہیں۔ اور دہقانی موکل نو عمر وکلاء کو قابل نہیں سمجھتے۔ لیکن جو نوجوان نہایت
تن دہی سے کام کرتے ہیں۔ وہ آخر کار کامیاب ہو کر رہتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر سنہا نے
اپنے آغاز وکالت میں اس صبر و حوصلہ سے کام کیا۔ کہ ۱۸۹۴ء میں ان کی شہرت بحیثیت
وکیل صوبہ بنگال میں قائم ہو گئی۔ اور اگلے پانچ سال کے اندر وہ اس صوبہ کے سرکردہ
وکیل مانے گئے۔ مسٹر سنہا ایک محنتی اور لائق وکیل تھے وہ قانونی ضوابط سے بخوبی واقف
تھے۔ اصول قانون کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ مقدمات کی اصلیت کو فوراً تاڑ
جاتے تھے۔ چنانچہ ان کی اس قابلیت کے باعث اہم مقدمات انہیں کے پاس آتے
تھے۔ گورنمنٹ بنگال نے ۱۹۰۳ء میں انہیں سرکاری وکیل مقرر کر دیا۔ اور ۱۹۰۶ء میں وہ ایڈووکیٹ
جنرل بنائے گئے۔ اور ۱۹۰۸ء میں انہیں اس عہدے پر مستقل کر دیا گیا۔ اس
وقت وہ قانون پیشہ طبقہ کے مسلم لیڈر مانے گئے اور کلکتہ کی ہندوستانی یورپین
سوسائٹی میں ان کی ممتاز حیثیت بن گئی ۔

ہندوستانی سیاسیات کے متعلق لارڈ سنہا کے خیالات

لارڈ سنہا نے اپنے پیشۂ وکالت کو اس سرگرمی سے شروع کر رکھا تھا۔ کہ وہ ہندوستان کے سیاسی امور کی طرف بہت کم توجہ دیا کرتے تھے۔ اور واقعی ہندوستان میں ایسے آدمی بہت ہی کم ہونگے جنھوں نے قانون و سیاست میں ایک ہی میعاد کے اندر شہرت حاصل کر لی ہو۔ مگر مسٹر سنہا زمانہ کے واقعات کو بنظر غور دیکھتے تھے۔ اور اپنے دل و دماغ میں ان واقعات کے اثرات کو منقش کر لیا کرتے تھے۔ وہ عملی زندگی کو پسند کرتے اور موجد اور موضح رائے ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور اگرچہ وہ سیاسی امور سے زیادہ علیحدہ رہتے تھے۔ مگر وہ حب الوطنی کو جواب نہیں دے چکے تھے۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں جب انکی عمر ۳۳ سال تھی۔ وہ کانگرس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں شامل ہوئے۔ اور انہوں نے اس اجلاس میں یہ رزولیوشن پیش کیا کہ آئندہ ہندوستان کے کسی راجہ یا رئیس کو بدانتظامی کی بناء پر اس وقت تک ریاست کے حقوق سے محروم نہ کیا جائے جب تک اس کے خلاف تسلی بخش شہادت نہ مل جائے۔ چنانچہ اس رزولیوشن کو قانون اصلاحات میں قلمبند کر دیا گیا ہے اور لکھا گیا ہے کہ اگر کسی رئیس یا راجا کی بدنظمی کے خلاف شکایت ہو تو معاملات کی تحقیقات کے لئے ایک خاص کمیشن مرتب کیا جائے۔ جس میں ہائیکورٹ کے ایک جج کے علاوہ دو ہندوستانی رؤسا اور دو اور سرکردہ اصحاب شامل ہوں۔ کانگرس کی شمولیت کے بعد مسٹر سنہا ہندوستان کی بیچینی تقسیم بنگال صنعتی تنزل اور رعایا کی غربت کے متعلق اکثر اوقات خیالات ظاہر کرتے رہے۔ اور انہوں نے بھی سیلف گورنمنٹ کے مطالبہ میں اپنے دیگر ابنائے وطن کی حمایت کی مسٹر سنہا صنعتی ترقی پر ہمیشہ زور دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء تک ہندوستان بیچینی کے آغوش میں رہا ہے۔ اور جب ہندوستانیوں کی شکایات کی سماعت ہوئی تو ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی کے اس عہدے کو پورا کرنے کیلئے جو انہوں نے آزادی کے متعلق اپنے اعلان میں

گیا تھا ہندوستانیوں کو انتظامی کونسل میں مقرر ہونے کا مستحق قرار دیا گیا جس سے ہندوستان
کے لوگ بہت خوش ہوئے ۔ اور ان کی تمناؤں کے بر آنیکا وقت آن پہنچا ۔ کانگرس ہمیشہ اس
بات پر زور دیتی رہی تھی اور ۱۸۳۳ء اور ۱۸۵۸ء کے اعلانات میں بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا
ہندوستان کے لوگوں کو ضرور اعلٰے عہدوں پر مقرر کیا جائیگا ۔ چنانچہ اس عہدے کے
لئے اس کشمکش عظیم کے بعد مارچ ۱۹۰۹ء میں لارڈ سنہا کو وائسرائے ہند کی انتظامی کونسل کا
قانونی ممبر مقرر کیا گیا ۔ اور وہ اس کونسل کے پہلے ہندوستانی ممبر ہیں ۔

انتظامی کونسل میں ہندوستانی ممبر کی حیثیت کے متعلق ہمیشہ بحث جاری رہی ہے
لارڈ سنہا نے اپنے زمانہ ممبری میں اس خوش اسلوبی سے کام کیا کہ جب ڈیڑھ سال کے
بعد ۱۹۱۱ء میں وہ پرائیویٹ وجوہات کی بنا پر مستعفی ہوئے تو عام لوگ ان کے مستعفی ہونے
کی خبر سن کر بہت رنجیدہ ہوئے ۔ ان کے یورپین اور ہندوستانی احباب نے بھی اس
پر اظہار افسوس کیا ۔ اور لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے انکی مناسب الفاظ میں تعریف کی ۔
کونسل سے مستعفی ہو کر وہ پھر اپنے قانونی کام میں مصروف ہو گئے ۔ کیونکہ جیسا کہ ناظرین کو
معلوم ہے قانونی کاروبار میں انسان کو آزادی اور روپیہ کے علاوہ عزت و شہرت بھی حاصل
ہو جاتی ہے ۔ مشق قانون شروع کرتے ہی انکو وکلا کے طبقہ میں بہت ہی فوقیت حاصل ہو گئی ۔
جو کہ انہیں ۱۹۰۹ء میں حاصل تھی ۔ چنانچہ عوام و حکام کے درمیان معزز و ممتاز ہونے کی
حالت میں ان کو ۱۹۱۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کے اجلاس منعقدہ بمبئی کا صدر
منتخب کیا گیا ۔ اور اہل بمبئی نے نہایت شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا ۔

کانگرس کی صدارت

کانگرس کے اجلاس میں مسٹر سی ایچ سیتلواڈ نے مسٹر سنہا سے کرسی صدارت پر
رونق افروز ہونے کی درخواست کی ۔ بابو سریندر ناتھ بنیرجی نے اس تحریک کی تائید

کی اور صوبجات کے دیگر ڈیلیگیٹوں نے بھی مسٹر سنیلو دکی تائید مزید کی چنانچہ لارڈ سنہا حاضرین کے اتفاق رائے سے کرسی صدارت پر جلوہ افگن ہوئے۔ اُن ایام میں ہندوستان میں جمہوریت کا عام چرچا تھا۔ اور لوگ سیاسی ترقی اور سیاسی نصب العین کے حصول کے لیے بے قرار تھے۔ چنانچہ سر ایس پی سنہا نے اپنی صدارتی تقریر نہایت موجا اور موضح کی اُنھوں نے اہل ہند کے مطالبات نہایت اخلاص سے پیش کیے۔ اور جو کچھ اُن کے لب سے نکلا استدلال و اعتدال پر مبنی تھا۔ سر ایس پی سنہا کو برطانوی راج پر کامل اعتماد ہے۔ اور وہ برطانیہ کی حق پژوہی اور انصاف پسندی کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ اُنھوں نے اپنی تقریر میں حاکم و محکوم کے درمیان باہمی سمجھوتہ اور باہمی مصالحت پر زور دیا وہ ہمیشہ سیلف گورنمنٹ کے حامی رہے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنی تقریر میں بھی یہی کہا کہ جب ہندوستان کے لوگ بتدریج اسقدر ترقی کرلیں جو یورپین ممالک کے لوگوں نے کی ہے تو وہ حکومت خود اختیاری کے مستحق ہونگے اور سیلف گورنمنٹ کے حصول کا یہی موزون طریقہ ہے کہ ہم اپنے موجودہ مواقع سے بخوبی فائدہ اُٹھا کر محنت و استقلال اور ضبط سے اپنے آپ کو سیلف گورنمنٹ کا مستحق ثابت کردیں۔ اسکے علاوہ اُنھوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ اگر گورنمنٹ برطانیہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اُن کو سیلف گورنمنٹ کی امید دلا کر اس کا اعلان کردیگی۔ تو اِس اعلان سے لوگوں پر بہت مفید اثر ہوگا۔ چنانچہ اگست ۱۹۱۷ء میں اُن کی خواہش کے مطابق گورنمنٹ برطانیہ نے گورنمنٹ ہند کے ساتھ اتفاق رائے کرکے آخر حکومت خود اختیاری کا اعلان کیا جس کا ثمرہ کسی نہ کسی دن اہل ہندوستان کو قانون اصلاحات کی صورت میں مل رہیگا۔ اور کیوں ایسا نہ ہو۔ ہندوستان کے لوگ سیلف گورنمنٹ کے ہر طرح مستحق ثابت ہوئے۔ کیونکہ اُنھوں نے گذشتہ چار سال میں اپنی قابلیت کا بین ثبوت بھی دے دیا ہے +

چنانچہ محاربۂ عظیم میں ہندوستان کے ہر طبقہ کے لوگوں نے گورنمنٹ برطانیہ کی

زور و زور سے امداد کی۔ اور ملک بھر میں وفاداری کی لہر خود بخود پھیل گئی۔ بھارت ماتا کے بہادر سپوتوں نے یوروپین ممالک کے مختلف میدان ہائے جنگ میں بہادری اور شجاعت کی وہ داد دی کہ ہندوستانِ قدیم کے وہ شاندار جنگی کارنامے جن کو ارجن اور بھیم سے منسوب کیا جاتا ہے پھر تازہ ہو گئے۔ اور مغرب کے لوگوں کو ہندوستانیوں کی فوجی قابلیت کا یقین کامل ہو گیا کیونکہ ہندوستان کے لوگوں کو بیرونی حفاظت کا محتاج سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب وہ خیال باطل ہو گیا۔ اور ہندوستانی قائمقاموں کو صلح کانفرنس میں طلب کیا گیا جن میں سے ایک لارڈ سنہا بھی ہیں جنہوں نے اپنے ملک کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہندوستانیوں کی موجودہ قابلیت کا سکہ دیگر ممالک کے نمائندوں پر بٹھا کر اہلِ ہندوستان کو حکومت خوداختیاری کا مستحق قرار دیا جس کی بدولت قانون اصلاحات کی ترویج عمل میں لائی جانے والی ہے ٭

ہندوستان کی صنعت و حرفت پر لارڈ سنہا کے خیالات

لارڈ سنہا ہندوستان کی صنعت و حرفت کی کمی پر ہمیشہ افسوس و تاسف کا اظہار کرتے رہے ہیں چنانچہ انہوں نے کانگریس میں اپنی صدارتی تقریر میں یہ کہا تھا۔ کہ "ہندوستان میں قدرتی وسائل کی افراط ہے مگر باوجود اس بہتات کے بھی وہ دنیا کی مہذب اقوام کے مقابلہ میں بالکل نادار ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ باہر سے آنے والا مال ملک میں بکثرت لایا جاتا ہے اور ہندوستان میں تیار کردہ مال فروخت نہیں ہو سکتا۔ جس کے باعث ہندوستان کی صنعتی حالت دیگر اقوام عالم کے سامنے بالکل ہیچ ہے۔" اس کمی کو دور کرنیکے لیئے انہوں نے کہا کہ ہندوستان کی مصنوعات کی حفاظت کی جائے اور باہر سے مال بالکل کم مقدار میں لایا جائے۔ تاکہ ہندوستان کی صنعت و حرفت کو فروغ و ترقی حاصل ہو شاہی جنگی کانفرنس اور لنڈن کے ایوان تجارت میں بھی انہوں نے ہندوستانی روئی کے

علق تقریر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ سلطنت برطانیہ کے دیگر حصوں کو ہندوستان سے محض خودغرضانہ فائدہ ہی حاصل نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ ہندوستان کی بہبودی کا خیال بھی مدنظر رکھا جائے۔ جولائی ۱۹۱۸ء میں اُنہوں نے ہندوستان کی جنگی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ ہندوستان کے وطن پرست سپوتوں نے سلطنت برطانیہ کی شاندار خدمات کی ہیں۔ لیکن اگر ہندوستان کا میدانِ مصنوعات میں بھی دوسرے ممالک کے برابر ہوتا تو وہ اپنے معدنی اور زرعی وسائل کے باعث جنگی سامان گولی بارود اور توپ و تفنگ کا عظیم الشان ذخیرہ ہوتا۔ اور وہ صرف ان اشیاء سے خود ہی فائدہ حاصل نہ کرتا بلکہ دیگر اقوام دہر بھی اسکی مصنوعات سے فائدہ حاصل کرتیں اور سلطنت برطانیہ کا بوجھ بہت حد تک ہلکا ہو جاتا۔"

ایک اور تقریر میں لارڈ سہنا نے فرمایا کہ ہندوستان صرف آئین کا ہی طالب نہیں ہے بلکہ اہل ہندوستان قناعت اور خوشحالی کے خواہاں ہیں۔ خواہ ہندوستان کی گورنمنٹ کسی قسم کی بھی کیوں نہ ہو۔ اگر اس کی صنعت و حرفت کی حفاظت نہ کی گئی۔ اور اگر اُسے صنعتی ترقی حاصل نہ ہوئی تو وہ ایک نادار ملک شمار کیا جائیگا۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستان کو اپنے قدرتی وسائل سے فائدہ اُٹھانے اور اپنی صنعت و حرفت کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ لاکھوں آدمی عام طور پر اپنی زندگی فاقہ کشی میں بسر کرتے ہیں نصف آبادی کو دن میں پیٹ بھر کھانا میسر نہیں ہوتا۔ اس کا علاج یہی ہے کہ کوئی ایسا آئین اختیار کیا جائے جس کی بدولت ملک میں خوشحالی ہو اور لوگ فارغ البال ہوں

فوج میں ہندوستان کے بہادروں کا خیال

لارڈ سہنا نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو ہندوستان کی صنعت و حرفت کو فروغ دیا جائے۔ دوسرے ہندوستانیوں

کو فوج میں خاص امتیاز حاصل کیا۔ اور تیسرے لوکل سلیف گورنمنٹ کے آئین کو وسیع کیا جائے
چنانچہ فوجی ملازمت کے بارے میں اُنہوں نے کہا کہ ہندوستانیوں کو بلا امتیاز مذہب و
ملت اور رنگ و قوم کے فوج میں بھرتی کیا جائے۔ اور صرف ان کی جسمانی حالت کو
ہی مدنظر رکھا جائے۔ ہندوستان کے تمام لوگوں کو فوج میں اعلےٰ عہدوں کا
مستحق قرار دیا جائے۔ اور صرف تعلیمی اور جسمانی لحاظ ہی کیا جائے ہندوستان
میں فوجی کالج قائم کئے جائیں۔ جہاں ہندوستان کے جوانوں کو فوجی تعلیم دیکر
انہیں اعلےٰ فوجی عہدوں کے قابل بنایا جائے۔ ہر طبقہ کے لوگوں کو بطور والنٹیر
بھرتی ہونے کی اجازت ہو۔ اور قانونِ اسلحہ کی پابندیوں کو دُور کیا جائے۔ تاکہ رعایا
میں فوجی قابلیت قائم رہ سکے۔ کیونکہ اوزار کا استعمال بھی دِل میں جرأت وہمت
کو پیدا کرتا ہے۔ اور جو شخص نہتہ ہوگا اس کے دِل میں جرأت وہمت کہاں ہوگی۔
لوکل سیلف گورنمنٹ میں فراخ دِلی سے کام لیا جائے۔ دیہات میں سیلف گورنمنٹ
کا دستور قائم کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کو سیلف گورنمنٹ کے آئین و رسوم سے واقفیت
حاصل ہو۔ اور وہ سیلف گورنمنٹ کے قابل بن سکیں +

سر ایس پی سنہا بنگال کی انتظامی کونسل میں

۱۹۱۶ء میں سر ایس پی سنہا صوبہ بنگال کے ایڈوکیٹ جنرل مقرر کئے گئے
اور اس کے کچھ دیر بعد انہوں نے صوبہ بنگال کی انتظامی کونسل کی ممبری کو قبول کر لیا۔ گو
بعض لوگ ان کے اس کام سے متعجب ہوئے مگر چونکہ حکّام بالادست نے ان کو یہ عہدہ
پیش کیا۔ اِسلئے انہوں نے شہنشاہِ معظم کی خدمت کو موجبِ عزت جان کر یہ عہدہ
قبول کر لیا۔ اور خوشی کی بات ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی
سے سرانجام دیا +

لارڈ سنہا شاہی جنگی کانفرنس میں

سنہ ۱۹۱۷ء کے آغاز میں گورنمنٹ برطانیہ کو وزیر ہند کی امداد کے لئے شاہی جنگی کونسل میں ایک ہندوستانی نمائندے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور سر ایس پی سنہا کو یہ عہدہ پیش کیا گیا۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں بھی وہ شاہی کانفرنس میں کام کرتے رہے۔ اور مسٹر چیمبرلین جیسے مدبروں نے بھی انکے حسنِ تدبر کی داد دی۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں سر ایس پی سنہا کو "لارڈ" بنایا گیا اور وہ صلح کانفرنس میں ہندوستانی قائمقام کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ کانفرنس کا کام ختم ہونے کے بعد وہ نائب وزیر ہند بنائے گئے۔ اور ولایت میں وہ اسی عہدہ پر ممتاز رہ کر حال میں ہی تشریف لائے ہیں۔ انکی قابلیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کے حسنِ تدبر کی بدولت ہندوستانی قائمقام آئندہ بھی ہر قسم کی کانفرنس میں شامل ہوا کرینگے۔ انہوں نے ہندوستانی اصلاحات کے لئے مفید کام کیا ہے۔ اور ہندوستان کی موجودہ حالت اور مستقبل کی نسبت جو تقریریں انہوں نے ولایت کے دار السرور سا میں کی ہیں۔ ان سے لارڈ سنہا کی حب الوطنی اور قوم پرستی بخوبی آشکارا ہوتی ہے۔ انہوں نے صلح کانفرنس میں ہندوستانی دل و دماغ کا ثبوت دیا ہے اور پارلیمنٹ میں وہ تدبر دکھلایا ہے۔ کہ ولایت کے تمام لوگ انکی قابلیت کے مداح و ثنا خواں ہیں۔ اور حکام کے طبقہ میں بھی ان کی اعلے خدمات کا اس درجہ اعتراف ہو چکا ہے کہ کبھی وہ ہندوستان کے کسی صوبہ کے لفٹنٹ گورنر یا گورنر بھی بنائے جائینگے۔ اور بھارت ماتا اپنی ہمسایہ قوموں کو اپنے سپوتوں کی قابلیت کی مثال فخر و ناز کے ساتھ پیش کر سکیگی +

سر جگدیش چندر بوس

تمہید

سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی ہندوستان کے علم و ہنر کی بے قدری بھی شروع ہوگئی۔ اور علماء و شعراء دربار شاہی کو چھوڑ کر اپنے کنج خلوت میں جا بیٹھے۔ مگر انیسویں صدی کے وسط میں ہمارے ملک کے علوم کی پھر ترویج شروع ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے لوگوں کو علوم شرقیہ میں تو کیا علوم غربیہ میں بھی اسقدر دسترس ہوگئی۔ کہ اسی صدی کے آخری حصہ میں ہمارے ملک کے اندر مسٹر جینر جی جیسے فاضل سر ٹیگور جیسے شاعر اور سر پی سی رے۔ مولانا حبیب الرحمن اور سر جگدیش چندر بوس جیسے سائنس دان پیدا ہوگئے۔ جن کے علم و فضل کی شہرت اور دل و دماغ کی جدت نے اہل فرنگستان سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔ اور جن کی قابلیت اور قوت ایجاد کو اہل مغرب نے بھی تسلیم کیا۔

پیدائش و طفولیت

سر جگدیش چندر بوس ضلع ڈھاکہ کے اندر موضع بکرم پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان عرصے سے معزز و ممتاز چلا آتا ہے۔ اور انکے متعلقین تحصیل و تعلیم کے ہمیشہ شائق رہے ہیں۔ سر جگدیش چندر کے والد ماجد بابو بھگوان چندر بوس فرید پور کے سب ڈویژنل افسر تھے۔ اور انہوں نے اپنے ہونہار فرزند ارجمند میں وہ قوت ایجاد کے آثار کو دیکھ کر انکی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا۔ جب جگدیش اپنے عالم طفلی

ہیں تھے اُس وقت جدید طریقہ تعلیم کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا۔ اور لوگ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے اکثر پاٹھ شالوں میں ہی بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ سر جگدیش کے والد مرحوم نے اپنے اہل وطن کی تقلید میں سر جگدیش کو ایک پاٹھ شالہ میں بھیجدیا اور وہ عام لوگوں کے بچوں کے ساتھ ابتدائی تعلیم پاتے رہے جس شخص کو سر جگدیش کی خدمت کے لئے مقرر کیا۔ وہ ایک قانون شکن ڈاکو تھا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ضلع فرید پور میں ہمیشہ رہزن اور ڈاکو بہت زیادہ تعداد میں رہتے تھے۔ اور جب بابو بھگوان چندر بوس اس ضلع میں سب ڈویژنل افسر تھے۔ اُنہوں نے اس ڈاکو کو تن تنہا گرفتار کر لیا۔ اور اس ڈاکو کو طویل قید کی سزا دیگئی۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ جب یہ ڈاکو جیل سے رہا کیا گیا۔ تو وہ بابو بھگوان چندر کے پاس ہی ملازمت کے لئے آگیا۔ چنانچہ بابو جی موصوف نے اس ڈاکو کو ملازم رکھا کر جگدیش کی خدمت کے لئے مقرر کر دیا چنانچہ سر جگدیش بابت خود تحریر کرتے ہیں۔

ناظرین یہ بات پڑھ کر بہت محظوظ ہونگے۔ کہ اس وقت سر جگدیش کی عمر چار برس تھی۔ اور یہ ڈاکو ان کو اپنے کندھے پر اُٹھا کر پاس کے گاؤں میں سکول چھوڑنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ اور اس ننھی امانت کی نہایت احتیاط کرتا تھا۔ اگرچہ وہ رہزنی کو ترک کر چکا تھا۔ مگر پرانے افسانوں کی یاد اس کے دل میں ابھی تک باقی تھی۔ چنانچہ وہ سر جگدیش کو اپنے زمانۂ رہزنی کی داستانیں سُنا سُنا کر بہت خوش کیا کرتا تھا۔

سر جگدیش کیمبرج یونیورسٹی میں

مسٹر بوس اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم کا ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے۔ اور جب سر جگدیش نے سنٹ زیویر کالج کلکتہ سے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا۔ وہ انڈین

کیونکہ اُن کو عزت و عظمت حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ جب اُنہوں نے اپنے والد سے
اِس تمنا کو ظاہر کیا تو مسٹر بوس نے انکو ولایت میں بھیجنے کے لئے نارضامندی
ظاہر کی۔ اور بجائے حاکم ہوتے کے اُنہوں نے اپنے بیٹے کو عالم و فاضل بنانا
زیادہ مناسب سمجھا۔ مگر سر جگدیش ولایت میں سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کے بہت
متمنی تھے۔ چنانچہ آخر وہ اپنے والد کو رضامند کرکے ولایت میں جا کیمبرج کے
کرائسٹ کالج میں داخل ہو گئے۔ اور اُنہوں نے اِس یونیورسٹی سے ۱۸۸۴ء میں
بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ دوسرے سال اُنہوں نے لنڈن یونیورسٹی سے
"بی۔ ایس سی" کی سند حاصل کرلی۔ ولایت میں تعلیم پانے کے بعد وہ کلکتہ میں
واپس آ گئے۔ اور اُنہوں نے سائنس کے رموز کی دریافت کے لئے سرگرمی سے
کام شروع کر دیا +

رموز سائنس کا انکشاف

اگرچہ ولایت سے واپس آکر ڈاکٹر بوس کو پریسیڈنسی کالج کلکتہ کا پروفیسر
بنایا گیا۔ مگر تحقیق و تدقیق کے لئے انہیں کافی فرصت و فراغت نہ مل سکی۔ کیونکہ
اس وقت کلکتہ میں کوئی مکمل تجربہ گاہ نہ تھی اور انہیں اپنے گھر میں ہی سب تجربات
کرنے پڑتے تھے۔ آخر ان کی کوشش و ہمت کی بدولت دس سال کے بعد پریسیڈنسی
کالج میں ایک مکمل تجربہ گاہ بنائی گئی۔ ۱۸۹۵ء میں اُنہوں نے سائنس کے متعلق
مضامین کا سلسلہ لکھنا شروع کیا۔ اور سب سے پہلا مضمون اُنہوں نے برقی رو کے
متعلق لکھا۔ جو مئی ۱۸۹۵ء میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے رسالہ میں شائع
ہوا۔ سلسلہ مضامین کی اشاعت سے رائل سوسائٹی نے اُنکی محققانہ قابلیت کا
اعتراف کرکے اپنے رسالہ میں انکے مضامین کو شائع کرنا شروع کیا۔ جو ایک

ہندوستانی کے لئے واقعی موجب فخر ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ سوسائٹی نے مالی طور پر بھی انکی امداد کی۔ رائل سوسائٹی کے اس عطیہ کے بعد گورنمنٹ بنگال نے بھی انکی حوصلہ افزائی کے لئے بعض سہولتیں پیدا کردیں۔ ڈاکٹر بوس پہلے سے ہی محققانہ طبیعت کے مالک تھے۔ اور رائل سوسائٹی اور گورنمنٹ بنگال کی قدر افزائی سے انہوں نے علمی تحقیق زیادہ محنت سے شروع کردی۔ وہ نہایت صبر آزما طریق پر محنت کرتے رہے اور آخرکار ۱۸۹۶ء میں انہوں نے اپنی علمی تحقیق کے نتائج سے رائل سوسائٹی کو مطلع کیا اور انکے حیرت انگیز تجربات سے مذکورہ سوسائٹی نے معقول طریق پر ان کی قدر افزائی کی۔ اسکے بعد لنڈن یونیورسٹی نے بھی انکی قابلیت کے اعتراف میں ان کو "ڈی ایس سی" کی ڈگری عطا کی۔

بے تار کا تار اور انکشاف سائنس کے متعلق تقریریں

اسکے بعد ڈاکٹر بوس نے اپنی توجہ بے تار کے تار کی طرف کی۔ اور اس وقت بولونا یونیورسٹی کے پروفیسر مارکونی کے علاوہ ایک امریکن سائنس دان بھی اس ایجاد میں مصروف تھا۔ اور ڈاکٹر بوس ان سب میں سے پہلے کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے گورنر جنرل کی موجودگی میں کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں ۱۸۹۵ء میں اسکے متعلق چند تجربات بھی دکھائے۔ اور رائل انسٹی ٹیوشن میں انہوں نے اپنی تحقیق و دریافت کے متعلق تین بار لیکچر بھی دیئے۔ ۱۸۹۷ء میں انہوں نے رائل سوسائٹی کے روبرو بھی برقی رو کے متعلق ایک مبسوط تقریر کی۔ اور اسکے چار سال بعد انہوں نے نباتات کے جاندار ہونے کے متعلق بھی تقریریں کیں۔ ۱۹۰۳ء میں انہیں کمپینین سٹار آف انڈیا کا خطاب دیا گیا۔ ۱۹۰۰ء میں پیرس کی علمی کانگریس میں گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ بنگال کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ لارڈ منٹو نے ان کو ہندوستان کی علمی دنیا

کا تقا انتقام بناکر پیرس میں بھیجا۔ اور انہوں نے پیرس میں اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ اسکے کچھ عرصہ بعد انہیں اپنی تازہ معلومات کے متعلق تقریر کرنے کے لیئے پیرس میں مدعو کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلی تقریر ڈی فزیک کی سوسائٹی کے روبرو۔ دوسری تقریر سیباؤسورن میں۔ اور تیسری تقریر زولجوکیو کی سوسائٹی کے سامنے کی اور انکی قابلیت کے اعتراف میں انہیں آخر الذکر سوسائٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔

دنیا کے شہروں میں ڈاکٹر بوس کا دورہ

آکسفورڈ یونیورسٹی نے انہیں لیکچر دینے کے لیئے بلایا چنانچہ آکسفورڈ میں انہوں نے نہایت سربرآوردہ سائنس دان اصحاب کے روبرو پہلا لیکچر ۸ مئی میں دیا۔ اور یہ سائنس دان انکے تجربات کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ڈاکٹر بوس کو بھی ان تجربات میں طرفہ کامیابی ہوئی۔ اور سامعین بھی انکے مداح ہو گئے۔ جون میں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچر دیا۔ اور صدر جلسہ پروفیسر سیورڈ اور سر فرانسس ڈارون نے انکی خاص تعریف کی۔ نباتات میں جان ہونے کی انکی علمی تحقیق سے کیمبرج میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اور کیمبرج کے پروفیسروں پر انکی روشنی طبع کا خاص اثر پڑا۔ مسٹر بلفور بھی ڈاکٹر بوس کی تجربہ گاہ کے معائنہ کے لیئے تشریف لائے۔ ۲۔ جون کو ڈاکٹر بوس نے سائنس کے متعلق ایک لیکچر وائسنا میں کیا۔ آسٹروی پروفیسر ولسنک نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس علمی تحقیق کے عوض یورپ کو ہندوستان کا اور ڈاکٹر بوس کا خاص کر ممنون ہونا چاہیئے۔ اور بعض پروفیسروں نے ڈاکٹر بوس کی شاگردی کی خواہش بھی ظاہر کی تاکہ وہ کلکتہ میں آکر ڈاکٹر بوس کی تجربہ گاہ میں تحقیق کے قواعد سیکھ سکیں۔ ڈاکٹر بوس امریکہ میں بھی تشریف لیگئے۔ اور وہیں سے کیلیفورنیا تک ہر جگہ ان کو تقریر کے لیئے مدعو کیا گیا۔ نیو یارک کی علمی اکاڈمی کے علاوہ

ہارورڈ یونیورسٹی۔ کولمبیا یونیورسٹی اور شکاگو کی یونیورسٹی کے پروفیسروں اور طلباء ان کی تقریروں سے بہت محظوظ ہوئے۔ ڈاکٹر بوس کو گورنمنٹ ہند نے چار مرتبہ سائنس کی معلومات کے انکشاف کے لئے مغرب میں بھیجا۔ اور وائنا۔ پیرس۔ آکسفورڈ۔ کیمبرج۔ لنڈن۔ ہارورڈ۔ واشنگٹن۔ شکاگو۔ کولمبیا اور ٹوکیو کے علاوہ دنیا بھر کے مشہور شہروں میں ڈاکٹر بوس نے عظیم الشان شہرت و عزت حاصل کی ۔

ہندوستان میں ڈاکٹر بوس کی عزت

مثل مشہور ہے کہ پیر و پیغمبر کی اپنے علاقہ میں قدر نہیں ہوتی۔ مگر ڈاکٹر بوس کو ہندوستان میں بے نظیر عزت و توقیر حاصل ہوئی ہے۔ کلکتہ کی یونیورسٹی نے ان کی قابلیت کے اعتراف میں انہیں ڈی ایس سی کی ڈگری پیش کی۔ پنجاب یونیورسٹی نے انکو ۱۹۱۳ء میں لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ پنجاب لاہور میں طلباء کے سامنے لیکچر دینے کے لئے ایک بنگالی پروفیسر کو مدعو کیا گیا۔ اور ڈاکٹر پی۔ سی۔ رے بھی یہاں ڈاکٹر بوس کے بعد تشریف لائے۔ پنجاب یونیورسٹی نے انہیں ایک ہزار دو سو روپے کی رقم پیش کی۔ مگر انہوں نے اپنی طبعی فیاضی سے یہ رقم سائنس میں تحقیق کرنے والے طلباء کو ماہوار وظیفہ دینے کے لئے شکریہ سے واپس کر دی۔ ڈاکٹر بوس نے اپنے لیکچر کو شروع کرتے ہوئے پنجاب کے شاندار ماضی کا ذکر کیا۔ جب مہاتما بدھ کا طبیب جیوکا بنگال سے تحصیل علم کے لئے ٹیکسلا کی یونیورسٹی میں پہنچا تھا۔ اور کہا کہ مشرق و مغرب کے اتفاق کا وقت آگیا ہے۔ اور مشرقی اور مغربی تہذیب کے اتحاد سے دنیا کا ایک شاندار مستقبل پیدا ہوگا۔ ہندوستان کی علمی زندگی کا دور فراموشی کے پردے میں مخفی تھا مگر اب اس کی رونمائی کا وقت آپہنچا ہے ۔

حیرت انگیز دریافت

اب ہم اس عظیم الشان دریافت کا ذکر کرینگے جس کی بدولت سر جگدیش چندر بوس
کا نام علمی دنیا میں مشہور و معروف ہوگیا۔ ڈاکٹر بوس نے اپنی لگاتار محنت و تحقیق
سے یہ بات تجربہ سے ثابت کردی ہے کہ حیوانات کی طرح نباتات میں بھی جان ہے
اور درخت بھی قطع و برید کے صدمات کو اس شدت سے محسوس کرتے ہیں جیسی
شدت سے انسان کے جسم پر چوٹ وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔ اگرچہ ڈاکٹر بوس سے
پہلے جرمن پروفیسر پے فیفر اور ہیبرلینڈٹ نے بھی نباتات کے جاندار ہونے کی
نسبت یہی رائے قائم کی تھی۔ مگر ڈاکٹر بوس نے اس رائے کی تائید میں تجربات پیش
کر دئے ہیں اور انہوں نے درختوں کی قوت احساس کو ایک ایسے آلہ کی مدد سے
دریافت کیا ہے کہ نئی دنیا کے سائنسدان انکے تجربہ کے قائل بھی ہو گئے ہیں۔
ڈاکٹر بوس نے یہ آلات ہندوستانی کاریگروں سے ہی تیار کرائے ہیں۔ اور بیرونی
ممالک میں ہندوستان کے تیار کردہ ان آلات کی مانگ بھی بڑھ گئی ہے۔ ڈاکٹر
بوس کی معلومات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ وہ خصوصیات جن کا لگاؤ پہلے صرف
حیوانات سے ہی سمجھا جاتا تھا۔ نباتات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر ان خصوصیات کو
کوئی محقق بالغ نظر ہی دریافت کرسکتا ہے۔ ڈاکٹر بوس کہتے ہیں کہ مسکرات جو اثر
حیوانات پر پیدا کرتے ہیں۔ وہی اثر ان کا نباتات پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بوس نے
ثابت کر دیا ہے کہ درخت بھی مہذب اقوام کی طرح رات کے بارہ بجے سو جاتے اور
دن کے آٹھ بجے بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور جس طرح حیوانات موت کا شکار ہوتے ہیں ان
اسی طرح نباتات بھی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ رموز سائنس کے متعلق کوئی سائنسدان
[illegible] ہم کہینگے کہ ڈاکٹر بوس کی اس

دریافت کا اثر زراعت کی حالت پر ضرور ہوگا۔ اور ایسی معلومات بھی بہم ہو جائینگی جن کی مدد سے انسان نباتات کے مکمل نشو ونما سے فائدہ اٹھا سکیگا۔ اور ڈاکٹر بوس کا نام چاردانگ عالم میں مشہور ہو جائے گا۔

سرکار کی طرف سے ڈاکٹر بوس کی قدر افزائی

پہلے پہل جب ڈاکٹر بوس نے ایسی حیرت انگیز دریافت کی تشہیر کی۔ تو گورنمنٹ ہند نے ان کی کسی خاص طریق پر حوصلہ افزائی نہ کی۔ مگر جب رائل سوسائٹی نے ڈاکٹر بوس کی قابلیت کا اعتراف کیا تو گورنمنٹ عالیہ نے بھی ان کی قدر افزائی شروع کی۔ چنانچہ وہ سرکاری طور پر سنہ ۱۹۰۰ء میں سائنس کی کانگرس منعقدہ پیرس میں بھیجے گئے سنہ ۱۹۰۳ء میں ڈاکٹر بوس کو "سی۔ آئی۔ ای" کا اعزاز دیا گیا سنہ ۱۹۱۱ء میں انہیں "سی۔ ایس۔ آئی" کا اعزاز ملا جب سنہ ۱۹۱۵ء میں امریکہ سے واپس آئے۔ تو سرکاری طور پر ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور انہیں سر کا خطاب بھی دیا گیا۔ بنگال کے طلباء نے سر پی۔ سی۔ رے کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد کر کے ان کو سر کا خطاب سرحمت ہونے پر انکی خدمت میں تہنیت نامہ پیش کیا۔ سر پی۔ سی۔ رے نے سر بوس کی قابلیت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ سر بوس نے علمی دنیا میں ایک تغیر پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ دنیا کے ایک بے غرض سائنسدان ہیں انہوں نے بے تار کا تار مارکونی سے پہلے ایجاد کیا تھا۔ اور اگر وہ اس ایجاد کے حقوق کو محفوظ کرا لیتے تو وہ کئی لاکھ روپیہ کما سکتے تھے۔ مگر انہوں نے بنی نوع انسان کی بہبود اور علم کی محبت میں اپنے ذاتی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اور وہ ایک سادہ مزاج سائنس دان ہیں۔ سنہ ۱۹۱۶ء کے شروع میں حضور وائسرائے ہند گورنر بنگال سمیت ڈاکٹر بوس کی تجربہ گاہ کے معائنہ کے لئے تشریف لیگئے۔ اور انہوں نے تقریباً دو گھنٹہ اس تجربہ گاہ میں صرف کئے۔

ڈاکٹر بوس کے احسانات

سر جگدیش چندر بوس کو اپنے تجربات کے شروع میں ناکافی سامان کے باعث بہت زیادہ مشکلات پیش آئی تھیں۔ اور وہ ان مشکلات کو دور کرنے کی فکر میں تھے چنانچہ کلکتہ میں انہوں نے نومبر ۱۹۱۶ء میں اپنے نام پر ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کی جو اُن کی ایک زبردست یادگار رہیگی۔ اور وہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی علمی ترقی کا پھر وہی دور شروع ہوگا جس کی شان ٹیکسلا کی یونیورسٹی کے کھنڈرات میں ابھی تک پائی جاتی ہے اور جو ہمارے آباواجداد کی علمیت وقابلیت پر زبان حال سے شہادت دیتی ہے۔ اِس انسٹی ٹیوٹ کی افتتاح باقاعدہ طور پر ہوئی۔ اور انہوں نے افتتاح کے وقت نہایت موزون تقریر کی۔ یہ انسٹی ٹیوٹ سائنس کی ترقی اور علم کی اشاعت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور اِس انسٹی ٹیوٹ میں تحقیق و تدقیق اور محققانہ چھان بین کی جاتی ہے۔ غیر ممالک کے طلباء کو بھی اِس میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔ اور امید ہے کہ یہ شاندار علمی عمارت اپنے معمار کے عین حیات میں ہی کامیابی کا نقشہ پیش کریگی۔ سر بوس صرف ایک سائنس دان ہی نہیں ہیں بلکہ وہ تحقیق و تدقیق کے علاوہ زندگی کے دیگر مشاغل میں بھی مذاق رکھتے ہیں۔ وہ ایک اچھے سپیکر ہیں۔ اور ان میں انسانی ہمدردی پائی جاتی ہے۔ وہ نوجوانوں کے ایک صادق رہنما اور مشفق استاد ہیں۔ وہ اپنے شاگردوں پر شفقت کرتے ہیں اور وہ تعلیم و تدریس کے صحیح نصب العین سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ پینتیس سال تک طلباء کو پڑھاتے رہے ہیں۔ مگر ان کا طلباء کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک رہا ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں ڈاکٹر بوس کو بنگال کی ادبی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ میمن سنگھ کا پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا۔ اور انہوں نے زبان بنگلہ میں اپنی صدارتی تقریر کی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ڈاکٹر بوس نے پبلک سروس کمیشن کے روبرو شہادت

دی۔ اور آجکل بھی ڈاکٹر بوس بعض معلومات اور تجربات کے سلسلہ میں ولایت تشریف لیگئے ہیں۔

ڈاکٹر بوس کی ذاتی صفات

ڈاکٹر بوس بھی دیگر محبان وطن کی طرح ملک پرست اور قوم پرست ہیں اور انہوں نے ہندوستان کے علوم قدیم کی تجدید کر دی ہے۔ عام لوگوں کے نزدیک حب الوطنی کا مفہوم عام طور پر سیاست دانی ہے۔ مگر جو کام بھی اپنے وطن کے لیے کیا جائے۔ وہ حب وطن ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر بوس نے اپنی معلومات کے ذریعہ اہل ہندوستان کی معلومات میں اضافہ کر کے صرف ملک پر ہی نہیں بلکہ بنی نوع انسان پر احسان کیا ہے۔ اور ہندوستانی دماغ کی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ جس طرح نوشیرواں عادل نے کسی زمانہ میں ہندوستان سے کلیلہ دمنہ حاصل کی تھی۔ اسی طرح یورپ کبھی نہ کبھی ہندوستان کی معلومات سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریگا۔ علم کی اشاعت کے لیے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو قائم کر کے انہوں نے ملک و قوم پر احسان کیا ہے۔ اور اس شاندار درسگاہ میں ٹیکسلا اور نلندا کے قدیمی دار العلوم کی دیرینہ عظمت پھر کبھی تازہ ہو جائیگی۔ ڈاکٹر بوس اپنی تقریروں میں بھی حب الوطنی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور سامعین سے ہمیشہ آبائی علم کو حاصل کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بوس سائنسدان ہونے کے علاوہ چہرے سے صوفی مزاج نظر آتے ہیں۔ وہ ایک خوش اخلاق عالم ہیں۔ اور علمی مطالب کے لئے ہمیشہ بیقرار رہتے ہیں۔ امید ہے کہ اگر ان کے علم و فضل کا سرچشمہ کچھ دیر اور جاری رہا تو لاکھوں تشنہ لب ان کے فیضان سے مستفید ہونگے *

سر چیٹر سنکرن نائر

تمہید

عصر حاضر کے سرکردہ ہندوستانی لیڈروں میں سر سنکرن نائر کا نام نامی بھی خاص امتیاز کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ گذشتہ بیس سال سے رفاہ عامہ میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ اور گذشتہ بیس سال سے ان کو ایک قابل وکیل۔ با اثر سوشل ریفارمر۔ فاضل جج۔ اعلےٰ سیاست دان اور معلم ملک مانا جاتا ہے۔ مالابار کی نئی پود میں سے وہ سب سے معزز و ممتاز ہیں۔ اور ہندوستان بھر میں لوگ انکی قدر و عزت کرتے ہیں۔ لارڈ سنہا اور سر علی امام کے بعد سر سنکرن نائر تیسرے ہندوستانی ہیں جنکو وائسرائے کی انتظامی کونسل میں ممبری کا فخر حاصل ہوا ہے۔ ہندوستانی ممبر کو کونسل میں گورنمنٹ کی پالیسی اور لوگوں کی امیدوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ سر سنکرن نائر نے اس معزز عہدے پر ممتاز رہ کر حکام و عوام میں یکساں عزت حاصل کی ہے +

ابتدائی حالات

سر سنکرن نائر ۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء کو مالابار کے علاقہ میں پیدا ہوئے تھے۔ انکے دادا کلکٹر کے دفتر کے سررشتہ دار اور انکے والد تحصیلدار تھے جب انکی عمر ۹ سال کی ہوئی ان کو پہلے انگدی پورم اور بعد میں کلنور کے سکول میں داخل کرایا گیا۔ موخر الذکر سکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر والسن ایک زبردست معلم گذرے ہیں۔ اور انکی سر سنکرن نائر پر نظر شفقت ہوگئی۔ اس سکول میں کچھ دیر رہنے کے بعد سر سنکرن نائر کو کالی کٹ کے ہائی سکول میں

بھیجا گیا۔ جہاں سے انہوں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۷۵ء میں وہ پریذیڈنسی کالج مدراس میں داخل ہو گئے۔ اور ان کا مسٹر ٹامسن اور مسٹر پورٹر سے رسوخ ہو گیا۔ جو اس وقت کالج کے پروفیسر تھے۔ اور ان دونوں یوروپین اصحاب کا اُن پر مفید اثر پڑا۔ سر سنکرن نائر شروع سے ہی ایک محنت شعار طالب علم تھے۔ اور انہوں نے بی۔ اے کا امتحان پاس کر کے ہسٹری اور انگریزی میں انعامات حاصل کئے۔ سر سنکرن نائر تاریخی واقعات مشاہیر عالم کے سوانحات اور اقتصادی معاملات کے مطالعہ کا بہت زیادہ شوق تھا۔ مگر انہوں نے سرکاری ملازمت میں داخل ہونے پر وکالت کو ترجیح دی کیونکہ اس وقت بھی وکیل اور بیرسٹر لوگ ہی اعلےٰ مدارج پر پہنچ سکتے تھے۔ جیسا کہ ہمارے ناظرین "مشاہیر ہند" کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی جان گئے ہونگے۔ کہ اکثر وکالت پیشہ لوگ ہی قومی انجمنوں کی روح رواں رہے ہیں۔ اور یہی لوگ عام طور پر عوام رس کاموں میں ہر دلعزیز بنے ہیں۔ چنانچہ سر سنکرن نائر نے قانونی کالج میں داخل ہو کر [illegible] میں بی۔ ایل کا امتحان پاس کر لیا۔ اور وہ اپنے تمام [illegible] میں اول رہے اور [illegible] میں انہوں نے ہائیکورٹ مدراس میں وکالت کا کام شروع کر دیا۔ تھوڑی [illegible] ملازمت کر کے وہ منصف بن گئے۔ مگر چونکہ انہیں ترقی کی زیادہ امید نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے سرکاری ملازمت سے مستعفی ہو کر وکالت کا کام پھر شروع کر دیا +

مشق وکالت و اخبار نویسی

سر سنکرن نائر آغاز وکالت میں ہی ہونہار معلوم ہوتے تھے۔ اور انہوں نے باوجود نوجوان اور نو آموز وکیل ہونے کے اس قدر نام پیدا کر لیا۔ کہ مانا ہوا [illegible] پیروی کرانے کے لئے ان کے پاس آنے لگے جن کی آمد و رفت [illegible] کے معاملات میں اضافہ [illegible]

اور سر متھو سوامی آئر جیسے اہل دماغ اُن کے ہم مشق تھے۔ اِسلئے سر سنکرن نائر کو نہایت محنت سے کام کرنا پڑا۔ اور وہ لوگوں میں تھوڑے عرصہ میں ہی ہر دلعزیز ہوگئے۔ ججوں سے انکے تعلقات ایسے عمدہ رہے۔ کہ سر متھو سوامی آئر نے سر سنکرن نائر کو ڈسٹرکٹ جج مقرر کرنے کی رائے ظاہر کی۔ اور سر چارلس ٹرنر نے یہ پیشگوئی کی کہ سر سنکرن نائر کبھی نہ کبھی دن ہائیکورٹ کا جج مقرر ہونگے۔ وکالت کے علاوہ سر سنکرن نائر نے "مدراس ریویو" کے نام سے بھی ایک رسالہ نکالا۔ مدراس کے قانونی رسالہ سے بھی ان کا تعلق رہا۔ اس کے علاوہ ان کے مضامین مدراس کے روزانہ اخبارات میں بھی شائع ہوتے رہے اور وہ اپنے مضامین انگریزی اخبارات کو بھی دیتے رہے۔ جن کی بدولت ہندوستانی اور یورپین تعلیم یافتہ طبقہ میں ان کی شہرت قائم ہوگئی +

ملکی و قومی خدمات

سر سنکرن نائر [illegible] بعد ہائیکورٹ کے جج مقرر ہوئے [illegible] دماغ کی گہرائی اور راستی کے قائل ہوگئے۔ وہ ہمیشہ آزاد منشی کو مدنظر رکھتے تھے۔ اور ان کا طرزِ عمل رعایت یا جانبداری سے ہمیشہ مبرا رہتا تھا۔ چنانچہ ان صفات کی بدولت وہ ہائیکورٹ میں مشہور ہوگئے۔ جب وہ ہائیکورٹ میں بیٹھتے تھے [illegible] رعب و داب ٹپکتا تھا۔ اور وہ عدالت میں [illegible] سے بیٹھتے تھے۔ [illegible] کوئی شخص غلط [illegible] پیش نہیں کر سکتا تھا چنانچہ ان کے فیصلوں میں بھی [illegible] قانون [illegible] پائی جاتی ہے +

جب سر سنکرن نائر [illegible] کرتے تھے [illegible] اس زمانہ میں مالابار کے کسانوں کی حالت کی تحقیقاتی کمیٹی [illegible] اسکے بعد ہندوستانی کمیٹی کا سکرٹری بنایا گیا جس کے [illegible] سر متھو سوامی آئر تھے۔ ۱۸۸۹ء [illegible] مدراس یونیورسٹی کے فیلو مقرر کئے گئے اور انہوں نے یونیورسٹی کی [illegible] میں رہ کر [illegible] کیا تھا۔ یہ غالباً اسی کا نتیجہ ہے

گورنمنٹ ہند کی انتظامی کونسل میں انہیں مشیر تعلیم مقرر کیا گیا۔ ۱۸۹۰ء میں وہ صوبہ مدراس کی قانونی کونسل کے غیر سرکاری ممبر مقرر کئے گئے۔ کونسل کی ممبری کے زمانہ میں انہوں نے صوبہ مدراس کی میونسپل کمیٹیوں کے قانون اور مالابار کے علاقہ میں قانون شادی کے پاس کرنے میں بہت امداد کی۔ سرسنکرن نائر کو تعلیمی کمیشن کا ممبر بھی بنایا گیا۔ اور ۱۸۹۶ء میں انہوں نے پبلک سروس کمیشن کے روبرو شہادت بھی دی۔ ۱۸۹۷ء میں سرسنکرن نائر اپنے صوبہ کی پولیٹیکل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ مدراس کے پردھان مقرر کئے گئے۔

سرسنکرن نائر شروع سے آل انڈیا نیشنل کانگرس کے ممبر رہے ہیں۔ چنانچہ انکی قومی خدمات کے صلہ میں انہیں ۱۸۹۷ء میں کانگرس کا صدر بنایا گیا اور انہوں نے اپنی تقریر میں نہایت ہمت و جرأت اور صاف گوئی سے حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر واضح طور پہ بحث کی اس تقریر میں انہوں نے سرکار دولت مدار کے فرائض کے علاوہ رعایا کی تمناؤں کا نقشہ حاضرین کے سامنے پیش کردیا۔ اور یوروپین اور ہندوستانی لوگوں کی تفریق پر انہوں نے اظہار افسوس کیا۔ انہوں نے سیلف گورنمنٹ کے اصول پر روشنی ڈالی اور لوگوں کو مذہبی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ وہ سوشل ریفارم کے ہمیشہ حامی رہے ہیں۔ اور انہوں نے ہندوستان کی غربت و مفلسی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ ہندوستانی یوروپین اور یوروپین اشخاص کو قانون اسلحہ اور فوجی ملازمت کے یکساں حقوق حاصل ہونے چاہئیں اور کسی قسم کا ذاتی امتیاز مانع ترقی نہ ہونا چاہیے۔ سرسنکرن نائر ہمیشہ مساوات کے حامی رہے ہیں۔ اور انہوں نے کانگرس میں اپنی صدارتی تقریر میں ہندوستان کی قسمت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنے شاندار سیاسی مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ برٹش گورنمنٹ کا ظل ہمایوں ہمارے سر پر ہے۔ اور ہمارے عروج و اقبال کی ذمہ واری برطانیہ اعظم کے ہاتھ میں ہے۔ ہندوستان ہم سے بہت زیادہ توقع رکھتا ہے۔ اور تمام مہذب دنیا ہمارے تغیر و تبدل کو حیرت سے تک رہی ہے۔ سرسنکرن نائر ۱۹۰۸ء میں مثل سول

کانفرنس کے پریذیڈنٹ مقرر ہوئے اور اسی سال انہیں مدراس یونیورسٹی کے چانسلر سر آرتھر لالی (سابق گورنر مدراس) نے یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ میں سندات تقسیم کرنے کی تقریب پر تقریر کے لیئے بھی مدعو کیا چنانچہ سر سنکرن نائر نے اپنی اس تقریر میں ہندوستانی لوگوں کی تعلیمی ضروریات اور ہندوستان کی تعلیمی سیاسی - مذہبی معاشرتی اور صنعتی حالت کو واضح کر دیا ۔

سنکرن نائر مشیر تعلیم کی حیثیت میں

اکتوبر ۱۹۱۵ء میں سر ہارکورٹ بٹلر لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ کے بعد سر سنکرن نائر کو وائسرائے ہند کی انتظامی کونسل میں مشیر تعلیم مقرر کیا گیا - اور انگریزی اخبارات میں سے "بمبئی کرانیکل" اور انڈین سوشل ریفارمر جیسے اخبارات نے اس عہدے پر ان کی تقرری کو بنظر استحسان دیکھا - ہندوستان کی سیاسی انجمنوں میں سے صوبہ مدراس کی مسلم لیگ اور جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی انجمن نے ان کو پیغام تہنیت بھیجا - سنکرن نائر نے مشیر تعلیم مقرر ہوتے ہی عورتوں کی تعلیم کے متعلق صوبجات کی گورنمنٹ کے نام ایک گشتی چٹھی شائع کی جس میں انہوں نے تعلیم نسواں کی توسیع کے لیئے وسائل بہم پہنچانے کا ذکر کیا - اگرچہ ابتدائی لازمی تعلیم کو عام کرنے کے لیئے وہ آنریبل مسٹر گوکھلے آنجہانی کی مجوزہ تجویز کو اختیار نہ کر سکے لیکن انہوں نے اس تجویز پر بہت زیادہ عمل کیا - اور ۱۹-۱۹۱۸ء میں کونسل میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۱۹۱۵ء تک محکمہ تعلیم پر ساڑھے چار کروڑ روپے کی رقم سالانہ خرچ ہوتی تھی - مگر اب یہ رقم چھ کروڑ کر دی گئی ہے ۔ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر سنکرن نائر تعلیمی توسیع کے بہت زیادہ خواہاں تھے - ۲۴ مئی ۱۹۱۹ء کو سر سنکرن نائر کو طبی ماہرین کی کانفرنس کا صدر بنایا گیا اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم طبی تحقیق پر جو روپیہ صرف کرتے ہیں - اس

سے ہماری سرگرمی کا بخوبی انکشاف ہوتا ہے۔ چنانچہ سر سنکرن نائر کی صدارت میں حفظان صحت کا ایک مرکزی بورڈ قائم کیا گیا۔ سر سنکرن نائر شروع سے ہی کانگرس سے مؤید رہے ہیں۔ اور انہوں نے کانگرس کے اجلاس کا سابق صدر ہونے کی حیثیت میں ہندوستان کی آئینی اصلاحات کی ترویج کے لئے بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ اور وہ ہندوستان میں ذمہ دارانہ حکومت کو فروغ دینے کے ہمیشہ خواں رہے ہیں۔ مگر بعض قوانین کے پاس کر دینے میں سر سنکرن نائر کی خاموشی ہمیشہ موجب استعجاب ہوتی رہی ہے چنانچہ جب رولٹ ایکٹ پاس کیا گیا۔ اور پنجاب میں مارشل لا کا اعلان کیا گیا۔ تو اس وقت سر سنکرن نائر کی خاموشی × × × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × × × × × × ×

اور بھی حیرت انگیز ہو گئی۔ مگر سر سنکرن نائر اصل میں آئینی اصطلاحات کے منتظر تھے اور جب مئی ۱۹۱۹ء میں سوتھ برو کمیٹی کی سفارشات شائع کی گئیں۔ تو اس وقت بعض صوبجات کی گورنمنٹ اور گورنمنٹ ہند حقوق کی تقسیم کے مخالف پائی گئی۔ سر سنکرن نائر کو یہ حالت دیکھ کر بہت اضطراب ہوا۔ اور اسکے بعد انہوں نے گورنمنٹ ہند کی رائے پر زبردست اختلافی نوٹ لکھتے ہوئے اسمیں ہندوستان کی صنعتی ترقی۔ زرعی حالت۔ ہندوستانی ممبروں کے اختیارات۔ گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی۔ ہندوستان کی تعلیمی حالت۔ تجارتی اور صنعتی تعلیم۔ غیر براہمنوں کی تحریک۔ ہندوستان کی اچھوت قوموں اور اصلاحات کے مطالبہ کی حقیقت کا بخوبی انکشاف کر دیا۔

انتظامی کونسل سے علیحدگی

جب معاملات کی یہ حالت تھی۔ تو اس وقت پنجاب میں مارشل لا کا دور دورہ تھا اور ملک میں ہر طرف اداسی اور

مایوسی کے آثار نمایاں تھے۔ اس پر سر شنکرن نائر نے منسٹر تعلیم کے عہدے سے بطور اظہار ناراضی مستعفی ہونا ہی بہتر سمجھا۔

۲۳۔ جولائی کو اُن کے استعفٰی کی منظوری کا اعلان کیا گیا اور وہ ۳۱۔ جولائی کو ولایت میں ہندوستانی وفود کی امداد کے لئے بمبئی سے انگلستان کی جانب روانہ ہو گئے۔ ۱۵ اگست میں وہ ولایت میں پہنچے اور وہ ابھی تک ولایت کے مختلف جلسوں میں واقعات پنجاب اور قانون اصلاحات کے متعلق تقریریں کرتے اور اخبارات ولایت میں اپنے مضامین شائع کر رہے ہیں ✦

ہمارے ناظرین یہ بات سن کر بہت ہی خوش ہو نگے۔ کہ سر بھاشکر پیٹی کی جگہ انہیں انڈیا کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا ہے اور ایک ہندوستانی کے لئے انڈیا کونسل کی ممبری ایک نہایت ہی اعلےٰ عہدہ ہے ✦

جہاں تک خیال کیا جاتا ہے۔ دیگر ہندوستانی سرکردہ لیڈروں کی معیت میں انہوں نے بھی پنجاب کی حالت کی اصلاح اور قانون اصلاحات کو پاس کرانے میں بہت امداد دی ہے۔ اور ملک کے لوگ ان کے نام نامی کو بھی انکی اعلےٰ خدمات کی بدولت مدت العمر تک یاد رکھینگے ✦

سر سبرامنیا آئر

تمہید

سر سبرامنیا آئر ہندوستان کے ایک بے غرض لیڈر ہیں چنانچہ لارڈ امپٹہل کے قول کے مطابق وہ معزز و ممتاز اور خوددار شخص ہیں۔ اور انہوں نے اپنی جان کو قومی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے وہ ایک ایسے ہندوستانی شریف ہیں کہ انکی تقلید ہر ایک ہندوستانی پر واجب ہے۔ اور وہ فراخ دل اور وسیع النظر انسان ہیں حب وطن اور قوم پرستی کے علاوہ محنت وحیا اور ایثار ان کا شیوہ ہے۔ اور وہ ملکی اور قومی بہبودی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں +

پیدائش و ابتدائی حالات

سر سبرامنیا آئر یکم اکتوبر ۱۸۴۲ء کو مدورا کے ضلع میں پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ آٹھ سال کے ہو گئے۔ تو انہیں انگریزی حروف تہجی پڑھائے گئے۔ اور تعلیم کے لئے مشن سکول میں بھیجا گیا۔ اسکے بعد وہ کرشنا سوامی چیٹر کے قائم کردہ انگریزی سکول میں پڑھتے رہے۔ اور ۱۸۵۶ء میں وہ ضلع سکول میں داخل ہوئے اس سکول میں انہوں نے سرکاری وظیفہ حاصل کر کے انگریزی کا امتحان پاس کر لیا۔ اور وہ ڈپٹی کلکٹر مدورا کے دفتر میں کلرک ہو گئے۔ زمانۂ ملازمت میں انہوں نے قانون کا مطالعہ کر کے وکالت کا امتحان دیدیا۔ اور امیدواروں کی فہرست میں وہ اول رہے۔ مگر مسٹر کاٹن ڈسٹرکٹ جج مدورا کو ایک بار سلام نہ کرنے کے باعث انہیں کچھ دیر

تک وکالت کی سند دی گئی۔ اور آخرکار ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مدراس نے انہیں سرکاری وکیل مقرر کردیا۔ اس کے بعد وہ پھر کلکٹر کے دفتر میں واپس آگئے۔ انہوں نے ۱۸۶۵ء میں انٹرینس اور ۱۸۶۶ء میں ایف۔ اے کے امتحانات پاس کرلئے اور ۱۸۶۶ء میں وہ بی۔ ایل کا امتحان پاس کر بیٹھے۔ بی۔ ایل کا امتحان پاس کرنیکے بعد مسٹر جے۔ سی۔ رلز کے ماتحت کام سیکھنے کے لیے مقرر کئے گئے۔ جو اس وقت ہائیکورٹ کے سرکاری رپورٹر تھے۔ چھ ماہ تک وہ مدراس کے قائم مقام تحصیلدار رہے۔ اور بعد میں مدراس میں جاکر وہ ہائیکورٹ مدراس کے وکیل بن گئے۔

آغاز کا وقت

انہوں نے مدراس میں وکالت کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اپنی آئندہ کامیابی کا انہیں یقین ہوگیا۔ ۱۸۷۱ء میں وہ مدراس کے میونسپل کمشنر مقرر کئے گئے۔ اور مقامی بورڈ کے وہ ممبر بھی بن گئے۔ مدراس میں انہوں نے اٹھارہ ہزار روپیہ صرف کرکے ایک مرغزار بنوائی۔ جس میں انکے خاندان نے چار ہزار روپے دئے۔ مدراس کے مندر کے گرد انہوں نے ایک باغ بنوایا۔ وہ ایک باعمل شخص ہیں۔ اور انہوں نے قومی خدمت کو اپنا مطمح نظر بناکر بےغرضانہ طریق پہ کام شروع کردیا۔ اور یہی نیکی کا سہارا اور اعزاز کا راز ہے۔ انہوں نے اپنے ابنائے وطن کی خدمت کو واجب جان کر انہیں خوش و خرم بنانے کی ایسی کوشش کی۔ کہ لوگ آجتک انکے مداح ہیں۔ ۱۸۷۲ء میں مذکورہ مندر کی کمیٹی کے خلاف انہوں نے چالیس ہزار روپیہ کی ایک ایسی رقم کا مقدمہ دائر کردیا۔ جس کا حساب نہیں دیا گیا تھا۔ اور وہ یہ مقدمہ جیت گئے وہ ہمیشہ مندروں کے اعلیٰ انتظام کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اور دھرم رکھشا سبھا کی صدارت کے ایام میں وہ نہایت خوش اسلوبی سے کام کرتے رہے ہیں۔ ۱۸۷۵ء

میں جب شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم اپنے ایام شہزادگی میں مدراس میں تشریف لائے۔ تو سر سبرامنیا آئر نے اہالیان مدراس کی طرف سے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ مدراس کے لوگوں نے معزز مہمان کے استقبال کے لئے کثیر رقم بطور چندہ جمع کی تھی۔ اور اس میں سے چودہ ہزار روپے کی رقم زائد بچ رہی۔ چنانچہ انہوں نے اس رقم سے ویگی کی ندی پر پل بنوا دیا۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں مدراس کے گورنر مسٹر ایم ای گرانٹ مدراس میں تشریف لائے۔ سر سبرامنیا آئر نے جو اس وقت میونسپل کمیٹی مدراس کے وائس پریذیڈنٹ تھے ممدوح کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا۔ اور جونہی ان کا گورنر صاحب سے تعارف ہوا۔ وہ صوبہ مدراس کی قانونی کونسل کے غیر سرکاری ممبر مقرر کئے گئے۔ یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن سابق وائسرائے ہند آنجہانی نے دہلی میں دربار منعقد کیا اور سر سبرامنیا آئر کو سند عطا کی گئی۔ ۱۸۸۲ء میں ان کی دھرم پتنی کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ تھیاسوفیکل سوسائٹی کے ممبر بن گئے۔ ۱۸۸۸ء میں وہ قائم مقام گورنمنٹ پلیڈر مقرر کئے گئے۔ اور صوبہ بھر میں اس عہدہ پر مقرر ہونے والے وہ پہلے ہندوستانی ہیں۔ اسی زمانہ میں وہ نہایت سنسنی پیدا کرنیوالے مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔ اور انہوں نے خوش اسلوبی سے کام کیا۔

سر سبرامنیا لیڈر کی حیثیت میں

متذکرہ صدر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۷۶ء سے ۱۸۹۵ء تک نہایت دیانتداری سے ایک غیر سرکاری لیڈر کی حیثیت میں رفاہ عام کا کام کرتے رہے۔ اس عرصہ میں وہ اپنی وکالت میں ہمہ تن محو نہ رہے۔ بلکہ انہوں نے انصاف و مردانگی کو ہر ایک کام میں مد نظر رکھا۔ اور وکالت کی کامیابی اور سرکاری رسوخ کو انہوں نے اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ ۱۸۷۸ء میں انہوں نے مدراس

میں قحط کمیشن کے روبرو شہادت دی اور زمینداروں کے تظلم سے مزارعان کو بچانے کی اُنہوں نے بہت کوشش کی۔ لوکل بورڈ اور میونسپل کمیٹی میں سرکاری عنصر کو گھٹانے اور غیر سرکاری لوگوں کی تعداد کو بڑھانے کے لئے اُنہوں نے خاص طور پر زور دیا۔ چنانچہ اُن کی کوشش و سرگرمی سے لارڈ رپن نے ۱۸۔ مئی ۱۸۸۲ء کو اس مطلب کا رزولیوشن بھی پاس کردیا۔ لارڈ رپن کی اس تجویز کو عملی صورت دینے کے لئے صوبۂ مدراس کی گورنمنٹ نے ضروری سفارشات کے لئے ایک کمیشن بنائی جس میں سرکاری اور غیر سرکاری ممبر شامل کئے گئے۔ سر سبرامنیا آئر بھی اس کمیشن میں شامل تھے۔ اور اُنہوں نے کمیشن کی رپورٹ میں جو اختلافی نوٹ لکھا ہے اس سے اِن کی اس صاف گوئی اور خود مختاری کا ثبوت ملتا ہے۔ جو ہندوستانیوں کی معاشرتی اور سیاسی ضروریات کے لئے درکار ہے۔ سر سبرامنیا آئر کانگرس کے شروع سے ہی ممبر رہے ہیں۔ کانگرس کا سب سے پہلا اجلاس بمبئی میں منعقد کیا گیا تھا۔ اور سر سبرامنیا آئر نے اس اجلاس میں صوبجات اور وائسرائے ہند کی قانونی کونسل کی اصلاح و توسیع کے لئے رزولیوشن پیش کیا۔ کانگرس کے دوسرے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں اُنہوں نے اس رزولیوشن کی تائید کی۔ جو اہلِ ہندوستان کی غربت و مفلسی سے تعلق رکھتا تھا۔ ہائیکورٹ کے جج ہونے تک اور عہدہ ججی سے پنشن پانے کے بعد سے وہ ہمیشہ قومی آدرشوں کے حصول کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ اور کانگرس کے اغراض و مقاصد کا پرچار کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں کانگرس کا اجلاس مدراس میں منعقد کیا گیا۔ اور وہ استقبالیہ کمیٹی کے پردھان بنائے گئے جب سر سبرامنیا آئر صوبۂ مدراس کی قانونی کونسل کے ممبر بنائے گئے تھے۔ اس وقت غیر سرکاری ممبروں کے اختیارات بالکل محدود تھے۔ غیر سرکاری ممبر رزولیوشن پیش نہیں کرسکتے تھے اور وہ سوال بھی نہیں پوچھ سکتے تھے۔ مگر پھر بھی یہ لوگ اپنی قدرت

کے مطابق لوگوں کی بھلائی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں سر سبرامنیا آئر
نے مالابار کے مزارعان کی اصلاح کے معاوضہ کا قانون کونسل میں پیش کیا۔ اور
اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مزارعان کو ناقابل کاشت اراضی کو قابل کاشت بنانے کا موقعہ
مل گیا۔ اور قابل زراعت رقبہ کی توسیع ہو گئی ✣

سر سبرامنیا آئر یونیورسٹی اور ہائیکورٹ میں

سر سبرامنیا آئر ۱۸۸۵ء میں مدراس یونیورسٹی کے فیلو بنائے گئے۔ اور ان
کا اس یونیورسٹی سے ۱۹۰۷ء تک تعلق رہا۔ اُنہوں نے اپنے صوبہ کے نوجوانوں
کی تعلیم و تربیت کے لئے کئی اصلاحات کی ترویج کی۔ اُنہوں نے مطالعہ کی کتابوں
کی تعداد میں تخفیف کرنے پر زور دیا۔ اور بعض تعلیمی اصلاحات کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں
رہے۔ وہ مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے۔ اور وہی پہلے ہندوستانی
ہیں جن کو سب سے پہلے یہ اعزاز حاصل ہوا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اُنہیں "ڈاکٹر آف لا"
کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ اور ۱۸۹۶ء میں جو ایڈریس اُنہوں نے دیا وہ نوجوانوں
کے لئے نہایت نصیحت آموز اور پر معنی تھا ✣

جنوری ۱۸۹۵ء میں سر سبرامنیا آئر کو ہائیکورٹ مدراس کا جج بنایا گیا اور
وہ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۶ء میں ہائیکورٹ مدراس کے قائمقام چیف جسٹس رہے
رہے۔ ۱۹۰۰ء میں نوروز کی تقریب پر انہیں سر کا خطاب عطا کیا گیا۔ اور کمزوری
صحت کے باعث وہ ۱۳۔ نومبر ۱۹۰۷ء کو اس عہدہ سے پنشن پا گئے۔
گورنمنٹ ہند نے ان کی اعلیٰ خدمات اور قابل تعریف صفات کا اعتراف
کیا۔ اور گورنمنٹ گزٹ کی ایک غیر معمولی اشاعت میں ان کے اخلاق حمیدہ کی
موزوں طریق پر تعریف بھی کی ✣

خانہ نشینی کا زمانہ اور سر سبرامنیا آئر کی صفات

سرکاری ملازمت کے اس عہدہ جلیلہ سے پنشن یاب ہونیکے وقت سے سر سبرامنیا آئر بیچ ہوس مدراس میں مقیم ہیں۔ مگر انہوں نے اپنا یہ وقت بے مدعا فراغت و فرصت میں بسر نہیں کیا۔ بلکہ وہ ہندوستان کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں وہ دھرم رکشنا سبھا کے زمانہ قیام سے آج تک اس کے پردھان چلے آتے ہیں۔ اور ہندوؤں کے مذہبی استھانوں کی اصلاح کے درپے رہے ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں کی موجودہ معاشرتی حالت پر اظہار رائے کے لئے کانجی ورم میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور سن بلوغت کے بعد لڑکیوں کی شادی کے متعلق انہوں نے نہایت اچھی رائے ظاہر کی ہے۔ اسکے علاوہ وہ ہوم رول کی تحریک میں بھی نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ اور پیرانہ سالی میں بھی انکے دل میں حب وطن کا جوش اور ملکی خدمت کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔ وہ ایک خوش خلق انسان ہیں۔ اور ان کا شریفانہ طرز سلوک انکی ہر دلعزیزی کا موجب بن گیا ہے۔ وہ فیاض ہونے کے علاوہ ہمدردِ بنی نوع انسان ہیں۔ اور مصیبت زدہ لوگ ہمیشہ انکی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ انکے ساتھ خوش اخلاقی سے گفتگو کر کے ان کی حاجات کو پورا کر دیتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سر سبرامنیا آئر نے کئی نادار بچوں کو تعلیم دلوا کر انہیں معزز عہدے دلوائے ہیں۔ وہ قانون پر پوری طرح حاوی ہیں۔ اور انگریزی قانون اور امریکن قانون کے علاوہ انہیں رومی اصول قانون میں بھی خاص مہارت ہے۔ چنانچہ وہ مقدمات کی پیروی نہایت تندہی اور محنت شعاری سے کرتے رہے ہیں۔ وہ دیگر وکلاء کی نسبت عمر میں بڑھے تھے۔ مگر وہ ہمیشہ ان نوجوان وکلا سے خوش خلقی سے پیش آتے رہے ہیں چنانچہ

انہوں نے محض اپنی فیاضی طبع سے ہی مسٹر کرشن سوامی آئر اور مسٹر سندرا آئر جیسے نوجوان وکلاء کو جنوبی ہند کے سرکردہ وکیلوں میں داخل کر دیا تھا۔ وکالت کے زمانہ میں بھی وہ ہمیشہ معزز و ممتاز اور خود دار رہے ہیں۔ تمام یوروپین اور ہندوستانی لوگ جو علمیت و قابلیت کے پرکھنے والے ہیں ان کو بہ حیثیت جج فاضل و قابل تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں صوبہ مدراس کی قانونی کونسل میں صوبہ مدراس کی اراضیات کے قانون پر بحث جاری تھی۔ اور اس قانون کو پیش کرتے وقت آنریبل مسٹر فوربس نے سر سبرامنیا آئر کی قابلیت کا خاص حوالہ دیا تھا۔ سر سبرامنیا آئر اخلاقی اصولوں کی پابندی کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ دھرم شاستر میں عورتوں کے حقوق وراثت کو وہ خاص اہمیت دیتے رہے ہیں۔ اور وراثت کے لحاظ سے وہ مرد و عورت کو یکساں مستحق قرار دیتے رہے ہیں۔ زمیندار و مزارعہ پر جس قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے رُو سے اُنہوں نے مزارعان کو ہمیشہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

سر سبرامنیا آئر کے مختلف خیالات

سر سبرامنیا آئر نے اپنے زمانہ سرگرمی میں ملک کی بیش بہا خدمات کی ہیں چنانچہ اُنہوں نے لارڈ رپن کے زمانہ میں یہ بات کہی تھی۔ کہ ملک کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ابتدائی تعلیم کی توسیع لازمی ہے۔ مذہبی اوقاف کے متعلق اُنہوں نے کہا تھا کہ مندروں اور مسجدوں کی تحویل میں جو زمین یا مکان وغیرہ ہو وہ غیر ذمہ وار اشخاص کے سپرد نہیں کر دینی چاہیئے۔ بلکہ یہ جائداد ایسے اشخاص کے حوالے کی جائے جو دیانتدار ہونے کے علاوہ مفت خور نہ ہوں۔ رعیت واری بندوبست پر زمینداری بندوبست کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ زمینداروں پر قانون زراعت کا

اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ اپنے مزارعان سے زیادہ آمدنی وصول نہیں کر سکتے جس کے باعث مزارعان کو سہولت رہتی ہے۔ ان کا مقولہ ہے کہ تعلق بورڈ میں ڈویژنل افسروں کو سرکاری طور پر اس پر بذیابنٹ مقرر نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس طریق پر سب ممبر افسر مذکور کے اشارے پر چلتے ہیں۔ اور وہ خودرائی سے کام نہیں کر سکتے۔ وہ آزادانہ قائمقامی کے وسیع حق میں ہمیشہ زبردست رائے دیتے رہے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ قومی کام خاص اصول کو مدِ نظر رکھ کر پورا کیا جا سکتا ہے اور اسکی تکمیل کیلئے روحانی طاقت کی ضرورت ہے تاکہ انسانی خاموشی سے سب دکھ درد جھیل کر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ چنانچہ اس عقیدہ کا اظہار انہوں نے ۱۹۱۵ء کے اس جلسہ میں اپنی صدارتی تقریر میں کیا تھا۔ جو مدراس کے لوگوں نے مہاتما گاندھی اور ان کی دھرم پتنی کے خیر مقدم کے لئے منعقد کیا تھا +

سر سبرامنیا آئر کی آخری جدوجہد

لارڈ پنٹلینڈ گورنر مدراس نے مئی ۱۹۱۷ء میں اپنی ایک معرکۃ الآرا تقریر میں ہوم رول لیگ کی زبردست الفاظ میں مخالفت کی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ لوگ اس تقریر سے مرعوب ہو کر مذکورہ تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی جدوجہد کو بند کر دینگے۔ مگر سر سبرامنیا آئر نے اخبارات میں ایک زبردست مراسلہ شائع کر کے اپنی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا کہ "ہوم رول کی تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے۔ اور اس تحریک کی ترقی سے ملک و سلطنت کو تقویت ہوگی۔ اسلئے آئینی جدوجہد کو حصول مدعا کیلئے جاری رکھنا لازم ہے" ان کے اس مراسلہ سے لوگوں پر ایسا مفید اثر پڑا کہ اکثر نوجوان جو گورنر صاحب موصوف کی اس تقریر سے پست ہمت ہو گئے تھے اپنی ذمہ داری کے لئے پھر بیدار ہو گئے۔ اور اگرچہ صوبہ مدراس کی گورنمنٹ نے

مسز اینی بیسنٹ کو نظر بند کر دیا۔ مگر سر سبرامنیا آئر انکی رہائی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ اور جب وہ رہا ہوئیں۔ تو انکی رہائی زیادہ تر سر سبرامنیا آئر کی کوشش سے ہی منسوب کی جاتی تھی۔ اس کے بعد سر سبرامنیا آئر نے مسز اینی بیسنٹ کی رہائی پر اکتفا نہ کیا بلکہ وہ کانگرس اور لیگ کی مجوزہ آئینی اصلاحات کے حصول کے لئے ہمیشہ بیقرار رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مطلب کیلئے بیشمار تقریریں کیں اور چٹھیاں شائع کی ہیں۔ سر سبرامنیا آئر ایک سچے محب وطن شخص ہیں اور وہ ابنائے وطن کو حب الوطنی۔ قوم پرستی۔ اتفاق و اتحاد اور ایثار کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ محض تعلیم ہی درکار نہیں۔ بلکہ ذاتی قابلیت اصلی گُن ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ تعلیم کا مدعا حق پرستی اور حق پژوہی کے علاوہ یہ ہونا چاہیئے کہ نوجوان لوگ کالج کے احاطے سے باہر جانے کے بعد میدان زندگی میں داخل ہو کر ملک کے حقیقی فرزند اور سلطنت کے حقیقی شہری بن جانے کے قابل ہوں۔ سر سبرامنیا آئر کی آخری جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ برطانیہ نے گورنمنٹ ہند کے ساتھ اتفاق رائے کر کے ہندوستان کو قانونی اصلاحات سے بہرہ اندوز کرنے کے لئے اگست ۱۹۱۷ء میں ایک اعلان کر کے مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کو ہندوستان کے حالات کی تحقیقات کے لئے ولایت سے ہندوستان میں بھیجا۔ چنانچہ سر سبرامنیا آئر نے دسمبر ۱۹۱۷ء میں آئینی اصلاحات کے فوائد اور دفتری اقتدار کے نقائص کے متعلق ایک عرضداشت ایکسلنسی مسٹر مانٹیگو کی خدمت میں پیش کی جس میں انہوں نے ہندوستانیوں کے حقیقی نصب العین ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کا نقشہ کھینچ کر دکھلانے کے علاوہ ہندوستان کی حالت کا انکشاف بیّن کر دیا اور جس میں انہوں نے ملک کی بیداری۔ ہوم رول کی ضرورت منتخب شدہ ممبروں کے اختیارات۔ گورنر جنرل کی پوزیشن اور وائسرائے کی حیثیت وغیرہ کے متعلق نہایت وضاحت سے بحث کی ۔

اگرچہ سر سبرامنیا آئر اب بوڑھے ہیں۔ مگر اُن کی رُوح جوان ہے۔ ان کی امید تازہ ہے۔ اور اُن کی تمنا کا پودا ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔ وہ ہندوستان کے روشن مستقبل کے خواہاں ہیں۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ اسی خواہش نے انہیں اس پیرانہ سالی میں نوجوان بنا رکھا ہے ✦

رائٹ آنریبل مولانا سید امیر علی

تمہید

ہندوستان کے موجودہ لیڈروں میں سے رائٹ آنریبل مولانا سید مراد علی کو بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ موجودہ اسلامی ہندوستان کے ایک نہایت سعادتمند شہری ہونے کے باعث ملک و ملت کیلئے باعث فخر اور موجب برکت ہیں اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کی اعلےٰ شخصیت پہ خاص ناز ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر اور قائمقام ہونے کی بدولت ہندوستان اور انگلستان بھر میں لوگ انکی عزت کرتے ہیں۔ وہ ایک زبردست مسلمان مقنن ہیں اسلامی تاریخ میں انہیں خاص مہارت ہے اور انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں میں دور جدید کے خیالات کو مقبول عام بنا دیا ہے۔ وہ اسلامی اتحاد کے حقیقی مبلغ ہیں۔ اور سوائے سر آغا خاں کے ہندوستان کے مسلمانوں میں سے ان کا ثانی مشکل سے ہی ملیگا۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ترقی کیلئے ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ اور وہ سر سید احمد خاں مرحوم کے حقیقی پیرو ہیں سر سید مرحوم کی طرح وہ بھی انگریزی تعلیم کے محرک اور موید ہیں۔ اور مسلمانوں کے درمیان تعلیم نسواں پر زور دیتے رہے ہیں۔ مولانا امیر علی ایک معاشرتی مصلح ہیں اگرچہ مسلمانوں کی کانگرس میں شمولیت سے نفور رہے ہیں۔ مگر وہ ان تمام سیاسی تحریکات میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ جن کا اثر اسلامی دنیا پر پڑ سکتا ہے۔ غرضکہ سر سید احمد مرحوم کی طرح انہوں نے مشرقی اور مغربی خیالات کے مجموعہ سے ایک نئی چیز پیدا کر دی ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو مطلوب و مرغوب ہے۔ اور جو اسلامی دنیا کی بہبودی

بیں ممد و معاون ہو سکتی ہے ٭

خاندانی حالات

مولانا امیر علی ۶- اپریل ۱۸۴۹ء کو ولندیزوں کی بستی چنسرا میں پیدا ہوئے تھے۔ جو صوبہ بنگال میں دریائے ہگلی کے کنارے پر آباد ہے۔ وہ ذات کے سید ہیں۔ اور ان کا شجرہ نسب مشہد مقدس کے خوابیدہ تاجدار سیدنا حضرت امام علی رضاؓ سے ملتا ہے۔ ان کے آبا و اجداد ایرانی فرمانرواؤں کی ملازمت میں منسلک تھے۔ اور ان میں سے ایک سید محمد صادق خان نامی شاہ عباس ثانی کے عہد حکومت میں اعلےٰ عہدے پر ممتاز تھے۔ سید محمد صادق خاں کی اولاد میں سے سید احمد فضل ایک جری سپاہی پیدا ہوئے جو ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کی مہم ہندوستان کے وقت کچھ جوان اپنے ساتھ لیکر حملہ آور فوج میں شامل ہو گئے۔ جب نادر شاہ ایران کو واپس چلا گیا۔ تو سید احمد فضل دہلی کے مغلیہ بادشاہوں کے ماتحت ملازم ہوکر ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ جب مرہٹوں نے دہلی کو تاخت و تاراج کیا۔ سید احمد فضل کے صاحبزادے دہلی سے مفرور ہو کر اودھ میں پناہ گزین ہوئے۔ اور انہیں نواب اودھ کے دربار میں بھی اعلےٰ عہدہ مل گیا۔ سید محمد فضل کے صاحبزادے سید محمد سعادت علی الحاق اودھ سے کچھ پہلے بنگال میں جاکر آباد ہو گئے اور ان کے ہاں سید امیر علی پیدا ہوئے ٭

ابتدائی حالات

جس وقت مولانا امیر علی ایام طفولیت میں تھے۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے سر پر لاعلمی کی گھنگھور گھٹائیں منڈلا رہی تھیں۔ اور انکے دلوں میں اوہام پرستی اور تعصب کا غلبہ تھا۔ مغربی اشیا سے انہیں نفرت تھی۔ اور وہ تنگدلی سے انگریزی

تعلیم کو کفر سمجھتے تھے مگر مولانا کے والد ماجد سید سعادت علی نے ہمسایہ ہندو قوم کے شاندار
مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے فرزند ارجمند کو ہگلی کالج میں داخل کرا دیا۔ جہاں سے
انہوں نے تمام تعلیم حاصل کی۔ مولانا امیر علی ایک محنت شعار طالب علم تھے۔ اور
انہوں نے انٹرینس کا امتحان پاس کر کے وظیفہ حاصل کر لیا۔ ۱۸۶۷ء میں انہوں نے
بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اور ایک سال بعد انہوں نے تاریخ اور علم الاقتصاد میں ایم۔اے
کی سند حاصل کی۔ ہگلی کالج میں ہی انہوں نے بی۔ایل (وکالت) کا امتحان پاس کر لیا۔
بی۔ایل ہونے کے بعد وہ کچھ دیر تک کلکتہ ہائیکورٹ میں مشق وکالت کرتے رہے
گورنمنٹ ہند نے انہیں سرکاری وظیفہ دیکر ولایت میں حصولِ تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ اور
ہندوستان کے مسلمانوں میں مولانا امیر علی پہلے شخص ہیں۔ جن کو ولایت میں جا کر قانون
کی تعلیم حاصل کرنے کا فخر ہے۔ مولانا امیر علی نے ولایت میں جا کر تعلیم شروع کر دی۔ اور ۱۸۷۳ء
میں انہوں نے بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا۔ ۱۸۷۳ء میں وہ ولایت سے واپس آ گئے۔
اور کلکتہ میں انہوں نے وکالت کا کام شروع کر دیا۔ شروع سے ہی ان کا کام چمک گیا
اور ان کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہو گیا۔

آغازِ شہرت و عزت

مولانا امیر علی ۱۸۷۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو مقرر کئے گئے۔ ۱۸۷۵ء
میں انہیں پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں شریعت کا پروفیسر بنایا گیا۔ وہ پانچ سال تک متواتر
اس کالج میں شریعت پر لیکچر دیتے رہے۔ انہیں اسی وقت سے ہی اسلامی انجمنوں سے
ہمدردی ہو گئی اور قومی محبت کا جو شعلہ ان کے سینہ میں اس وقت بھڑکا تھا۔ آج تک اس کی
حدت ان کے دل میں نمایاں ہے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کی بہبودی کی فکر میں رہتے ہیں۔ ۱۸۷۷ء
میں انہوں نے مرکزی قومی اسلامی انجمن قائم کی اور وہ تقریباً پچیس سال تک اس کے صدر رہے

اس کے علاوہ ہگلی کے امام باڑہ کی کمیٹی کی صدارت بھی ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۴ء تک مولانا
امیر علی کے پاس رہی۔ مولانا امیر علی نے قومی اسلامی انجمن میں لارڈ ڈفرن کے زمانہ
میں مسلمانوں کی تکالیف کو کم کرنے اور انہیں سہولت بہم پہنچانے کا ایک رزولیوشن پاس
کرایا جس کا ثمرہ مسلمانوں کو اکتوبر ۱۹۰۶ء میں لارڈ منٹو کے زمانہ میں دیا گیا۔ ۱۸۷۸ء میں
مولانا امیر علی کو پریزیڈنسی مجسٹریٹ بنایا گیا اور انہوں نے اپنے فرائض کو اس خوش اسلوبی
سے سرانجام دیا کہ انہیں قائم مقام چیف پریزیڈنسی مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ اور اس عہدے پر
بھی انہوں نے اچھی طرح کام کیا۔ مگر وہ سرکاری ملازمت پر وکالت کو ترجیح دیتے تھے۔
اور انہوں نے اپنے احباب و اقارب کی خواہش و نصیحت کے باوجود بھی ۱۸۸۱ء میں
استعفیٰ دے دیا۔ اور وہ پھر وکالت کے میدان میں داخل ہو گئے۔ حکام و عوام میں ان
کی قدر و منزلت بڑھ چکی تھی۔ سب سے پہلے وہ صوبہ بنگال کی قانونی کونسل کے ممبر بنائے گئے
اور وہ ۱۸۸۳ء تک اس عہدے پر رہے۔ اس کے بعد جلد ہی لارڈ رپن آنجہانی
نے انہیں مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے اپنی قانونی کونسل کا ممبر بنا لیا۔ اور وہ حق نمائندگی
کو مناسب طریق پر ادا کرتے رہے۔ کونسل کی مباحثات میں وہ نمایاں حصہ لیتے تھے انہی
ایام میں البرٹ بل کونسل میں پیش تھا۔ اور انہوں نے اپنی خودداری اور اخلاقی جرأت
کا ہر ایک کو گرویدہ کر لیا۔ چنانچہ لارڈ ڈفرن آنجہانی نے بھی اپنی تقریر میں انکی کمال تعریف
کی ہے ۱۸۸۴ء میں وہ ٹیگور لا پروفیسر مقرر کئے گئے۔ اور انکے اعلیٰ خدمات کے
اعتراف میں سرکار عالیہ نے ۱۸۸۷ء میں انہیں سی آئی۔ ای کا اعزاز عطا کیا۔

ہائی کورٹ میں جج

۱۸۹۰ء میں مولانا امیر علی کو ہائیکورٹ کلکتہ کا جج بنایا گیا۔ انکی تقرری سے
ہندوستان کے عام لوگ بالعموم اور مسلمانان ہند بالخصوص بہت خوش ہوئے۔ سب سے

پہلے مسلمانوں میں سے سرسید مرحوم کے فرزند ارجمند سید محمود کو ہائیکورٹ الہ آباد کا جج
بنایا گیا تھا۔ اور مولانا امیر علی یہ اعلےٰ عہدہ پانے والے دوسرے مسلمان ہیں۔ مولانا
امیر علی کو قانونی واقفیت بہت زیادہ تھی۔ وہ ہائیکورٹ کلکتہ میں مشق وکالت کر چکے
تھے۔ وہ بنگال میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ اور چیف پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے عہدے پر
رہ چکے تھے۔ صوبہ بنگال اور وائسرائے ہند کی قانونی کونسل میں انکو اعزاز حاصل
ہو چکا تھا اور وہ ٹیگور لا پروفیسر بھی مقرر کئے جا چکے تھے۔ انکے لئے اس دل و
دماغ کا مالک ہو کر ہائیکورٹ کی ججی کے عہدے پر کام کرنا مشکل نہیں تھا۔ لارڈ لینسڈون
نے اُن کو موزون آدمی سمجھ کر اس عہدے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اور مولانا امیر علی
میں بھی وہ تمام صفات موجود تھیں جن کی بدولت ایک جج عوام کے کام میں سر دلعزیز
ہو سکتا ہے۔ وہ وکالت کی مشق کر چکے تھے۔ اور وکلا اور فریقین مقدمہ کی حالت
کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ انکی انصاف پسندی۔ فریقین مقدمہ کی بہتری اور غیر جانبداری
کو تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا امیر علی آئین شریعت سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ان کی
موجودگی سے شریعت کے پیچیدہ مسائل کے حل و عقد میں دیگر ججوں کو ہمیشہ سہولت
ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ مولانا امیر علی کے شریعت پر حاوی ہونے کا ثبوت تو
اسی بات سے ملتا ہے کہ وقف کا ایک مقدمہ ججوں کے سامنے پیش ہوا دیگر ججوں
کے علاوہ مولانا امیر علی نے بھی اپنا فیصلہ دیا۔ اور جب یہ مقدمہ پریوی کونسل میں پیش
کیا۔ تو مولانا امیر علی کے فیصلہ کو ہی زیادہ وزن دار اور زیادہ اہم قرار دیا گیا*
ناظرین یہ بات یاد رکھیں۔ کہ قانون وقف جسے ۱۹۱۴ء میں مسٹر محمد علی
جناح نے وائسرائے ہند کی قانونی کونسل میں پیش کیا تھا۔ اور جو ۱۹۱۳ء میں
رائج کیا گیا تھا۔ اصل میں مولانا امیر علی کی توجہ سے سب سے پہلے اپنی طرف مبذول کر چکا
ہے۔ مولانا امیر علی وکلا کے ساتھ نہایت خوش خلقی سے پیش آتے تھے اور نہیں

کسی قسم کی شکایت کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ وہ ان کی دلائل کو صبر و تحمل سے سنتے تھے۔ جب کبھی کوئی وکیل بے محل دلائل پیش کرتا یا لمبی تقریر کرتا تھا۔ تو وہ اس سے تلخ نہیں ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب ڈاکٹر تارک ناتھ مسوجو مولانا امیر علی کے قانونی اتالیق رہ چکے تھے۔ اپنے کسی مؤکل کیطرف سے عدالت میں پیش ہوا کرتے تھے۔ تو مولانا امیر علی انکی بہت تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ مولانا امیر علی کے فیصلہ جات سے ان کی قانونی قابلیت کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ اور علمی نکتہ خیال سے بھی وہ نہایت شستہ ہیں۔ ان فیصلہ جات میں ان کا طرز تحریر سادہ اور سلیس ہے اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انگریزی زبان میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔

انگلستان میں اقامت

کلکتہ ہائیکورٹ میں چودہ سال کی قابلانہ خدمات کے بعد مولانا امیر علی عہدۂ ججی سے پنشن یاب ہوئے۔ اس وقت خیال کیا جاتا تھا کہ وہ ہندوستان میں آباد ہو کر اپنے علمی مذاق کی چاٹ مٹائینگے۔ مگر انہوں نے ہندوستان کی بجائے انگلستان میں آباد ہونے کو ترجیح دی۔ کیونکہ انگلستان آزادی کا گھر ہے۔ اور علم و فضل کا مرکز ہے۔ اور اگرچہ وہ انگلستان میں سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ مگر ان کا دل ہندوستان کی محبت سے معمور ہے۔ اور وہ گورنمنٹ برطانیہ کے روبرو ہندوستان کے مسلمانوں اور آزاد خیال لوگوں کی ترجمانی کا حق ہمیشہ بہ وجہ احسن ادا کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ پچھلے ایام میں بھی مسئلہ خلافت اور تقسیم ٹرکی کے متعلق وہ ان وفود میں شامل ہوتے رہے ہیں جو مسلمانوں کی طرف سے مقامات مقدسہ کی حفاظت و حرمت کے لئے

مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم کی خدمت میں پیش ہوتے رہے ہیں

مولانا امیر علی نے لنڈن کے شور و شغب سے آزاد رہنے کے لیئے برک شائر میں اپنا گھر بنایا ہے۔ اور یہ گھر کبھی اس خاندان کی ملکیت تھا جس میں انگریزی زبان کے مشہور شاعر پوپ کی مشاطۂ طناز بلنڈا اربیلا فرم کی شادی فرانسیسی پرکنس سے ہوئی تھی۔ مولانا امیر علی کا یہ مکان نہایت اعلیٰ اور پُر فضا جگہ پر واقع ہے۔ اور انکی زوجۂ محترمہ نے ہندوستان پاک اور عرب مقدس کے عجائبات سے اسے سجا رکھا ہے ؂

مولانا امیر علی اور مسلم لیگ

جب سے مولانا امیر علی ولایت میں آباد ہوئے ہیں اُس وقت سے ہی وہ مسلم لیگ کا کام نہایت سرگرمی سے کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے لنڈن میں مسلم لیگ کی شاخ قائم کی۔ اور وہ اُس کا صدر ہونے کی حیثیت میں ہمیشہ مسلم لیگ کے دعاوی وزیر ہند اور انڈیا کونسل کے رو برو پیش کرتے رہے ہیں۔ منٹو مارلے سکیم میں مولانا امیر علی کی کوشش سے ہی مسلمانوں کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ اصلاح یافتہ کونسل میں مسلمانوں کی مناسب قائم مقامی کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کے لئے اگر مولانا امیر علی لنڈن میں نہ ہوتے تو مسلمان اب تک بھی قعرِ پستی میں گرے رہتے ؂

مولانا امیر علی پریوی کونسل میں

جب انڈیا کونسل میں مسلمانوں کی تقرری کا سوال اُٹھا تو اُس وقت مولانا

امیر علی کے سوائے اور کوئی ایسا قابل مسلمان موجود نہیں تھا۔ کیونکہ مولانا امیر علی ایک فاضل متبحر ہونے کے علاوہ قابل سرکردہ مصلح اور لیڈر تھے۔ اور کوئی مسلمان اُن کا ہم پلہ نہیں تھا۔ لارڈ مارلے وزیر ہند سے مولانا امیر علی کی کئی بار ملاقات ہو چکی تھی۔ اور وہ مولانا موصوف کی قابلیت کے گرویدہ تھے۔ مگر لارڈ مارلے نے بعض وجوہات کی بنا پر مولانا امیر علی کو منتخب نہ کیا۔ جس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ مایوسی ہوئی۔ مگر بعد میں اُنہیں پریوی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا۔ اور جب ۲۳۔ ماہ نومبر ۱۹۰۹ء کو اُنہوں نے پریوی کونسل میں حلف لیا۔ تو ان کی تقرری سے مسلمانانِ ہند بالخصوص اور اہلِ ہندوستان بالعموم خوش ہوئے۔ کیونکہ اس عہدے پر ممتاز ہونے والے وہ پہلے ہندوستانی ہیں۔ مولانا امیر علی کو جوڈیشل کونسل میں مقرر کیا گیا۔ اور انہیں چار سو پونڈ سالانہ بطور الاؤنس دیئے گئے۔ اُس وقت سے ولایت کے قانونی ماہرین پر ہندوستانیوں کی قانونی معلومات اور جوڈیشل تجربہ کا مفید اثر پڑا ہے اور اسی وجہ سے اب پریوی کونسل کی جوڈیشل کمیٹی میں ہندوستانی جج کی تقرری لازمی سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ مولانا امیر علی کانگرس کی تحریک کے حامی نہیں تھے۔ مگر وہ کبھی اس تحریک کی مخالفت میں شریک نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ آزاد خیال کے ہمیشہ ممد و معاون رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ صادق الرائے رہے ہیں اور تعلیم نسوان کے وہ ہمیشہ حامی رہے ہیں۔ کیونکہ وہ بچوں کی اصلاح کا موجب ماں کو ہی جانتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے درمیان اس پردہ کے مخالف ہیں جس کے رو سے عورتوں کو چار دیواری کے باہر بھی قدم رکھنے کا حق حاصل نہیں۔ وہ اپنی رسالے میں اسلامی معاملات کی نسبت ہمیشہ جدت پیدا کر دیتے ہیں۔ مولانا امیر علی حبِ وطن کو عشقِ مذہب پر فوقیت دیتے ہیں۔ اور فاتح و

مفتوح اور حاکم و محکوم کے درمیان ہمدردی اور استمالت پیدا کرنے کے خواہاں رہتے ہیں۔ وہ لوکل سیلف گورنمنٹ کی توسیع کے درپئے ہیں۔ اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو اعلےٰ عہدے دئے جائیں۔ اور فوج میں بھی انہیں کمشن افسر مقرر کیا جائے۔ چنانچہ مولانا امیر علی کی متواتر کوشش سے ہی ہندوستانیوں کو وائسرائے ہند کی انتظامی کونسل۔ صوبجات کی انتظامی کونسل اور انڈیا کونسل میں ممبر کی حیثیت میں بیٹھنے کا حق حاصل ہوا ہے +

مسلمانوں کی جداگانہ قائمقامی

مولانا امیر علی مسلمانوں کی جداگانہ قائمقامی کے حامی رہے ہیں۔ اور ہمارے بعض ہندو بھائی انکے اس طرز عمل پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں بیشمار اقوام آباد ہیں۔ اور ہر طبقہ اپنے اغراض و مقاصد کی حفاظت کا خواہاں رہتا ہے۔ اسلئے لازم ہے کہ ہر ایک قوم کو اس کے اپنے نصب العین کے مطابق ترقی کرنے کا موقع ملتا رہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے ساڑھے چھ کروڑ مسلمانان ہند کو جداگانہ قائمقامی کا حق حاصل ہونا چاہئے مگر مولانا امیر علی اس بات پر بھی زور دیتے ہیں۔ کہ قومی زوال کی روک تھام اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کے لئے ہمیں مل کر کام کرنا چاہئے۔ منٹو مارلے سکیم کے پاس ہونے سے پہلے بعض کونسلوں میں قائمقامی کے انتظام میں بیقاعدگی تھی۔ اور اس کی وجہ اصل میں یہ تھی۔ کہ لوگوں کو کافی سیاسی تربیت نہیں ملتی تھی۔ مگر مولانا امیر علی نے لوگوں کو اس بات کی طرف خاص توجہ دلائی۔ اور کہا کہ ملک میں ایسی سیاسی انجمنیں قائم ہونی چاہئیں۔ جن میں لوگ سیاسی تعلیم حاصل کر سکیں۔ جب مولانا امیر علی سے ہندو مسلمان اتحاد کی بابت

سوال کیا گیا - تو انہوں نے کہا کہ ابھی ان دونوں اقوام کے درمیان بیقاعدگی ہے اور جب یہ بیقاعدگی دور ہو جائیگی - لوگ مذہبی تفریق کو بالائے طاق رکھ کر خود بخود مل جائینگے - چنانچہ ۱۹۱۹ء کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے - کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں سے مذہبی امتیاز کا رنگ جاتا رہا ہے - اور وہ ایک دوسرے سے محبت و الفت کرنے کے قابل ہو کر اتفاق و اتحاد پر آمادہ ہو گئے ہیں مولانا امیر علی تفرقہ کو پسند نہیں کرتے - اور ان کا عقیدہ ہے کہ اہل ہندوستان کی ترقی ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتفاق پر ہی منحصر اور مبنی ہے +

مولانا امیر علی کی تصانیف

مولانا امیر علی نے دیگر قومی اور ملکی خدمات کے علاوہ اپنے معاصرین کی علمی خدمت بھی کی ہے چنانچہ انہوں نے بعض کتابیں انگریزی زبان میں تصنیف کر کے شائع کی ہیں - ان میں سے سب سے پہلے زمانۂ تعلیم میں ہی انہوں نے مولوی سید کرامت علی کے ایک اردو رسالہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا جس سے انکی قابلیت کا بخوبی انکشاف ہوتا ہے - جب وہ ولایت میں تعلیم وکالت حاصل کر رہے تھے - تو اس زمانہ میں انہوں نے "حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانحات زندگی اور آپکی تعلیم" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی تھی - جو ولایت میں مقبول عام ہوئی - اور لنڈن کے ادبی حلقہ میں مولانا موصوف کا تعارف ہو گیا - اسکے علاوہ انہوں نے "سپرٹ آف اسلام" - "اخلاق اسلام" "عربی صحرا نشینوں کی مختصر تاریخ" "شرع محمدی کا خلاصہ" "شریعت محمدی" "قانون شہادت" وغیرہ کے نام سے بھی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں - مولانا امیر علی انگریزی رسائل میں بھی اپنے مضامین شائع کراتے رہے ہیں - اور انہیں ولایت میں ایک فاضل اجل مانا جاتا ہے +

مولانا امیر علی کی اسلامی خدمات

مولانا امیر علی نے اپنی زندگی میں مسلمانوں اور اسلامی ممالک کی نمایاں خدمات کی ہیں۔ ادبی دُنیا میں اُنھوں نے مذہب اسلام۔ تاریخ اسلام اور شریعت اسلام کے متعلق کتابیں تصنیف کرکے قوم پر احسان کیا ہے۔ وہ ایک مشہور معلم قوم ہیں۔ اور اُنھوں نے کلکتہ کی سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن مسلم لیگ اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں شامل رہ کر کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ ہندوستان کی کونسلوں میں اُنھوں نے مسلمانوں کو وسیع پیمانہ پر خاص تاسقامی دلوائی ہے۔ ۱۸۹۹ء میں وہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ اور ۱۹۱۰ء میں وہ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی کے صدر بنائے گئے۔ اور اُنھوں نے ان پر ہر دو مجالس میں مسلمانوں کو تعلیمی اور خانگی اصلاحات کی طرف توجہ دلائی۔ اور کوآپریٹو ایسوسی ایشن قائم کرنے کی ترغیب دی۔ اسکے علاوہ اُنھوں نے اقتصادی ترقی پر بھی زور دیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمات کے علاوہ اُنھوں نے دیگر اسلامی ممالک کی خدمت بھی کی ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب ٹرکی میں بغاوت کے آثار نمایاں تھے۔ تو متعصب مُلّا اس بغاوت کو مذہبی انحراف قرار دیتے تھے مگر مولانا امیر علی کی گفتگو سے متاثر ہو کر ٹرکی کے شیخ الاسلام نے فتوے دے دیا کہ یہ بغاوت محض سیاسی اثرات رکھتی ہے اور مذہب کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

جنگ طرابلس اور جنگِ بلقان میں مولانا امیر علی نے خانمان مسلمان لڑکوں کی امداد کے لئے ہفتہ وار روپیہ جمع کرکے بھیجتے رہے۔ اور اُنھوں نے دُنیا بھر کے مسلمانوں کو انجمن ہلالِ احمر کی طرف ایسی توجہ دلائی۔ کہ دُنیا کے گوشہ گوشہ سے مسلمانوں نے مال و زر سے ٹرکی کی امداد کی۔ ٹرکی کے علاوہ مولانا امیر علی ایران کے بھی خادم رہے ہیں۔ چنانچہ لنڈن میں ایک بار جب انکی روسی وزیر خارجہ مسٹر سازنوف سے ملاقات

ہوئی تو وزیر مذکور نے ایران کی تقسیم کے متعلق گفتگو کی مگر مولانا امیر علی نے اظہار ناراضی کرتے ہوئے ولایت کے اخبار ٹائمز میں ایک ایسا مدلل اور مفصل مضمون شائع کیا۔ کہ روس اپنے اس ارادے سے باز رہا۔ غرضیکہ مولانا امیر علی ایک حریت پسند مسلمان ہیں۔ اور انکے دل میں قومی سوزوگداز اور اسلامی طپش موجود ہے۔ جب کبھی دنیا کے مسلمانوں پر کوئی آفت ٹوٹتی ہے۔ وہ فوراً امداد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کو انکی زبردست شخصیت پر ایسا ناز و اعتماد ہے۔ کہ وہ نہایت اخلاص سے انہیں اپنا لیڈر مانتے ہیں۔ مولانا امیر علی ایک زبردست شخص ہیں۔ ایشیائی نسل ہو کر انہوں نے مغربی تعلیم پائی۔ اور انگریزی طرز معاشرت اختیار کی۔ مگر وہ اپنے وطن مالوف اور اپنے مذہب مرغوب کو فراموش نہیں کر سکے وہ تعصب سے مبرا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم یکساں ان کی عزت کرتے ہیں۔ مولانا امیر علی دفتر۔ گھر۔ ہائیکورٹ۔ قانونی کونسل۔ ہندوستان و ولایت میں ایک ہی پالیسی کو مد نظر رکھتے رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے سیاسی مطمح نظر کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ وہ ایک دور اندیش تعلیم یافتہ۔ جاں نثار۔ عالی حوصلہ اور باحیثیت لیڈر ہیں۔ اور حکام و عوام میں یکساں معزز و ممتاز مانے جاتے ہیں۔

ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خان

پیدائش و خاندانی حالات

ہز ہائینس سر سلطان محمد شاہ آغا خان ۲ - نومبر ۱۸۷۷ء کو کراچی میں پیدا ہوئے
وہ ایران کے ایک مقتدر شیعہ خاندان سے ہیں - اور ان کا شجرہ نسب حضرت
سرور کائنات محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتا ہے - وہ شیر خدا حضرت علیؓ
رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ۴۸ ویں پشت سے ہیں - اور ان کا سلسلہ مصر کے
فاطمی خلفا سے پیوستہ ہے - سر آغا خان کے جد امجد آغا خلیل اللہ خاں -
شاہ فتح علی شاہ قاچار کے زمانہ میں اسمعیلیہ فرقہ کے مسلمہ پیشوا تھے - اور
انھیں بادشاہ ایران کے دربار اور کرمان کے گورنر کی محفل میں خاص رسائی
حاصل تھی - آغا خلیل اللہ خاں کے فرزند دلبند آغا حسین علی شاہ جو اپنے والد ماجد
کی وفات کے بعد مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے - ہندوستان کے لوگوں
میں زیادہ تر مشہور و معروف ہیں - شاہ فتح علی شاہ قاچار آغا حسین علی شاہ کی
بہت عزت کرتے تھے - اور بادشاہ موصوف نے آغا صاحب کو محلیتی اور
کرم کے علاقہ کی انتظام تفویض کر رکھا تھا - جب تک بادشاہ ایران زندہ رہے
آغا صاحب کا اقتدار ایران بھر میں بہت زیادہ رہا - مگر ۱۸۳۴ء میں شاہ فتح علی قاچار
کے ارتحال پر ملال سے آغا صاحب کی قدر و منزلت میں بھی فرق آگیا - ملک میں تخت
و تاج کے دعویداروں میں لڑائی چھڑ گئی - آغا صاحب کے لئے غیر جانبدار
رہنا بالکل ناممکن تھا - چنانچہ وہ شاہ دہیر کے پوتے محمد شاہ کے حامی بن گئے

اور محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ محمد شاہ نے آغا صاحب کو افواج ایران کا سپہ سالار اعظم بنا کر شاہ مبرور کے ایک بیٹے کے خلاف لڑائی کے لئے بھیج دیا۔ جو ابھی تک کرمان میں حکومت کرتا تھا۔ آغا صاحب نے بد قسمت شاہزادہ کو گرفتار کر کے دربار شاہی میں روانہ کر دیا۔ جہاں اُسے نابینا کر دیا گیا۔ آغا حسین علیشاہ کا مرتبہ کچھ دیر تک بلند رہا۔ لیکن بعد میں بعض سیاسی مسائل پیدا ہو گئے۔ اور آغا صاحب کو اپنے ولی نعمت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا پڑا۔ مگر چونکہ بادشاہ کی طاقت زیادہ تھی اس لئے آغا صاحب نے اطاعت قبول کر لی۔ اور انہیں محبوس کر دیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہیں معافی دی گئی۔ اور وہ رہا کر دئے گئے۔ چونکہ ابھی تک ایران کا سیاسی مطلع غبار آلودہ تھا۔ آغا صاحب کو دوبارہ بغاوت کرنی پڑی۔ مگر چونکہ بادشاہی اقتدار زیادہ تھا۔ اس لئے وہ ایران سے ہجرت کر کے اپنے چھوٹے بھائی کو ایران میں چھوڑ کر افغانستان میں سے سندھ میں آ پہونچے۔ اور اسمعیلیہ فرقہ کے لوگوں نے نہایت تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ چونکہ آغا صاحب کی رگوں میں سپاہیانہ خون جولان تھا۔ وہ ایران میں جا کر اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے بہت بیتاب تھے۔ انکے معتقدین نے روپے پیسے سے ہر قسم کی امداد کی۔ مگر آغا صاحب کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم ان کا سپاہیانہ جوش فرونہ ہوا۔ اور آغا صاحب نے امیران سندھ اور امیر افغانستان کے خلاف سرکار انگریزی کی بہت امداد کی۔ اُن کی اعلےٰ خدمات کے اعتراف میں برٹش گورنمنٹ نے آغا صاحب کو معقول پنشن کے علاوہ ہز ہائینس کا خطاب دے دیا۔ اور وہ ۱۸۴۵ء میں شہر بمبئی میں تشریف لے آئے۔ جہاں اُن کے خوجہ مریدوں نے ان کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایران کے بیرونی صوبہ یون پور میں اپنی طاقت جمانی چاہی۔

مگر سلطنت ایران کے ایما سے انہیں سکونت کے لئے کلکتہ میں بھیج دیا گیا۔ اور
انہوں نے اپنی بقیہ حیات بمبئی یا بنگلور میں ہی بسر کی۔ آغا صاحب ۱۸۸۱ء میں رحلت
کر گئے۔ اور ان کے فرزند ارجمند آغا علی شاہ بھی ۱۸۸۵ء میں وفات پا گئے۔ جن
کے بعد سر آغا خاں مسند نشین ہوئے +

سر آغا خاں کی تعلیم اور زمانہ شباب

جب آغا علی شاہ فوت ہوئے اس وقت سر آغا خاں کی عمر دس سال تھی اور
ان کی تمام ذمہ داریوں کا بوجھ ان کے کندھے پر آ پڑا۔ مگر انکی والدہ ماجدہ نے
ان کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی میں انہیں مہارت ہو گئی
اور علم تاریخ انہوں نے تھوڑے عرصہ میں ہی پڑھ لیا۔ اس کے علاوہ ان کو کھیل
کود کا شوق بھی بہت زیادہ ہو گیا۔ اور ان کی لارڈ ہیرس سے شناسائی ہو گئی۔
جو کرکٹ کے بہت شوقین تھے۔ انہیں گولف اور ہاکی کا بہت زیادہ شوق تھا
اور وہ ہمیشہ ایسی کھیلیں کھیلتے تھے جن میں دوڑنا۔ اچھلنا۔ کودنا اور پھاندنا۔
ضروری ہوتا ہے جس کے باعث ان کی جسمانی طاقت بھی بہت اچھی ہو گئی۔
اس کے علاوہ انہوں نے اپنے خوجہ مریدوں کا خیال بھی رکھا۔ جو اسمعیلیہ فرقہ سے
تعلق رکھتے ہیں۔ سر آغا خاں کو ان خوجہ معتقدین میں وہی مرتبہ حاصل ہے۔ جو
رومن کیتھولک فرقہ میں پاپائے روم کو نصیب ہے۔ انکے بعض مرید تو آغا خاں کو
خدا کا اوتار مانتے ہیں۔ اور اپنی آمدنی کا کچھ حصہ انکی نذر کرتے ہیں۔ جو
سر آغا خاں کی آمدنی کا ایک وسیع وسیلہ ہے۔ مگر سر آغا خاں پر بھی آفرین ہے کہ وہ
اس روپے کا زیادہ حصہ اپنے مریدوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح پر ہی صرف
کر دیتے ہیں۔ سر آغا خاں کا مذہبی اقتدار صرف بمبئی کی خوجہ آبادی تک ہی محدود نہیں

بلکہ انکے مرید ایشیا اور افریقہ بھر میں آباد ہیں۔ اور انہوں نے بھی اپنے مریدوں کو دیکھنے کے لئے ہندوستان، خلیج فارس کے مضافات، عرب اور افریقہ کے مشرقی ساحل کے علاقہ میں سیاحت کی ہے۔ سر آغا خاں اپنے مریدوں کی تجارتی اور صنعتی ترقی میں نمایاں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ اور انکے مرید بھی شروع سے ان پر شیفتہ و شیدا رہے ہیں۔ وہ انکے زمانۂ شباب میں نہایت گرم جوشی سے ان کے احکام پر عمل کرتے رہے ہیں چنانچہ سنہ ۱۸۹۳ء کے شروع میں جب شہر بمبئی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا فساد برپا ہو گیا۔ تو سر آغا خاں نے اپنے معتقدین کو فساد سے بالکل روک رکھا۔ جب سنہ ۱۸۹۷ء میں صوبۂ بمبئی میں قحط و طاعون کی وبا نازل ہوئی۔ سر آغا خاں نے اپنے مریدوں کی خاص حفاظت و تیمارداری کی۔ جن سے ان کے معتقدین ان کے اور بھی گرویدہ ہو گئے۔ سر آغا خاں کا حلقۂ اقتدار صرف خوجہ مریدوں تک ہی محدود نہ رہا۔ بلکہ ان کی بارعب شخصیت اور اخلاق حمیدہ کے باعث بمبئی کے مسلمان بھی ان کے اس قدر معتقد ہو گئے کہ ملکۂ معظمہ وکٹوریا آنجہانی کے جشن جوبلی میں اہل بمبئی نے اپنا ایڈریس پیش کرنے کے لئے سر آغا خاں کو شملہ میں بھیجا۔ اور لارڈ ایلجن نے دربار میں اس ایڈریس کو قبول کر لیا۔

سر آغا خاں یورپ میں

شملہ میں ایڈریس پیش کرنے کے بعد سر آغا خاں انگلستان تشریف لے گئے اور لندن میں علماء و مدبرین کے حلقہ میں وہ اپنے علم و اخلاق کی بدولت ممتاز معلوم ہوتے تھے۔ اور انگلستان کے علاوہ یورپ کے وہ جس ملک میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے انکی عزت کی۔ ملکۂ معظمہ وکٹوریا آنجہانی نے انہیں کئی مرتبہ باریابی عطا فرمائی۔ کئی بار وہ شاہی دعوت میں بلائے گئے۔ اور کئی بار انہیں ونڈسر کے قلعہ میں

سلا پاگیا جب وہ انگلستان ہی میں تھے۔ سرکار عالیہ نے اُن کی خدمات کے صلے میں جو انہوں نے شہر بمبئی میں طاعون کے زمانہ میں سرانجام دی تھیں۔ انہیں "کے۔سی۔آئی۔ای" کا اعزاز عطا فرمایا۔ سفر یورپ سے اُن کے تجربات زندگی اور معلومات میں معتدبہ اضافہ ہوگیا۔ اور وہ مغربی اقوام کی ترقی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ مغربی طرز معاشرت کے اسرار معلوم کرنے کی سر آغا خاں کو ہمیشہ خواہش رہی ہے۔ اور وہ اپنے جاہ و دولت اور اخلاق و گفتار کی بدولت یوروپین آبادی کے اعلیٰ طبقوں میں آزادی سے ملتے جلتے رہے ہیں۔ یورپ کے فرمانروا ان کی خاص عزت کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ معزول قیصر جرمنی نے بھی سر آغا خاں کو ایک خطاب دیا تھا۔ جو انہوں نے جنگ عظیم کے آغاز پر اظہار ناراضی و مخالفت میں قیصر جرمنی کو واپس کر دیا۔

مسلم یونیورسٹی کی تحریک

سر آغا خاں کا جلد ہی نواب محسن الملک اور علی گڈھ کے سرکردہ اصحاب سے تعارف ہوگیا۔ جب سر سید احمد مرحوم کے بعد علیگڈھ کالج کا انتظام نواب محسن الملک کو دیا گیا۔ تو اس وقت روپے کی بہت ضرورت تھی۔ اور انہوں نے آل انڈیا مسلم کانفرنس سے بہت زیادہ مفاد حاصل کئے۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس دہلی میں منعقد کیا گیا۔ تو نواب صاحب مغفور نے سر آغا خاں کو جلسے کی صدارت کے لئے مدعو کیا۔ اسی سال شہر دہلی میں شاہی دربار ہوا۔ اور اس وقت ہندوستان کے رؤسا و فرمانروا شہر دہلی میں موجود تھے۔ چنانچہ لارڈ کچنر انجہانی اور لارڈ نارتھ کوٹ گورنر بمبئی کے علاوہ اور کئی یورپین افسر کانفرنس کے جلسے میں شامل ہوئے۔ سر آغا خاں نے ایک مؤثر صدارتی تقریر میں اپنے مسلمان بھائیوں کو ان کی حالت زار کی طرف توجہ

دلاتے ہوئے انہیں پیغام بیداری سنایا اور علی گڈھ میں مسلم یونیورسٹی قائم کرنے کا خیال
ان کے دل میں پیدا کر دیا۔ مسلم یونیورسٹی کی تحریک جو سر آغا خاں نے کانفرنس کے
اس اجلاس میں پیش کی۔ ہندوستان کی غیر مسلم آبادی میں مقبول نہ ہوئی۔ کیونکہ علیحدگی
کا عنصر ملک کی آئندہ بہبودی میں مضر خیال کیا جاتا تھا۔ اور انکے خیال میں موجودہ سرکاری
دار العلوم تعلیمی ضروریات کو پورا کرنیکے لئے مکتفی سمجھے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ یہ بھی خیال
کیا جاتا تھا۔ کہ مسلمانوں کی اس علیحدگی سے ہندو مسلم اتحاد کو نقصان پہنچیگا۔ مگر سر آغا خاں
نے دسمبر ۱۹۰۳ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں
استقبالیہ کمیٹی کا صدر ہونے کی حیثیت میں ان دلائل کا نہایت موضح جواب دیا۔ اگرچہ
ان کی یہ تحریک اس وقت عملی طور پر کامیاب نہ ہوئی۔ مگر بعد میں ۱۹۱۰ء میں جب
مناسب موقعہ پیش آیا۔ تو سر آغا خاں نے نہایت سرگرمی سے اس تحریک کو کامیاب
بنانے کی کوشش کی۔ ان کی سرکردگی میں مسلم یونیورسٹی کے لئے تیس لاکھ روپیہ جمع کیا
گیا۔ اور اگرچہ آج تک مسلمان اپنی یونیورسٹی نہیں بنا سکے۔ لیکن اس سرمایہ سے انہیں
تعلیمی میدان میں بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے +

سر آغا خاں وائسرائے ہند کی قانونی کونسل میں

کانفرنس کے اجلاس کی صدارت سے سر آغا خاں کو اپنے ملک و ملت کی بہبودی کا
خیال پیدا ہو گیا۔ اور وہ ہمیشہ قومی خدمت کرتے رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد انہیں حضور
وائسرائے ہند کی قانونی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا۔ اور اُنھوں نے اس کونسل میں اپنے
فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ کونسل میں وہ علم ابتدائی تعلیم کے مسئلہ پر
زور دیتے رہے۔ اور انکی تقریروں میں اس قدر اعتدال و استدلال پایا جاتا تھا۔ کہ حکام
و عوام دونوں ان کی تعریف کرتے رہے ہیں +

آل انڈیا مسلم لیگ کی قائمی

مسلمانوں کی حالت سیاسی نقطۂ خیال سے اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ سیاسیات کے میدان کے نزدیک آنے سے بھی ترساں ولرزاں رہتے تھے۔ سیاسی امور میں ہندو بھائیوں سے علیحدہ رہنے کے باعث اُنکی سیاسی حالت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ مگر مسلمانوں میں بعض ایسے بیدار مغز اصحاب موجود تھے۔ جو حالات کی رَو کو تاڑ رہے تھے۔ گورنمنٹ انڈیا لارڈ مارلے کی ہمدردانہ رہنمائی سے حضور وائسرائے کی آئینی کونسل کی توسیع پر مائل تھی۔ اور ملک کے آئینی انتظام میں بھی تبدیلی کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کو بسلسلۂ عامہ کی زندگی کے لئے اپنے حقوق کی حفاظت کی غرض سے ایک سیاسی انجمن قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ سرآغا خاں کے دل میں آل انڈیا مسلم لیگ کی قائمی کا خیال ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوا۔ اُنہوں نے اس کا ذکر نواب محسن الملک سے کیا۔ اور جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد کیا گیا۔ تو نواب سلیم اللہ خاں نے لیگ کی قائمی کی تحریک پیش کی جو اسی سال قائم کی گئی۔ دوسرے سال کراچی میں ایک اجلاس کر کے لیگ کا آئین وضع کیا گیا۔ سرآغا خاں کو لیگ کا پریذیڈنٹ بنایا گیا۔ اور لیگ میں ان کی شمولیت سے مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔ کیونکہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی قوم کو منزل مقصود کی درست راہ بتلاتے رہے۔ بعض حلقوں میں لیگ کو کسی خاص فرقہ کی تحریک سمجھ کر اسکی مخالفت کیگئی۔ اور اسے قومی اتحاد کا مانع خیال کیا گیا لیکن سرآغا خاں اور دیگر مسلمان لیڈر لیگ کی اہمیت کو بخوبی جانتے تھے۔ اور انہوں نے اس کی تحریک کے لئے سرگرمی سے کام کیا۔

مسلمانوں کی کونسل میں قائمقامی

آل انڈیا مسلم لیگ کی بدولت مسلمانوں کو قانونی کونسل میں قائمقامی ذرا زیادہ وسیع پیمانہ پر حاصل ہوگئی۔ ہندوستان کے بعض لوگ لیگ کو ملکی مفاد کا منضاد جانتے تھے۔ مگر سر آغا خاں کو صحیح اور مفید نتائج کا یقین تھا۔ جنوری ۱۹۱۰ء میں جب لیگ کا اجلاس دہلی میں منعقد کیا گیا۔ اُنہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں آئینی اصلاحات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے لیگ کے مستقبل پر نہایت وضاحت سے بحث کی۔ اور حاضرین نے لیگ کے مفید نتائج کو تسلیم کر لیا +

ہندو مسلم اتحاد

اگرچہ سر آغا خاں آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر ہونے کی حیثیت میں مسلمانوں کی نمائندگی پر زیادہ زور دیتے رہے ہیں۔ مگر انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کی بہبودی کا خیال رکھتے ہوئے انہوں نے ہندو مسلم تعلقات پر خاص توجہ دی ہے اور وہ اپنی تقریروں میں مسلمانوں کے دل پر ہندو بھائیوں کے خیالات کے صحیح مفہوم کی ضرورت کو ہمیشہ نقش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے مسلم یونیورسٹی کی تدریس میں زبان سنسکرت کی تعلیم کو محض ہندو مسلم اتحاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی خاص اہمیت دی تھی۔ سر آغا خاں ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ اور مِلکر کام کرنے کی ضرورت پیش نظر رکھتے رہے ہیں۔ چنانچہ یہ سر آغا خاں کی کوشش کا ہی نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۹۱۱ء میں ہندو مسلم کانفرنس منعقدہ الہ آباد میں سر آغا خاں اور سر ولیم ویڈربرن کے علاوہ مسٹر بینرجی۔ پنڈت مالوی جی -

سرابراہیم رحمت اللہ۔ نواب ذوالفقار الملک۔ سید حسن امام مسٹر مظہر الحق اور مسٹر محمد علی جناح جیسے سرگروہ لیڈر شامل ہوئے تھے۔ اور اس کانفرنس میں ہندو مسلمانوں کے اختلافات کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک کمیٹی مرتب کیگئی تھی۔ جس کی کوشش سے دونوں قوموں کے مذہبی اختلافات اب کینہ و عداوت کا موجب نہیں ہے۔ اور دونوں قومیں اتحاد کی گرویدہ ہوگئی ہیں۔ سر آغا خاں کو اس بات کا یقین تھا۔ کہ کسی زمانہ میں سیاسی ضروریات کے باعث ہندؤں اور مسلمانوں کو اپنے مذہبی اختلافات کو بالائے طاق رکھنا پڑیگا۔ کیونکہ وہ ایک ہی شاہراہ پر گامزن ہیں اور انکی منزل مقصود ایک ہی ہے۔ سر آغا خاں سیاسی امور کو ہمیشہ وسیع النظری سے دیکھتے رہے ہیں۔ اور مسٹر گوکھلے آنجہانی بھی کئی بار انکی سیاسی وسیع النظری کا اعتراف کرتے رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو ہندو بھائیوں کی دلازاری سے ہمیشہ روکتے رہے ہیں۔ چنانچہ لارڈ کرزن کے زمانہ میں جب مشرقی بنگال کی مسلمان آبادی کی بہبودی کے لئے تقسیم بنگال کی گئی۔ تو اُس وقت بنگال کی ہندو آبادی نہایت مشتعل ہوگئی۔ اور ۱۹۱۲ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کی گئی۔ اگرچہ مسلمانوں کو اس سے رنج ہوا۔ مگر اُنہوں نے شوریدہ سری کی روک تھام کے لئے خود ضبطی سے کام لیا۔ اور یہ مسلمان لیڈروں کی وسیع النظری اور فراخ دلی کا نتیجہ تھا۔ سر آغا خاں ہندؤں اور مسلمانوں کے کشیدہ تعلقات پر ہمیشہ اظہار تاسف کرتے رہے ہیں۔ اور وہ ہر ایک طریق پر دونوں ہمسایہ اقوام کے باہمی اتحاد کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ وہ ہندؤں کے رفاہ عام کے لئے بعض ہندو انسٹی ٹیوشنوں میں باقاعدہ چندہ دیتے ہیں۔ اور اُنہوں نے دکن کی تعلیمی سوسائٹی اور ہندو یونیورسٹی کے لئے بھی رقوم دی تھیں۔ اگرچہ ہم ہندو یونیورسٹی کی قائمی کے سلسلہ میں سر آغا خاں کا کوئی بیّن حصّہ نہیں دیکھتے۔ مگر ہندو لیڈروں

کو اُن کے مشورہ سے اکثر اوقات فائدہ پہنچتا رہا ہے۔ اور سر آغا خاں کاشی کے مقدس شہر میں دریائے گنگا کے پوتر پانی کے کنارے ہندو یونیورسٹی کی قائمی سے بہت خوش ہوئے ہیں +

جنوبی افریقہ کا سوال

سر آغا خاں ہندوستانیوں کی بہبودی کے لئے صرف ہندوستان میں ہی کوشش نہیں کرتے بلکہ وہ دیگر ممالک میں رہنے والے ہندی بھائیوں کی بہبودی کے بھی خواہاں ہیں۔ جنوبی افریقہ اور دیگر نوآبادی میں رہنے والے ہندوستانی لوگوں کی فلاح کے وہ ہمیشہ خواہاں رہے ہیں۔ اور جب جنوبی افریقہ میں ہندی لوگوں کا مسئلہ موجب تشویش اور باعث آشوب تھا۔ اس وقت سر آغا خاں نے مہاتما گاندھی کی معقول امداد کی تھی۔ ہندوستان و فرنگستان میں اپنی تقریر و تحریر میں وہ ایشیائی قوموں سے حسن سلوک کے متعلق زور دیتے رہے ہیں۔ اور مختلف ممالک میں اپنے دوران سیاحت میں وہ مدبرین کو ہندوستانی لوگوں کی تمناؤں سے آگاہ کرتے رہے ہیں +

سر آغا خاں کی سیاسی قابلیت

سر آغا خاں ہندوستان کی بہبودی پر اثر ڈالنے والے سیاسی معاملات کے متعلق نہایت احتیاط۔ استدلال اور اعتدال سے رائے دیتے رہے ہیں۔ وہ مسٹر گوکھلے اور سر فیروزشاہ مہتہ کے ہم خیال طبقہ میں سے ہیں۔ اور ان دونوں بزرگوں کے حین حیات میں وہ انکی ہمیشہ عزت و توقیر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ جب سر فیروزشاہ مہتہ کے انتقال کی خبر ولایت میں پہنچی تھی۔ تو سر آغا خاں نے ایک جلسہ میں اظہار ملال کرتے ہوئے مہتہ مرحوم کی سیاسی قابلیت کے متعلق ایک طویل تقریر کی تھی +

ہندوستان اور سیلف گورنمنٹ

سر آغا خاں کو ہندوستان کے شاندار مستقبل کا یقین کامل ہے۔ اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے زیر عاطفت سیلف گورنمنٹ ضرور مل رہیگی۔ اور وہ اپنے ابنائے وطن سے ترقی اور محنت کی التجا کرتے ہیں تاکہ سلطنت انکی قابلیت کو تسلیم کرے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۱۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی اس شاخ کے جلاس میں جو لنڈن میں قائم ہے سر آغا خاں نے سیلف گورنمنٹ کے متعلق ایک موضح اور مشرح تقریر میں اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا تھا۔

دوران جنگ میں سر آغا خاں کی امداد

سر آغا خاں نے مسٹر گوکھلے آنجہانی کے ساتھ ملکر اصلاحات کی تجویز تیار کرنے کے ذمہ دار حکام کے سامنے پیش کی تھی۔ اور ہندوستانیوں کو انکی جنگی خدمات کے باعث ان اصلاحات کی ترویج کا مستحق قرار دیا گیا۔ سر آغا خاں شہنشاہ معظم کے ہمیشہ وفادار رہے ہیں۔ وہ دوران جنگ میں اچھی خدمات بجا لاتے رہے ہیں۔ اور شہنشاہ معظم نے انکی اعلےٰ خدمات کے صلہ میں انہیں اعزاز عطا کرنے کے علاوہ انکے لئے گیارہ توپوں کی سلامی کا حکم دے رکھا ہے۔ اور عمر بھر کے لئے انہیں صوبہ بمبئی کا رئیس درجہ اول قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو اتحاد یورپ سے آگاہ کرنے کے لئے سر آغا خاں نے جنوبی افریقہ کی لڑائی اور اس جنگ عظیم میں بھی فوجی کام کے سلسلہ میں اپنی ذاتی خدمات شہنشاہ معظم کے روبرو پیش کی تھیں۔ اور اگرچہ انہیں شروع میں کوئی فوجی تربیت نہیں دی گئی تھی مگر وہ فوجی ایثار دکھانے کے لئے ہمیشہ بیتاب رہتے تھے؛

انگلستان پر سر آغا خاں کا اعتماد

سر آغا خاں انگلستان و ہندوستان کے تعلق کو ازلی تعلق سمجھتے ہیں اور ہندوستان کی بہبودی کیلئے انہیں انگلستان پر اعتماد کامل ہے۔ وہ انگلستان میں ہندوستانیوں کے خیالات کی صحیح ترجمانی کرتے رہے ہیں۔ اور انگلستان و ہندوستان کے باہمی اخلاص کے خواہاں ہیں۔ چنانچہ انہیں انگلستان سے اس قدر انس ہے کہ وہ اپنا وقت زیادہ تر ولایت میں ہی بسر کرتے ہیں شہنشاہ معظم سے انہیں خاص لگاؤ ہے۔ اور وہ زیادہ تر انگلستان کے شرفا کے درمیان رہتے سہتے ہیں +

سر آغا خاں کا اپنے معتقدین سے سلوک

ہندوستان میں سر آغا خاں کو یہ رسوخ و اقتدار اپنے آبا و اجداد کی نجابت اور روحانی قدر و منزلت کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مریدوں سے نہایت مروت سے پیش آتے ہیں۔ اور مصیبت میں ان کی تن دہی سے امداد کرتے ہیں جن لوگوں کو لاہور اور سیالکوٹ میں سر آغا خاں کے خیر مقدم کے عظیم الشان انتظام دیکھنے یا اس کی کیفیت سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سر آغا خاں اپنے معتقدین میں کس قدر ہر دلعزیز ہیں۔ اور وہ ان سے کس التفات و سلوک سے پیش آتے ہیں۔ جو رقوم سر آغا خاں کو نذرانہ کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے وہ کثیر حصہ اپنے مریدوں کی رفاہیت کے لئے بڑی فراخ دلی سے ہی صرف کر دیتے ہیں۔

ادنے سے ادنے پایہ کا مُریدان کا دیدار اور ان سے گفتگو کرسکتا ہے اور وہ اپنی شفقت پدرانہ سے اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ آجکل کے اولیا کے لئے یہ بات واقعی حیرت کا موجب ہوگی۔ کہ انگریزی لباس اور انگریزی اوضاع واطوار کا شخص یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے۔ مگر ہمارے اس بیان کی صداقت کو وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جو اسمعیلیہ فرقہ کے جماعت خانہ میں جاکر کبھی سر آغا خاں کے زائر ہوئے ہیں ۔

سالار جنگ

تمہید

پچیس تیس سال کا عرصہ گذرا جبکہ ریاست حیدر آباد دکن سالار جنگ کی انتظامی قابلیت سے بہرہ اندوز تھا۔ ان کے بعد سرکار دکن کی قلمرو خداداد میں وزارت کے سلسلہ میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ مگر سالار جنگ کے زبردست انتظام پر کسی شخص کو بھی نکتہ چینی کا موقع نہیں ملا۔ ان کے بعض مداح اصحاب نے یہ بات لکھی ہے کہ ہندوستان کے مالی انتظام میں جو دسترس سالار جنگ کو حاصل تھی۔ وہ آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ ایک اور مورخ کا بیان ہے کہ آئندہ دو سو یا تین سو سال تک ہندوستان میں سرٹی مادھوراؤ اور سالار جنگ جیسے دوالوالعزم اور قابل آدمی مشکل سے ہی پیدا ہونگے۔ ایک تیسرے صاحب رقمطراز ہیں۔ کہ سالار جنگ اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے ہندوستان کے بہترین منتظمین کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ اور حیدر آباد کی ریاست کو موجودہ فروغ زیادہ تر انہی کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ ان اعلےٰ تحصیلات اور وسیع سیاسی تجربات کی طفیل ہندوستان کے لوگ سالار جنگ کی عزت کرتے اور ان کے تدبر کو قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

خاندانی حالات

بہمنی سلطنت کے آخری ایام میں سالار جنگ کے خاندان نے دکن کے

معاملات میں نمایاں طور پر دخل دینا شروع کیا۔ اور سر سالار جنگ کے آبا و اجداد اول
شاہجہانی خاندان کے بادشاہوں مغلیہ شہنشاہوں اور حیدرآباد دکن کے فرمانرواؤں
کے ہمیشہ وفادار رہے۔ ان کا خاندان مدنی الاصل تھا۔ اور ان کے مورث اعلیٰ
کو شاہان بیجاپور نے اعلیٰ مراتب عطا کر رکھے تھے۔ اس وقت مغل بادشاہ اورنگزیب
دکن میں مصروف تھے۔ اور سر سالار جنگ کے مورث اعلیٰ کے بیٹے نے شاہان
دہلی کے ہاں ملازمت اختیار کر لی چنانچہ شاہجہان آباد اور کشمیر کی دیوانی انکے پاس
رہی۔ سر سالار جنگ کے خاندان میں سے شیخ محمد تقی کا آصف جاہ نظام الملک
سے تعلق ہو گیا حشمت مغلیہ کے زوال پذیر ہونے پر محمد تقی کا بیٹا شمس الدین کو نظام
اول کے دربار میں رسائی حاصل تھی۔ نظام صلابت جنگ کے زمانہ میں
شمس الدین کو ہفت ہزاری بنایا گیا۔ اور انہیں نواب منیر الملک کا خطاب بھی عطا
ہوا۔ اس کے بعد انہیں دکن کے صوبوں کا دیوان بنایا گیا۔ شمس الدین کے پوتے
منیر الملک ثانی نے نظام سکندر جاہ کے وزیر اعظم میر عالم کی لڑکی سے عقد کر لیا۔
۱۸۰۸ء میں میر عالم کی وفات پر نواب منیر الملک ثانی نظام حیدرآباد کے وزیر اعظم
مقرر کئے گئے۔ اور وہ ۲۴ سال تک اس عہدہ جلیلہ پر سرفراز رہے۔ نواب منیر الملک
ثانی کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے بڑا بیٹا سر سالار جنگ کا باپ
تھا۔ اور چھوٹا صاحبزادہ سراج الملک ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۳ء تک حیدرآباد
کا وزیر اعظم رہا۔ سراج الملک کی وفات پر سالار جنگ ۲۴ سال کی عمر میں حیدرآباد
کے وزیر اعظم مقرر ہوئے ٭

ابتدائی حالات

نواب میر تراب علی خان سر سالار جنگ سراج الملک مختار الملک ۲ جنوری ۱۸۲۹

کو پیدا ہوئے تھے بچپن ہی میں وہ یتیم ہو گئے۔ اور ان کے دادا منیر الملک ثانی نے وصیت
نامہ میں انہیں اپنے دوسرے صاحبزادے سراج الملک کے سپرد کیا۔ منیر الملک ثانی
کو سر سالار جنگ سے اس قدر محبت تھی کہ ایک بار سر سالار جنگ کو تپ محرقہ لاحق ہو گیا
اور کئی روز تک وہ نازک حالت میں رہے۔ اس پر آپکے دادا نے قدیم ایشیائی رسم کے
مطابق اپنی جان سالار جنگ کے لئے تصدق کرنی چاہی۔ چنانچہ شہنشاہ بابر
کی مانند انہوں نے بھی دعا کی۔ ہمایوں کی طرح سالار جنگ شفا یاب ہو گئے۔ اور
بابر کی مانند منیر الملک ثانی بیمار ہو کر رحلت کر گئے۔ سالار جنگ کے چچا
سراج الملک نے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ تیرہ سال تک سر سالار جنگ کو کوئی
متواتر اور باقاعدہ تعلیم نہ دی گئی۔ اور جو تعلیم دی بھی گئی وہ اتنی اعلےٰ نہیں تھی۔
جس کی بدولت وہ وزارت کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے۔ انکی صحت کمزور
تھی۔ اور مالی مشکلات ان کی ترقی میں سدِ راہ ہوئیں۔ انکے دادا منیر الملک
کے ذمہ ۲۵ لاکھ روپیہ کی رقم بطور قرض تھی۔ اور نظام ناصر الدولہ نے اپنی
گرہ سے اپنے وزیر اعظم کا قرض ادا کر کے انکی جاگیروں کو بطور ضمانت اپنے قبضہ
میں لے لیا۔ مگر سراج الملک نے سالار جنگ کی پرورش نہایت اچھے طریق پر کی۔
وہ سات سال تک ایک اتالیق سے فارسی اور عربی پڑھتے رہے۔ اس وقت
حیدر آباد میں انگریزی تعلیم مروج نہیں تھی۔ اور سر سالار جنگ نے انیس سال کی
عمر میں انگریزی زبان کو سیکھنا شروع کیا۔ وہ ایک پورشین استاد سے روزانہ
آدھ گھنٹہ تک انگریزی پڑھا کرتے تھے۔ اور وہ انگریزی زبان میں ایسے قابل ہو گئے
کہ ان کے آخری ایام میں سر [illegible] نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ سالار جنگ
بچپن میں ہی شہسواری کے شائق تھے۔ اور ان میں کاروباری ملکہ بھی موجود تھا
چنانچہ وہ اپنی جاگیروں کے حساب کتاب کا خود ہی معائنہ کیا کرتے تھے +

ملازمت کا آغاز

۱۸۴۷ء میں سالار جنگ کو تلنگانہ کے بعض اضلاع کا تعلقدار (کلکٹر)
مقرر کیا گیا۔ جو اس وقت مسٹر ڈیٹن نامی ایک انگریز صاحب کے زیر انتظام تھے اس طرح
پر انہیں ریاست کے انتظامی کاروبار سے واقفیت ہونے لگی۔ اور وہ صیغہ مال کے
انتظام کو بخوبی سمجھ گئے۔ اب سرکار نظام نے بھی سراج الملک کی بعض جاگیریں واپس کردیں
اور سالار جنگ کو ان جاگیروں کے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا۔ پانچ سال تک
سالار جنگ اپنی جاگیروں کی حالت کی اصلاح کے لئے اس محنت سے کام کرتے رہے
کہ انکی آمدنی میں بھی اضافہ ہوگیا۔ اور وہ زمینداری کے اصولوں سے بخوبی واقف ہوگئے۔

سالار جنگ وزیر اعظم بنائے گئے

سراج الملک ۲۴ اپریل ۱۸۵۳ء کو فوت ہو گئے۔ اور وزیر اعظم کا انتخاب
ایک معمہ بن گیا۔ اس وقت سالار جنگ کی عمر چوبیس سال تھی۔ لالہ بہادر کے علاوہ
سرکار نظام کے دوستوں اور نظر اصحاب کی سفارش سے سالار جنگ ۳۱ مئی ۱۸۵۳ء
کو حیدرآباد کے وزیر اعظم مقرر کئے گئے۔ اس وقت ریاست کی حالت نہایت خراب
تھی۔ گذشتہ دس سال کے اندر انتظامی اور مالی مشکلات نے لوگوں کو تنگ کردیا تھا۔
اور سالار جنگ کو نہایت تن دہی سے کام کرنا پڑا۔ ۱۸۵۸ء تک انہوں نے
ملک میں کئی اصلاحات کو جاری کردیا جس کے باعث خود غرض لوگ ان سے
بہت برہم ہوئے۔ سب سے پہلے نوجوان وزیر کی لالہ بہادر سے مخالفت ہوئی۔ اور
لالہ بہادر نے سالار جنگ کی علیحدگی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اگر ریاست
میں سالار جنگ جیسا کوئی اور قابل اور برآمد آدمی ہوتا۔ تو ممکن تھا کہ سالار جنگ

کو وزارت کا عہدہ چھوڑنا پڑا۔

۱۸۵۷ء کا غدر دہلی

مئی ۱۸۵۷ء میں دہلی کے مضافات میں غدر ہو گیا۔ اور دکن کے تمام مسلمانوں کی توجہ سرکار نظام کی طرف مبذول ہو گئی۔ شمالی ہندوستان میں بغاوت طوفان کی طرح پھیل گئی۔ حیدرآباد کی آبادی کو خاندان مغلیہ سے رغبت تھی۔ اور وہ باغیوں کی حمایت کے لئے تیار تھے۔ شمالی ہندوستان کی افواہوں کی شنید سے حیدرآباد کے مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور بعض لوگوں نے سرکار انگریزی کے خلاف علانیہ زہر اگلنا شروع کر دیا۔ اور شہر کے لوگ بازار میں جمع ہو کر برٹش راج کے خلاف آمادہ پیکار ہو گئے۔ سالار جنگ کو عہدۂ وزارت پر متمکن ہوئے ابھی چار سال ہی گذرے تھے۔ مگر انہوں نے نہایت اعلےٰ قابلیت کی بدولت حیدرآباد کے لوگوں کی بے چینی کو فرو کر دیا۔ اسی سال نیا نظام مسند نشین ہوا۔ اور رزیڈنٹ کو مسند نشینی کی رسم ادا کرنے کے بعد واپس آ کر گورنر جنرل کی طرف سے ایک تار ملا جس میں دہلی کے باغیوں کے قبضہ میں آ جانے کی خبر تھی۔ رزیڈنٹ نے سر سالار جنگ کو بلا کر ان سے یہ خبر کہی۔ مگر سالار جنگ نے جواب دیا کہ شہر میں تو یہ خبر تین دن سے مشہور ہے (ناظرین روم ایجنسی کی سرعت کا ملاحظہ فرمائیں) بہت سے لوگ جو برطانیہ اعظم کے وسائل سے ناواقف تھے۔ شہر دہلی کے برٹش قبضہ سے جاتے رہنے کو ہی برٹش راج کا خاتمہ تصور کرتے تھے۔ اگر سر سالار جنگ چاہتے تو وہ باغیوں کی حمایت کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے لوگوں کے درمیان انقلابی خیالات کی روک تھام کے لئے ہر طرح سے کوشش کی۔ تاہم شہر کے پرجوش

لوگوں پر وہ قابو نہ پاسکے۔ ۱۲۔ جون کو شہر کے بازاروں میں باغیانہ اشتہار چسپاں دیکھے گئے۔ جن میں متعصب علما نے لوگوں کو سرکار انگریزی کے خلاف لڑنے کا اشتعال دلایا تھا۔ دوسرے روز شہر کی بڑی مسجد میں ایک رنگین جھنڈا نصب کیا گیا۔ اور ادنے طبقہ کے لوگ اس جھنڈے کے گرد جمع ہوئے اور دو آدمیوں نے لوگوں کو اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ جو مولوی اس وقت وعظ کر رہا تھا۔ اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور وزیر کے حکم سے لوگوں کو منتشر کر دیا گیا۔ ایک فقیر سرکار انگریزی کے خلاف جہاد کا اعلان کر رہا تھا۔ مگر اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ چند وفادار عرب سپاہیوں کی مدد سے شہر میں امن قائم کیا گیا اور دروازوں کے پہرہ داروں کو حکم ملا۔ کہ اگر کوئی شخص سرکار انگریزی کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلاتا ہوا دیکھا جائے۔ تو اس پر فی الفور فائر کر دیا جائے ایک انگریز فوجی افسر کا بیان ہے۔ کہ صرف اُن تدابیر سے ہی جنوبی ہندوستان بغاوت سے بچ گیا۔ حالت اس قدر نازک تھی۔ کہ گورنر بمبئی نے رزیڈنٹ کو نظام سے مدد لینے کے لئے تار دیا۔ اور نظام حیدرآباد نے بھی نہایت فراخدلی سے سرکار انگریزی کی امداد کی۔ اور سالار جنگ کے حسن تدبر سے نظام حیدرآباد سرکار کی امداد و حمایت پر مائل ہو گئے۔ حیدرآباد میں رزیڈنسی کی عمارتیں شہر کے نزدیک مگر چھاؤنی سکندرآباد سے کچھ فاصلہ پر واقع ہیں۔ طرہ باز خاں اور علاؤالدین کی سرکردگی میں پانچ سو روہیلوں اور چار ہزار مفسدوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ان عمارتوں کے گرد کوئی فصیل نہیں ہوتی تھی۔ سالار جنگ کو اس حملہ کی پہلے سے ہی خبر ہو گئی۔ اور اُنہوں نے ریاست کے رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن کو پہلے ہی اطلاع دیدی۔ رزیڈنٹ نے سکندرآباد سے فوج منگالی اور جب یہ فوج موقعہ پر آپہنچی۔ تو سالار جنگ نے عرب سپاہیوں کی ایک جماعت

بھی اس فوج کے ساتھ شامل کر دی۔ فوج نے باغیوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ ایک لیڈر کو گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔ اور کئی لوگ گرفتار کر کے جلا وطن کر دیئے گئے بعض سرغنے قتل کر دیئے گئے۔ اور بعض نظام حیدر آباد کی گورنمنٹ سے پناہ لینے کے لئے حیدر آباد میں دوڑ گئے۔ مگر وزیر نے ان باغیوں کو سزا کے لئے رزیڈنٹ کے حوالے کر دینے کا حکم جاری کر دیا۔ اس پر تمام لوگوں نے حیدر آباد کی بڑی مسجد میں جمع ہو کر علماء کا ایک وفد سرکار نظام کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ ان لوگوں کو رہا کر دیا جائے۔ جو رزیڈنسی پر حملہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر لوگوں کے اس ہجوم کو منتشر کر دیا گیا۔ اور لوگوں نے رزیڈنسی کے پاس جمع ہو کر اس عمارت کے دروازے توڑ دیئے لیکن ان پر آتشباری شروع کر کے ان کو پیچھے ہٹا دیا گیا۔ لوگوں کے انقلابی جوش و خروش کے خاتمہ پر سرکار دکن نے سرکار انگریزی کی غدر کے دوران میں نہایت فراخی سے امداد کی۔ اور جب غدر کا خاتمہ ہو گیا۔ تو جولائی ۱۸۶۰ء میں سرکار کی طرف سے سرکار دکن کو برطانیہ اعظم کے مصنوعات قیمتی ایک لاکھ روپیہ پیش کئے گئے۔ اور تیس ہزار کی رقم سالار جنگ کی نذر کی گئی۔ رائے چور اور دھاراسیو کے اضلاع کے علاوہ شوراپور کی چھوٹی سی ریاست بھی سرکار دکن کی قلمرو میں شامل کر دی گئی +

سالار جنگ کے خلاف سازش

سالار جنگ نے جو رویہ غدر کے ایام میں اختیار کیا۔ اس کے باعث لوگ ان کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ ۱۵ مئی ۱۸۵۹ء کو جب وہ رزیڈنٹ کی معیت میں نظام کے دربار ہال سے باہر نکلے تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ ایک رہیلے نے ان پر ایک کارتوس چھوڑا جس سے انکے کسی ملازم کو زخم آیا۔ مگر وہ خود بال بال بچ گئے

بخیر رہے - اس پر بھی قاتل شمشیر بکف ہو کر اُن پر لپکا - مگر سرکار دکن کے پہرداروں نے اس قاتل کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا - ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں - کہ سر سالار جنگ اصلاحات کے خواہاں تھے - جن کے باعث بعض لوگ اُن کے مخالف ہو گئے تھے - چنانچہ ۱۸۶۱ء میں انکو وزارت سے علیحدہ کرنے کے لئے سازش کی گئی - حاسدوں نے نظام کو کہدیا کہ رزیڈنٹ سالار جنگ کی وزارت سے علیحدگی کا متمنی ہے - اور جب دوران ملاقات میں نظام نے سر سالار جنگ کی علیحدگی کا رزیڈنٹ سے ذکر کیا - تو رزیڈنٹ اس بات کے سننے سے بہت متعجب ہوا - مگر رزیڈنٹ نے سرکار دکن کو مشورہ دیا - کہ وہ سالار جنگ کو بالکل علیحدہ نہ کریں - رفتہ رفتہ اس سازش کا راز ظاہر ہو گیا - اور سالار جنگ سرکار دکن کے بہت زیادہ منظور نظر ہو گئے - چنانچہ دربار عید میں سرکار دکن نے سالار جنگ کو جواہرات پیش کئے - اور جب سالار جنگ ایک بار گھوڑے سے گرنے کے بعد تندرست ہوئے - تو سرکار دکن نے اِن کی صحت پر غریب لوگوں کو خیرات تقسیم کی - ۱۸۶۶ء میں ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی نے سر سالار جنگ کو "کے سی ایس آئی" کا اعزاز مرحمت کیا - ۱۸۶۷ء میں سرکار دکن اور سالار جنگ کے تعلقات پھر کشیدہ ہو گئے - گورنمنٹ ہند نے محروموں کی باہمی حوالگی کے متعلق سرکار دکن کے ساتھ ایک عہدنامہ کرنے کی تجویز پیش کی - نظام نے اس بات کو غیر موزون سمجھ کر سر سالار جنگ کو اس تجویز کا ذمہ دار قرار دیا - اس موقعہ پر دو افسروں میں سے ایک افسر فوت ہو گیا - جو سرکار دکن اور سر سالار جنگ کے درمیان خفیہ طور پر وکالت کرتے تھے اور نظام نے لشکر جنگ کو اس عہدہ پر مقرر کر دیا - جو سر سالار جنگ کا جانی دشمن تھا - اس پر سر سالار جنگ مستعفی ہو گئے - مگر ریاست کے رزیڈنٹ سر جارج یول کی مداخلت

سے وہ وزیر اعظم کا کام کرتے رہے۔ جنوری ۱۸۶۸ء میں بھی سر سالار جنگ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جبکہ وہ دربار عید میں شامل ہونے کے لئے سرکار دکن کے محل کی طرف جا رہے تھے۔ ان پر دو گولیاں چھوڑی گئیں جن میں سے ایک گولی تو ان کے عمامہ سے چھو کر گر پڑی اور دوسری گولی سے ان کا ایک ملازم زخمی ہو گیا۔ نظام سر سالار جنگ کی خیر خیریت سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے آتشگیر اسلحہ کے متعلق ایک فرمان جاری کر دیا۔ جب قاتل کی تفتیش کی گئی۔ تو قاتل ایک ایسا شخص نکلا۔ جو سر سالار جنگ کی انتظامی اصلاحات کے مخالف تھا ۔

یوروپ کی سیاحت

۱۸۷۵ء میں شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم انجہانی اپنے ایام شاہزادگی میں ہندوستان میں تشریف لائے۔ انکی رفاقت میں ڈیوک آف سدرلینڈ حیدرآباد سے روانہ ہوئے۔ تو انہوں نے سر سالار جنگ کو انگلستان میں تشریف لانے کی دعوت دی چنانچہ سر سالار جنگ ۱۸۷۶ء کے موسم گرما میں ولایت کی طرف روانہ ہو گئے۔ ۷۔ اپریل ۱۸۷۶ء کو لارڈ نارتھ بروک کی واپسی پر لارڈ لٹن بمبئی میں وارد ہوئے اور سر سالار جنگ ان کے خیر مقدم کے لئے جہازوں کی گودی میں تشریف لے گئے وائسرائے ہند کے بمبئی میں وارد ہونے سے ایک دن بعد یعنی ۸۔ اپریل ۱۸۷۶ء کو سر سالار جنگ بمبئی سے روانہ ہو کر ۵ مئی ۱۸۷۶ء کو روم (اٹلی) میں جا پہنچے۔ اٹلی میں وکٹر امانوئیل بادشاہ اٹلی اور پاپائے روم سے انکی ملاقات ہوئی روم و نیپلز اور اٹلی کے مشہور مقامات کو دیکھنے کے بعد سر سالار جنگ ۱۳ مئی کو پیرس میں وارد ہوئے۔ پیرس کے گرانڈ ہوٹل میں زینے سے ۱۴ مئی کی شام کو سر سالار جنگ کا پاؤں پھسل گیا۔ اور انکی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انہیں علاج کے لئے ہوٹل

میں ہی رہنا پڑا۔ اور ان کے باون رفیق بھی ان کی خدمت کرتے رہے۔ حتٰی کہ مئی کے آخر میں سر سالار جنگ تندرست ہونے کے بعد یکم جون ۱۸۷۶ء کو پیرس سے روانہ ہوئے۔ اور فوکرسٹون میں ڈیوک آف سدرلینڈ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ سر سالار جنگ ابھی چلنے پھرنے کے ناقابل تھے۔ اور انگلستان کے ملاح ان کو اٹھا کر کنارے پر لے گئے۔ ولایت میں انکی خدمات کا چرچا ہو چکا تھا۔ اور فوکرسٹون کے میئر نے ان کو استقبالیہ ایڈریس پیش کیا۔ جب تک وہ ولایت میں رہے۔ لوگ ان کی عزت کرتے رہے۔ اور ولایت کے اخبارات ان کی تعریف کے زمزمے گاتے رہے۔ چونکہ ران کی ہڈی کے ٹوٹ جانے سے وہ چلنے پھرنے کے ناقابل تھے۔ اسلئے شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم اور شاہی خاندان کے اراکین ان کی ملاقات کے لیے لنڈن میں ان کی جائے قیام پہ آیا کرتے تھے۔ ۲۰ جون ۱۸۷۶ء کو بادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے جو ابھی اپنے ایام شہزادگی میں تھے سر سالار جنگ کے اعزاز میں ایک پرتکلف دعوت دی۔ جس میں انگلستان کے سرکردہ مدبر شرفا اور ہندوستان کے بوڑھے افسر مدعو کیئے گئے۔ ۲۱ جون کو سر سالار جنگ آکسفورڈ میں تشریف لے گئے جہاں انھیں ڈی سی ایل کی اعزازی سند پیش کی گئی۔ مارکوئس آف سالسبری (وزیر ہند) ۳ جولائی ۱۸۷۶ء کو سر سالار جنگ کو ونڈسر کے قلعہ میں ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی کی خدمت میں لے گئے۔ اور انہوں نے شاہی خاندان کے اراکین کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا۔ ۴ جولائی کو انہوں نے وول وچ کا میگزین اور لنڈن کی گودیوں کا معائنہ کیا۔ ۵ جولائی کو سر سالار جنگ قصر شاہی میں ناچ دیکھنے کے لئے گئے۔ ۶ جولائی کو مارکوئس آف سالسبری نے انکی دعوت کی۔ اور سر سالار جنگ چند دن کے بعد ولیعہد سلطنت کے اعزاز میں دعوت دی

جب سالار جنگ لنڈن ٹرنیتھم کی طرف روانہ ہوئے۔ تو ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن نے انکی اعلےٰ خدمات کے صلہ میں جو انہوں نے ایام غدر میں سرکار انگریزی کی امداد میں سرانجام دی تھیں۔ انہیں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ ٹرنیتھم میں ڈیوک آف سدرلینڈ کے ساتھ ایک ہفتہ بسر کرکے وہ سکاٹلینڈ کیطرف روانہ ہوگئے۔ جہاں انورنس ڈینگ وال۔ ٹیمن اور وک کی ٹون کونسلوں نے اُنکی خدمت میں اپنے وفود روانہ کئے۔ اِس کے بعد وہ ایڈنبرا میں تشریف لیگئے۔ سکاٹلینڈ سے وہ ۲۲ جون کو لنڈن میں واپس آگئے۔ اور ۲۵۔ جولائی کو سالار جنگ کو "شہر لنڈن کی آزادی عطا کی گئی۔ ۲۶۔ جولائی کو مانچسٹر کی میونسپل کمیٹی اور مانچسٹر کے ایوانِ تجارت کے ڈپوٹیشن انکی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن ناسازی طبع کے باعث وہ لورپول اور مانچسٹر میں نہ جا سکے۔ لنڈن میں دو ماہ قیام کرکے سالار جنگ پیرس کو روانہ ہوئے ۳۔ اگست کو وہ پیرس سے روانہ ہوکر ٹورین اور میلان میں پہنچے۔ اور برنڈزی سے جہاز میں سوار ہوکر اُنہوں نے ہندوستان کی طرف مراجعت کی۔ چنانچہ ۲۶ اگست کو وہ حیدرآباد میں پہنچ گئے۔ اور ریاست کے لوگوں نے انکے خیر مقدم کے لئے شاندار مظاہرے کئے۔ اور جشن بالشان جلوس نکالے ٭

صوبہ برار کا سوال

نظام افضل الدولہ ۲۶۔ فروری ۱۸۶۹ء کو دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ اور انکے تین سالہ صاحبزادے میر عثمان علیخان کو مسند پر بٹھایا گیا۔ سالار جنگ اور شمس العلماء کو نابالغ نظام کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ سالار جنگ سرکار انگریزی سے صوبہ برار کی واپسی کے مستدعی تھے ۱۸۵۳ء سے صوبہ برار پر نظام کا صرف نام نہاد قبضہ تھا۔ مگر ۱۸۵۳ء میں نظام کا اس صوبہ پر کلی تسلط ہوگیا ۱۸۵۳ء

ہیں امدادی فوج کے اخراجات کی عدم ادائیگی کے باعث برٹش گورنمنٹ کی طرف
سے نظام کے ذمہ ۴۵ لاکھ روپے قرض ہو گیا ۔ لارڈ ڈلہوزی نے جو اس وقت
گورنر جنرل تھے ۔ رزیڈنٹ کو اس قرض کی ادائیگی کی ہدایت کی اور بہت گفت و شنید
کے بعد بعض اضلاع جن کی سالانہ آمدنی نصف کروڑ تھی ۔ اور جن میں برار کے
علاوہ رائچور دواب اور دھرسیوا کا ضلع بھی شامل تھا سرکار انگریزی کے حوالے
کیا گیا ۔ صوبہ برار کی حوالگی کے عہدنامہ پر ۲۱- اپریل ۱۸۵۳ء کو دستخط کئے گئے
تھے ۔ اور اس کے دو ہفتہ بعد سالار جنگ کو حیدرآباد کا وزیر اعظم بنایا
گیا تھا ۔ ۱۸۶۶ء میں سالار جنگ نے نظام کی طرف صوبہ برار کی واپسی
کے وقت برٹش گورنمنٹ سے درخواست کی جو نامنظور ہوئی ۔ سر سالار جنگ
نے انتظامی اصلاحات کے بعد ۱۸۷۲ء میں بارہ کروڑ روپے کی رقم برٹش گورنمنٹ
کے پاس جمع کرنے اور اس رقم کے سود کو ادا دی ۔ فوج کے اخراجات کے
لئے مخصوص کرنے کی تجویز پیش کی ۔ مگر اس قسم کی تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی ۔
اور سالار جنگ اور شمس العلماء نے براہ راست وزیر ہند سے اپیل کی سر سالار جنگ
نے ولایت میں اپنے قیام کے دوران میں انگلستان کے سرکردہ مدبرین سے
برار پر نظام کے حقوق کو تسلیم کروا لیا تھا ۔ اور وزیر ہند نے بھی وعدہ کیا تھا کہ
برار پر برٹش قبضہ نہیں ہے ۔ اور نظام کا حق اس صوبہ پر بدستور جاری ہے
۱۸۷۷ء کے شروع میں سر سالار جنگ اور شمس العلماء نے وزیر ہند کے اس بیان
کو قبول کر لیا ۔ اور یہ جواب دیا کہ ہم نظام کی صغر سنی میں اس امر کے متعلق کچھ
کارروائی نہیں کرینگے ۔ مگر جب نظام محبوب علی خاں نے عنان حکومت اپنے
ہاتھ میں لی تو اس وقت سر سالار جنگ کو رخت رحلت دنیا سے اٹھانا پڑا ۔
سر سالار جنگ کی وفات کے بعد صوبہ برار کا سوال ملتوی کر دیا گیا ۔ مگر ۱۹۰۲ء

میں لارڈ کرزن کے زمانۂ حکومت میں اس کے متعلق پھر گفت و شنید شروع ہوئی اور ایک نئے عہدنامہ کے رو سے ۲۵ لاکھ سالانہ رقم کے عوض صوبۂ برار سرکار انگریزی کو ہمیشہ کے لئے دے دیا گیا۔

سالار جنگ کی اصلاحات

جب سالار جنگ کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ اس وقت ریاست کی مالی حالت نہایت کمزور تھی۔ اور افواج کے اخراجات کے بعد صرف اٹھارہ لاکھ روپے کی رقم سالانہ باقی رہتی تھی۔ آمدنی ٹھیکہ کے انتظام سے وصول کی جاتی تھی۔ ملک کو تعلقہ داروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ انتظام وغیرہ کا معاوضہ لیتے تھے تعلقہ دار اپنی ذاتی اغراض کو مد نظر رکھ کر لوگوں پر ظلم و ستم کر کے بہت روپیہ حاصل کر لیتے تھے۔ اور اس طریق پر بدنظمی پیدا ہو جاتی تھی۔ اسکے علاوہ بعض اضلاع عربوں کے ہاتھ میں تھے۔ جنہوں نے پیشگی روپیہ دے رکھا تھا۔ اور جو ان رقوم قرضہ کے عوض مفوضہ اضلاع کا مالیہ وصول کر لیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے سر سالار جنگ نے مال کی اصلاح کی۔ عربوں کے دعاوی کی پڑتال کیگئی۔ ریاست کے قرضہ جات حتی الامکان ادا کئے گئے۔ اور ۱۸۵۵ء تک گروا اراضیات جن کی سالانہ آمدنی چالیس لاکھ روپے تھے۔ چھڑالی گئی۔ چار ہزار عربوں اور پٹھانوں کو ریاست کی ملازمت سے علیحدہ کیا گیا۔ قدیمی تعلقہ داروں کو مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور انکی جگہ نئے معتبر آدمی رکھے گئے۔ ۱۸۵۶ء میں حیدرآباد میں ایک مرکزی خزانہ بنایا گیا۔ خفیف محصولات موقوف کئے گئے۔ ریاست کو چار صوبوں میں منقسم کیا گیا۔ اور سر سالار جنگ سب سے بڑے حصہ کے خود منتظم بن گئے جس کی سالانہ آمدنی ساٹھ لاکھ روپے تھے۔ ۱۸۵۶ء میں بردہ فروشی کو ممنوع قرار دیا

دیا گیا۔ جو ریاست کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان عرصہ سے جاری تھی۔ ریاست میں ڈاکہ زنی اور چوری کثرت سے ہوتی تھی حیدرآباد میں ڈاکوؤں اور چوروں کے انسداد کے لئے ایک خاص عدالت قائم کی گئی۔ اور ڈاکوؤں کے گروہ قید کئے گئے ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۶ء میں حیدرآباد میں قحط پڑ گیا تھا۔ سر سالار جنگ نے قحط کی انسدادی تدابیر اختیار کر کے غربا کو امداد دینے کا بندوبست کیا۔ جوڈیشل میڈیکل۔ پولیس تعلیم اور رفاہ عام کے محکمہ جات کا از سر نو بندوبست کیا گیا۔ تلنگو کے علاقہ میں مالیہ جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ مگر اس رسم کو مٹا دیا گیا ۱۸۶۶ء میں ریاست کو اضلاع میں تقسیم کیا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں سالار جنگ نے انتظامی تجویز مرتب کی۔ وزیر اعظم کی امداد کے لئے چار معین المہام مقرر ہوئے۔ اور وزیروں اور دبیروں کے اختیارات کی تفصیل شائع کی گئی۔ سر سالار جنگ سے پہلے ریاست میں کوئی باقاعدہ عدالتیں نہیں ہوتی تھیں۔ مگر انہوں نے حیدرآباد میں چیف جج کے ماتحت ایک عدالت قائم کی جس میں چار اسسٹنٹ جج بھی شامل کر دیئے گئے۔ ان ججوں کو دیوانی اور فوجداری کے مکمل اختیارات دیئے گئے۔ اور جرائم کے انسداد کے لئے اضلاع میں ضلعدار مقرر کر دیئے گئے۔ جن کو مجرموں کی گرفتاری کا اختیار دیا گیا۔ ٹھگی اور ڈاکہ کے انسداد کے لئے خاص عدالت قائم کی گئی ۱۸۶۰ء میں حیدرآباد میں ایک ہندو جج کے ماتحت ایک اور عدالت قائم ہوئی جس میں ہندوؤں کے دیوانی مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ سرکاری عہدیداروں کا نقشہ تیار کئے گئے۔ اور حیدرآباد میں تمسکات کا ایک دفتر بنایا گیا۔ سر سالار جنگ کی تقرری سے پہلے دیہات کے ملازم بہ منزلہ پولیس تھے۔ اور فوجی جوانوں کو ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ اور لوگوں پر

ہر قسم کی سختی جاری تھی۔ ۱۸۶۵ء میں سالار جنگ نے پولیس کو نئے سر سے
مرتب کیا۔ محکمہ پولیس کے اعلیٰ افسر کو انسپکٹر جنرل پولیس کا عہدہ دیا گیا۔
اور اس کے ماتحت سپرنٹنڈنٹ۔ انسپکٹر۔ جمعدار اور دفعدار مقرر کیئے گئے۔
شہر حیدرآباد میں ایک کوتوال مقرر کیا گیا۔ اور پولیس کے ضابطہ کی ترمیم کی
لئے ۱۸۶۵ء میں محکمہ پیمائش کھولا گیا۔ ریاست حیدرآباد میں تعلیم پرانے طریق
پر ہی دی جاتی تھی۔ بچوں کو قرآن مجید کے علاوہ فارسی اور عربی کی چند کتابیں
پڑھا دی جاتی تھیں۔ تاریخ ۱۸۵۵ء میں سالار جنگ نے حیدرآباد میں علوم
شرقیہ کی تعلیم کے لیئے ایک اورینٹل کالج کھولا۔ جس میں انگریزی کی تعلیم اختیاری
طور پر مروج کی گئی۔ چند سال کے بعد ہر ایک ضلع کے صدر مقام اور ضلع کے
دیہات میں بڑے قصبوں میں سکول قائم کیئے گئے۔ اور محکمہ تعلیم کو ڈائرکٹر تعلیم
کے ماتحت رکھا گیا۔ ریاست میں سول انجینئرنگ کالج کے علاوہ میڈیکل کالج
بھی بنایا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں چادر گھاٹ کے سکول کو کالج میں تبدیل کر دیا گیا۔
اور اس کا مدراس یونیورسٹی سے الحاق کیا گیا۔ انگریزی تعلیم کے لیئے نظام
کالج قائم ہوا۔ استادوں کے لئے نارمل سکول قائم کیئے گئے۔ اور ضلع
کے سکولوں کے معائنہ کے لئے پانچ ڈویژنل انسپکٹر مقرر کیئے گئے۔ محکمہ رفاہ عام
کی بھی اصلاح کی گئی۔ تالابوں کی مرمت کی گئی۔ سڑکیں بنائی گئیں۔ رفاہ عام
کے لیئے عمارتیں تیار کی گئیں۔ اور ۱۸۷۴ء میں حیدرآباد وادی ریلوے کو مکمل
کیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں ریاست کے اندر باقاعدہ ڈاک خانے کھولے گئے۔
حیدرآباد میں ٹکسال قائم کی گئی۔ محکمہ آبکاری میں اصلاح کی گئی۔ اور محصولات
کے ذریعے چالیس لاکھ روپے کی رقم شاہی خزانہ میں آنے لگی۔ حیدرآباد۔ رائچور
اورنگ آباد اور گلبرگہ میں میونسپل کمیٹیاں بنائی گئیں۔ اور فوجی اخراجات کو

بجائے اسی لاکھ کے بیس لاکھ تک محدود کیا گیا۔ غرضیکہ سر سالار جنگ کے زمانۂ وزارت سے ہی حیدر آباد کا اوج و کمال شروع ہوا۔ اور وہ ریاست کو پوری ترقی دے کر فوت ہوئے۔

سر سالار جنگ کی وفات

سر سالار جنگ کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں ۱۸۷۱ء میں انہیں "جی۔ سی۔ ایس۔ آئی" کا اعزاز دیا گیا۔ اور جنوری ۱۸۷۷ء میں شاہی دربار دہلی میں ان کی شان میں سترہ توپوں کی سلامی سر کی گئی۔ ۱۸۷۹ء میں شمس الامرا فوت ہو گئے۔ اور ۱۸۸۱ء میں نواب وقار الامرا کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ انکی بجائے سر سالار جنگ ہی حیدر آباد کے مختار کل بنائے گئے۔ ۱۸۸۲ء میں سر سالار جنگ نظام کے سفر یورپ کا انتظام کرنے کے لئے شملہ میں تشریف لائے۔ جنوری ۱۸۸۳ء میں حضور نظام نے رائچور۔ گلبرگہ اور اورنگ آباد میں دورہ کیا۔ سر سالار جنگ بھی انکے ہمراہ تھے۔ مگر واپسی کے بعد ۸۔ فروری ۱۸۸۳ء کو سر سالار جنگ کا ہیضہ سے انتقال ہو گیا۔ اور انکی وفات پر ہندوستان اور جزائر برطانیہ کے مختلف حصوں سے ہمدردی اور افسوس کے تار موصول ہونے لگے۔ لارڈ رپن اور ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی نے بھی افسوس کے تار بھیجے۔ سر سالار جنگ کی وفات کی خبر گزٹ آف انڈیا کی غیر معمولی اشاعت میں درج کی گئی۔ جس کا حاشیہ اظہار ماتم میں بالکل سیاہ تھا۔ ریاست کے لوگوں نے بھی انکی وفات پر ماتم کیا۔ اور خود حضور نظام دیر تک حسرت و تاسف کا اظہار کرتے رہے۔

سرسالار جنگ کی عادات و خصائل

سر سالار جنگ کی شکل و صورت سے صولت ٹپکتی تھی۔ ان کا قد درمیانہ اور انکا جسم قدرے پتلا تھا۔ مگر اُن کی شکل بارعب تھی۔ انکی عادات بالکل سادہ تھیں۔ اور وہ کبھی چمکیلا لباس نہیں پہنتے تھے۔ اُن میں نمود نام کو بھی نہیں تھی۔ اور وہ سوائے ریاست کے دربار کے کبھی کسی اور موقع پر جواہرات وغیرہ سے آرائش نہیں کیا کرتے تھے۔ انکے اخلاق حمیدہ تھے۔ اور ہر ایک شخص کو ان کے ہاں رسائی تھی۔ اگرچہ وہ شیعہ تھے۔ مگر بالکل بے رو رعایت ہو کر لوگوں کی حق رسی کیا کرتے تھے۔ وہ اوامر و نواہی کے بہت پابند تھے۔ اور صوم و صلوٰۃ میں کبھی تساہل نہیں کرتے تھے۔ اپنی وفات پر دُنیا میں وہ دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ ان میں سے میر لائق علی خاں سالار جنگ ثانی ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۷ء تک حیدر آباد میں وزیر اعظم رہے۔ اور میر سعادت علیخاں ریاست کی کونسل کے ممبر اور اپنے بھائی کی غیر حاضری میں قائمقام وزیر اعظم بنائے گئے۔ اور سالار جنگ ثالث نواب میر یوسف علیخاں ۱۹۱۲ء میں اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چل کر اپنے آبائی عہدہ پر ریاست حیدر آباد کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

آنریبل پنڈت موتی لال نہرو

تمہید

بیسویں صدی کے اندر ہندوستان کی قومی تاریخ میں عجیب غریب
انقلاب رونما ہوتا رہا ہے اعتدال پسند اور انتہا پسند لوگوں کے درمیان ہمیشہ
کشمکش جاری رہی ہے اور سیاسی میدان میں خیالات کے رو سے کبھی اعتدال
پسند فرقہ کو ناکامی اور کبھی انتہا پسند طبقہ کو کامیابی ہوتی رہی ہے چنانچہ ۱۹۰۶ء
میں مسٹر بپن چندر پال - پنڈت تلک اور لالہ لاجپت رائے کی سرگرمی سے انتہا
پسند طبقہ نے فوقیت حاصل کر لی تھی - اور ۱۹۱۰ء میں اعتدال پسند فرقہ کو
میدان سیاست میں کامیابی ہوئی تھی - انتہا پسند طبقہ کی ناکامی اور
اعتدال پسند زمرے کے عروج و اقتدار کے وقت صوبجات متحدہ میں مسٹر چنتامنی
ڈاکٹر تیج بہادر سپرو اور پنڈت موتی لال نہرو نمودار ہوئے - جو اس وقت سے لیکر
آج تک کم و بیش قومی خدمت میں مصروف رہے ہیں - ان میں سے پنڈت موتی لال
نہرو کمال سرگرمی سے کام کرتے رہے ہیں - اور اگرچہ وہ ۱۹۱۷ء سے پہلے
پنڈت اجودھیا ناتھ - پنڈت بشمبر ناتھ - پنڈت مدن موہن مالوی - راجا
رامپال سنگھ - بابو گنگا پرشاد اور پنڈت بشن نرائن جیسے فدایان ملک و
ملت کے زمرے میں شمار نہیں کئے جاتے تھے - مگر ۱۹۱۷ء سے لیکر آجتک
جو خدمات انھوں نے سرانجام دی ہیں - انکی بدولت وہ آل انڈیا نیشنل کانگرس کی
صدارت کے ممتاز طریق پر مستحق قرار دئے گئے ہیں - اور انکے انتخاب میں

ارا کین کانگرس کے درمیان کسی قسم کا اختلاف پیدا نہیں ہُوا۔

پیدائش اور ابتدائی حالات

پنڈت موتی لال نہرو مئی ۱۸۶۱ء میں اپنے والد کے سرگباش ہو جانے کے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ انکے والد مرحوم شہر دہلی کے کوتوال تھے۔ مگر چونکہ وہ پنڈت جی کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اسلیئے اِن کے بڑے بھائی پنڈت نند لال نہرو نے انکی پرورش اور تربیت کی۔ بارہ سال کی عمر تک پنڈت جی کو گھر میں ہی فارسی اور عربی پڑھائی گئی۔ اور اس کے بعد وہ گورنمنٹ ہائی سکول کانپور میں داخل کرائے گئے۔ جہاں سے انہوں نے انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ اعلےٰ تعلیم کے لیئے وہ سنٹرل میور کالج الہ آباد میں داخل ہوئے۔ اور اپنی قابلیت کی بدولت کالج کے پرنسپل مسٹر بیرین کے منظور نظر ہو گئے۔ انہوں نے کالج میں چار سال بسر کئے۔ مگر وہ سند لینے کے لیئے امتحان میں شامل نہ ہو سکے۔ اسکے بعد وہ الہ آباد یونیورسٹی کے امتحان وکالت میں بیٹھے۔ اور کامیاب امیدواروں میں سے اول رہے۔ چنانچہ انہیں اعزازی تمغہ بھی عطا کیا گیا۔

آغازِ وکالت

امتحانِ وکالت پاس کر چکنے پر انہوں نے کانپور میں وکالت کا کام شروع کیا اور کانپور میں تین سال کام کر کے وہ ہائیکورٹ میں وکالت کرنے کے لیئے ۱۸۸۶ء میں الہ آباد چلے گئے۔ اس وقت ان کے بڑے بھائی پنڈت نند لال نہرو ہائیکورٹ الہ آباد کے ایک سرکردہ وکیل تھے۔ مگر بد قسمتی

سے ان کا ۱۸۸۷ء میں ہی انتقال ہوگیا۔ اب گھر کا سارا بوجھ پنڈت موتی لال نہرو کے ذمہ آپڑا۔ اور انہیں نہایت محنت سے کام کرنا پڑا۔ پانچ سال تک انہوں نے اس محنت سے کام کیا۔ کہ انکی ماہواری آمدنی ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار روپے ہو گئی۔ وہ ہائیکورٹ الہ آباد کے ایک سرکردہ وکیل بن گئے۔ اور انہیں ہائیکورٹ الہ آباد کا ایڈوکیٹ بنایا گیا +

ملکی و قومی خدمات

پنڈت موتی لال نہرو ۱۹۰۹ء سے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ممبر رہے ہیں ۱۹۰۷ء میں وہ صوبجات متحدہ کی پولیٹکل کانفرنس کے پہلی بار پردھان بنائے گئے تھے۔ اور وہ اس کانفرنس کے وقتاً فوقتاً سات سال تک پردھان رہے ہیں۔ وہ صوبجات متحدہ کی سوشل کانفرنس منعقدہ آگرہ کے پریذیڈنٹ بھی بنائے گئے۔ اسکے علاوہ صوبجات متحدہ کی سپیشل کانفرنس کے وہ صدر بھی بنے اور آل انڈیا سپیشل میرج بل (قانون شادی) کی کانفرنس منعقدہ دہلی کے پردہان بھی منتخب کیئے گئے +

پنڈت موتی لال نہرو ۱۹۰۹ء میں صوبجات متحدہ کی قانونی کونسل کے ممبر منتخب کیئے گئے۔ اور اس وقت سے آج تک وہ مذکورہ صوبہ کی اس کونسل کے منتخب ممبر رہے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں انہیں الہ آباد کے میونسپل بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا۔ مگر ۱۹۱۶ء میں وہ میونسپل بورڈ سے مستعفی ہو گئے۔ اور انہیں منٹو میموریل کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ وہ الہ آباد کے سیوا سمتی کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ اور وہ ویدمندر ہائی سکول الہ آباد کی انتظامی کمیٹی کے پردھان ہیں۔ ہائیکورٹ الہ آباد کے وکلائی انجمن اور الہ آباد کی ہوم رول لیگ کے بھی وہ

پردھان ہیں +

کئی سال گذرے پنڈت موتی لال نہرو اس نیوز پیپر کمپنی کے ڈائرکٹر بھی رہے ہیں۔ جس کی سرپرستی میں الہ آباد سے انگریزی "اخبار لیڈر" شائع کیا جاتا ہے۔ اور اب وہ انگریزی اخبار "انڈی پنڈنٹ" کے ڈائرکٹروں کے بورڈ کے پریذیڈنٹ ہیں +

گورنمنٹ نے پنڈت موتی لال نہرو کو منتخب کمیٹیوں اور سب کمیٹیوں میں بھی بسا اوقات مقرر کیا ہے۔ وہ صوبجات متحدہ کے اشاعتی بورڈ کے ممبر رہے ہیں۔ اور انہوں نے صوبجات متحدہ کی فوج تحفظ ہند کے مرتب کرنے میں بھی گورنمنٹ کی معتدبہ امداد کی ہے +

پنڈت جی کی قوت تقریر

الہ آباد کی ہوم رول لیگ نے اپنی قائمی کے وقت ہی کامیابی کے آثار دکھائے اور پنڈت موتی لال جو ہمیشہ ہر ایک کام کو طریقہ اور سلیقہ سے کرتے رہے ہیں اس کی کامیابی کے لئے سرگرمی سے کام کرتے رہے ہیں۔ لیگ کا دفتر ایک مرکزی جگہ میں ایک بنگلہ میں قائم کیا گیا جس کے اردگرد ایک وسیع احاطہ تھا اور اس احاطہ میں جلسہ کرنے میں سہولت ہوگئی۔ پنڈت موتی لال نے جلسہ کرنے کی جگہ کا انتظام کر کے سیاسی کارروائی کو شروع کر دیا۔ اور انہوں نے ہر قسم کی سیاسی معاملات پر طویل تقریریں کیں جن کے دوران میں انکی قوت تقریر کا ثبوت روشن ہوگیا۔ اگرچہ پنڈت جی میں وہ فصیح البیانی نہیں جو دلوں کو گرما اور تڑپا دیتی ہے مگر وہ اپنے نکات کو آسانی سے واضح کر لیتے ہیں۔ اور انہیں دوران تقریر میں الفاظ تلاش نہیں کرنے پڑتے۔ وہ

اپنی تقریر کو دلچسپ بنانے کے لئے اُردو اور فارسی اشعار بھی اکثر اوقات پڑھتے جاتے ہیں۔ اور تقریر کے وقت ان کا چہرہ ہمیشہ بشاش رہتا ہے۔ اور وہ اکثر متبسم رہتے ہیں۔ جن لوگوں نے انکی وہ تقریریں سُنی ہیں۔ جو انھوں نے مسز اینی بیسنٹ کی نظربندی اور ستیہ آگرہ کے متعلق کی تھیں وہ انکی قوت تقریر کے قائل ہوگئے ہیں۔ مسٹر گوکھلے آنجہانی کی تقریروں میں قوتِ احساس پائی جاتی ہے۔ پنڈت مالوی جی کی تقریر سے رنج و غم کے وقت دلگداز ہوتی ہے۔ مسز اینی بیسنٹ کی وہ تقریریں جو انھوں نے آزادی اور حریت کے متعلق کی ہیں بہت دلفریب ہیں۔ اور پنڈت موتی لال کی تقریریں بھی داستانِ غم کی کیفیت بیان کرنے کے وقت سامعین کو پرزور طریق پر متاثر کرتی ہیں*

پنڈت موتی لال کی قابلیت

پنڈت موتی لال نہرو عملی زندگی کے شائق ہیں۔ اور وہ تخیل کے خوش کن نظاروں سے نفور رہتے ہیں۔ وہ حصول مدعا کے لئے ہمیشہ سرگرم پائے جاتے ہیں۔ وہ ایک وسیع النظر سیاست دان ہیں جس کام کو اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ اُسے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کی بدولت ڈاکٹر سپرو۔ مسٹر چنتامنی۔ مسٹر جواہر لال۔ اور مسٹر مظہر علی جیسے اشخاص کو جن کے درمیان ہمیشہ اختلاف رائے رہا ہے۔ الہ آباد کی ہوم رول لیگ کی محفل میں شامل کر دکھایا تھا۔ پنڈت جی کو اپنے احباب کے حلقہ اور عوام کے دائرہ میں تمام لوگ اچھا جانتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ان کا اخلاص انکی قابلیت اور ذمہ داری کی قوت

احساس ان کو ہمیشہ آہنگ عمل سے بیدار کر کے فعل و عمل کی طرف راغب کرتی رہتی ہے۔ وہ اپنے صوبے کے ایک سرکردہ بصر ہیں ہمارے ملک میں بعض ایسے دولتمند اصحاب موجود ہیں۔ جو شہرت کی خود غرضانہ تمنا سے میدان سیاست میں پا اترتے ہیں۔ اور اپنے تدبر۔ اعتدال اور ذمہ داری کے احساس کو مخفی رکھتے ہیں۔ مگر پنڈت موتی لال نہرو ان بے غرض اصحاب میں سے ہیں۔ جو ملک و ملت کی خدمت کے لئے ہی کام کرتے ہیں۔ اور جو اپنی ذمہ داریوں کو پر زور طریق پر محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کانگرس کے حلقوں میں انہیں عزت و اقتدار اور ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ زندگی کے ہر ایک شعبہ میں انہیں دسترس ہے۔ وکلاء کی محفل کو وہ لطیفہ گوئی سے خوش رکھتے ہیں۔ فیشن کے دلدادہ لوگوں میں وہ فیشن ایبل نظر آتے ہیں۔ معاشرتی اصلاح کی منزل میں وہ سب سے آگے قدم رکھ دیتے ہیں۔ اور میدان سیاست میں وہ مسلمہ طور پر مقتدر مانے گئے ہیں۔ انہیں زندگی کے ہر ایک مشغلہ میں مذاق ہے۔

اخبار انڈیپنڈنٹ کی اشاعت

۵۔ فروری ۱۹۱۹ء کا دن الہ آباد کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس دن الہ آباد سے پنڈت موتی لال کی ہمت و مالی امداد سے اخبار "انڈیپنڈنٹ" کی اشاعت شروع ہوئی۔ اگرچہ اخبار "لیڈر" عرصہ تک ماڈریٹ طبقہ کے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ مگر لوگ ایک نئے اخبار کے مشتاق تھے کیونکہ قومی اخبار کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ جب پنڈت لال نے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ تو لوگوں کی تمنائیں بر آئیں۔ اور آخر یہ اخبار سید حسین سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر "بمبئی کرانیکل" کی ادارت میں الہ آباد سے شائع ہونا شروع

ہوا۔ پنڈت موتی لال تعصب سے مبرا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے اخبار کا ایڈیٹر ایک ایسے مسلمان فاضل کو مقرر کیا ہے جس کی تقرری قومی نقطۂ خیال سے ملکی خدمت کے لئے نہایت موزوں اور مناسب سمجھی گئی ہے +

پنڈت موتی لال اور پنجاب

پنڈت موتی لال نے دیگر ملکی اور قومی خدمات کے علاوہ پنجاب میں جو خدمات سرانجام دی ہیں انکی بدولت وہ مہاتما گاندھی پنڈت تلک۔ پنڈت مدن موہن مالوی۔ اور سوامی شردھانند جی کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے ہر طرح مستحق ہیں۔ اُنہوں نے پنجاب میں آکر واقعات فسادات کی غیر سرکاری طور پر تحقیقات کر کے لوگوں کی مصائب و نوائب کو کم کرنے میں مساعی جمیلہ سے کام لیا۔ ۸ جون ۱۹۱۹ء کو پنڈت جی کے مکان میں ایک غیر سرکاری تحقیقاتی کمیشن مرتب کرنے کے لئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنا ایک خاص اجلاس منعقد کر کے پنڈت مدن موہن مالوی۔ اور پنڈت موتی لال نہرو کو واقعات پنجاب کی غیر سرکاری تحقیقات کے لئے منتخب کیا۔ پنڈت موتی لال نہرو اس وقت سے لیکر آج تک معاملات پنجاب میں ہی مصروف رہے ہیں۔ اور اُنہوں نے اپنے وقت و زر کو اس وقت سے لیکر آج تک اہل پنجاب کے لئے ہی وقف کر رکھا ہے۔ وہ فسادات پنجاب کے مقدمات کی اپیل لکھ کر بذریعہ تار وزیر انگلستان۔ پریوی کونسل۔ وزیر ہند اور وائسرائے ہند کو بھیجتے رہے ہیں۔ اور مارشل لا کے زمانہ میں اُنہوں نے مفلوک الحال لوگوں کی ہر طرح امداد کی ہے اُنہوں نے اپنا وقت و زر اور اپنی محنت اہل پنجاب کے لئے صرف کی ہے اور اس کی بدولت وہ مشاہیر ہند میں شمار کئے جانے کے ہر طرح قابل ہیں۔ چنانچہ اہل ہندوستان نے صرف انکے شکریہ کے لئے امرت سر کانگرس کے اجلاس

کی صدارت ان کو پیش کی ہے۔ اور وہ واقعی اِس کے لائق اور مستحق ہیں +

آل اِنڈیا نیشنل کانگرس کی صدارت

زمانہ کا دستور ہے۔ کہ جب کبھی کوئی شخص اپنے ابنائے وطن کی کوئی نمایاں خدمت کرتا ہے یا اپنے ملک کی اصلاح و فلاح میں سرگرمی سے شریک رہتا ہے تو مُلک و ملّت کی طرف سے اُس کی خدمات کا عملی طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ سرکار کی طرف سے اُسے خطاب و اعزاز حاصل ہوتے ہیں۔ اور رعایا کے درمیان اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی ہے۔ کسی کی یادگار میں کوئی قومی ہال تعمیر کیا جاتا ہے اور کسی کا بُت بنا کر کسی مرغزار میں بطور یادگار نصب کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے ہندوستان میں سلطنت و قوم کے فدائیوں کی خدمات کا صرف دو ہی طریق پر اعتراف ہوتا ہے۔ سرکار عالیہ تو اپنے جاں نثاروں کو جاگیریں عطا کرتی اور خطاب مرحمت کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اور قوم اپنے لیڈروں کو اپنی کسی قومی انجمن کی صدارت پیش کرتی ہے۔ چنانچہ صوبجات کی کانفرنس یا آل انڈیا مسلم لیگ یا کانگرس کی صدارت کا عہدہ ایک نہایت بالاتر قومی عہدہ ہے۔ جو کسی خادمِ قوم کو سالارِ قوم ثابت کر دکھاتا ہے۔ اہلِ ہندوستان ڈاکٹر دادا بھائی نوروجی، مسٹر گوکھلے آنجہانی اور دیگر اصحاب کی خدمت ہمیشہ اسی طریق پر کرتے رہے ہیں چنانچہ اس سال سرسنکرن نائر۔ پنڈت تلک۔ مہاتما گاندھی کے مقابلہ میں پنڈت موتی لال نہرو کو بھی اتفاق رائے سے آل انڈیا نیشنل کانگرس کا پردھان بنایا گیا ہے۔ جو یہ محض اُن کی قومی خدمات کا نتیجہ ہے۔ جن کی بدولت وہ اس عہدے کے ہر طرح مستحق ہیں۔ اور آئندہ بھی جس عہدے کی صدارت کے وہ ہمیشہ قابل ہونگے۔ موجودہ واقعات اور ان کی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان پر یہی مثال

صادق آتی ہے۔ کہ ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

اور اُمید ہے کہ ان مختصر سوانحات کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین کو انکی اعلےٰ شخصیت کا اعتراف ہوگا۔ اور وہ ان کو عزت و توقیر کا مرجع قرار دیکر ہمیشہ انکے نام کو یاد رکھینگے ⁘

امرتسر میں پنڈت موتی لال نہرو کا جلوس

امرتسر کانگرس کے پردھان پنڈت موتی لال نہرو کی سپیشل ٹرین ۲۵ دسمبر کو دن کے گیارہ بجے لاہور سے روانہ ہونے والی تھی۔ پنڈت جی گاڑی کی روانگی سے چند منٹ پہلے سٹیشن پر تشریف لائے۔ اور ان کو دیکھ کر لوگوں نے اس زور سے قومی نعرے بلند کئے۔ کہ سٹیشن اُن کی آواز سے گونج اُٹھا لوگوں نے ان پر پھول برسائے۔ اور پنڈت جی اپنی گاڑی میں سوار ہوئے لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا۔ کہ گاڑی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی ⁘

جب یہ سپیشل ٹرین امرتسر سے ایک سٹیشن کے فاصلہ پر رہ گئی۔ تو اُسے وہاں ٹھہرا دیا گیا۔ چونکہ حاذق الملک حکیم اجمل خاں پردھان مسلم لیگ کی سپیشل ٹرین دہلی کی طرف سے پہنچنے والی۔ اور کانگرس اور لیگ کے دونوں پردھانوں کا جلوس ایک ساتھ نکلنا تھا۔ اس لئے پنڈت جی کی گاڑی دیر تک اسی جگہ ٹھہری رہی۔ آخر دن کے دو بجے یہ سپیشل ٹرین امرتسر میں پہنچی۔ ریلوے سٹیشن پر لوگوں کا عام ہجوم تھا۔ اور دور تک سٹیشن پر تا نتا بندھا ہوئی تھی ⁘

چونکہ اس وقت تک بھی پردھان مسلم لیگ کی سپیشل ٹرین امرت سر میں نہ پہنچی تھی۔ اس لئے پنڈت موتی لال نہرو کو سٹیشن پر ہی ایک کمرے میں ٹھیرنا پڑا مسز اینی بیسنٹ اور بابو بپن چندر پال پہلے سے ہی امرت سر میں پہونچ چکے تھے ایک روز پہلے امرت سر میں بہت زیادہ بارش ہو چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود بھی سٹیشن کے باہر بیشمار لوگ پردھان کانگرس و لیگ کے خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ سٹیشن سے لیکر اس جگہ تک جہاں پردھان کو اترنا تھا کئی ہزار لوگ راستہ میں دونوں طرف ان کا جلوس دیکھنے کے لئے کھڑے تھے۔ شہر کے بازاروں کو نہایت اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ راستہ میں دروازے بنائے گئے تھے۔ اور ان دروازوں پر پنجاب کے لیڈروں کی خوشنما تصاویر لٹک رہی تھیں ۔

بارش کی وجہ سے پنڈال کے آس پاس پانی جمع ہو گیا تھا۔ پنڈال کے ارد گرد بہت سے دروازے بنائے گئے تھے۔ اور ان پر ہندوستان کے مشہور اور سرکردہ لیڈروں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں ۔

جونہی حاذق الملک حکیم اجمل خاں پردھان مسلم لیگ کی سپیشل ٹرین سٹیشن پر پہنچی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے ملکر قومی نعرے بلند کئے۔ اور پردھان کانگرس پر پھول برسائے۔ پردھان مسلم لیگ کے پہنچ جانے پر دونوں پردھانوں کا جلوس شروع ہوا۔ جس وقت آنریبل موتی لال نہرو اور حاذق الملک حکیم اجمل خاں پلیٹ فارم پر آئے۔ تو بہت لوگوں نے نہایت پر زور چیئرز دئے۔ اور قومی نعرے لگائے اس وقت آسمان قومی نعروں کی آواز سے گونج اٹھا۔ پنڈت جی اور حکیم صاحب کے پلیٹ فارم پر آنے کے وقت جلوس کی ترتیب کی گئی۔ کئی والنٹیر جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے کانگرس و لیگ کے انتظام کے لئے آئے

تھے۔ اس جلوس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ کئی والنٹیر گھوڑوں پر سوار تھے۔ کئی والنٹیروں کے پاس بائیسکل تھے۔ اور بینڈ باجا جلوس کے ساتھ بج رہا تھا۔ جلوس کی قطار ایک میل لمبی تھی۔ والنٹیروں کے پیچھے ہر دو پردھانوں کی موٹر تھی۔ دائیں طرف آنریبل پنڈت موتی لال نہرو اور بائیں جانب حاذق الملک حکیم اجمل خاں بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے سوامی شردھانند جی تھے۔ اس موٹر پہ لوگوں نے بڑی کثرت سے پھول برسائے اور جلوس کے گذرتے وقت اپنے قومی لیڈروں کے دیدار سے لوگ محظوظ ہوتے تھے۔ پردھانوں کی موٹر کے بعد پنڈت مالوی جی کی موٹر تھی۔ اور انکے ساتھ مسٹر جناح بیٹھے ہوئے تھے مسز بیسنٹ کی موٹر کے بعد سید حسن امام کی موٹر تھی۔ اور انکے پیچھے موٹروں اور گھوڑوں کی ایک طویل قطار تھی۔ جہاں جہاں سے یہ جلوس گذرتا تھا۔ لوگ قومی نعرے لگاتے اور معزز مہمانوں پر پھول برساتے تھے۔

پنڈت موتی لال نہرو پردھان نیشنل کانگرس نے جیسا کہ امید کی جا سکتی تھی۔ اپنی تقریر کے بڑے حصہ میں زیادہ تر پنجاب کے افسوسناک واقعات کا ہی ذکر کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ اس سال کانگرس کی کارروائی کا اہم ترین پہلو واقعات پنجاب ہی ہیں۔ ان واقعات پر انہوں نے جس صفائی سے اور خوش اسلوبی سے بحث کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ پنڈت موتی لال نہرو نے ۶ ماہ کی مسلسل کوشش سے پنجاب کی نسبت ہر قسم کے واقعات جمع کئے اور بڑی غیر جانبداری کے ساتھ انکو فرضیات سے جدا کیا۔ ان حالات میں یہ تعجب کی بات نہیں کہ انکے ایڈریس کا ¾ حصہ واقعات پنجاب کے ذکر سے ہی پر ہو چنانچہ انگریزی میں ان کا ایڈریس کل ۳۸ صفحوں پر ختم ہوا ہے۔ جن میں سے ۲۲ صفحے صرف واقعات پنجاب کے لئے مخصوص ہیں۔

مسٹر بی ایم مالاباری

ابتدائی حالات

مسٹر بی ایم مالاباری ۱۸۵۳ء میں بڑودہ میں پیدا ہوئے۔ انکے والد دھن جی بائی مہتہ گائیکواڑ بڑودہ کے دفاتر میں ایک معمولی محرر تھے۔ اور وہ مسٹر مالاباری کی صغرسنی میں ہی فوت ہو گئے۔ چونکہ مسٹر مالاباری کی والدہ شریمتی بھیکی بائی بالکل غریب مفلس رہ گئیں۔ اس لئے وہ اپنی مصیبت کے دن میکے میں بسر کرنے کے لئے اپنے شیرخوار بچے کو گود میں اٹھا کر تن تنہا سورت کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گئیں۔ اور سفر کی زحمت اٹھا کر سترہ روز کے بعد اپنے میکے میں وارد ہوئیں۔ اور انکے والدین نے ان کی تکلیف کو کم کرنے کے لئے ہر طریق پر ان کی امداد کی۔ اور وہ سورت میں ہی مقیم ہو گئیں۔ سورت میں کچھ عرصہ تک قیام کرنے کے بعد شریمتی بھیکی بائی نے دوسری شادی کر لی۔ اور مسٹر مالاباری کی پرورش میں انہیں قدرے سہولت ہو گئی۔ مسٹر مالاباری کے سورت میں آنے کے وقت سورت کی پارسی آبادی پر مغربی تہذیب کے اثرات نمودار ہو رہے تھے۔ اور ان ایام میں لوگ انگریزی تعلیم کے مشتاق ہو گئے تھے۔ مگر مسٹر مالاباری کے سوتیلے والد مروان جی مالاباری ایک کاروباری آدمی تھے۔ وہ مسٹر مالاباری سے مشفقانہ سلوک نہیں کرتے تھے۔ اور اکثر ان سے دوائیاں پسواتے رہتے تھے۔ مسٹر مالاباری کی والدہ نہایت خلیق اور شریف استری تھیں۔ اور انہوں نے مسٹر مالاباری کی سہولت کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کی۔ جب مسٹر مالاباری کی عمر پانچ سات سال ہوئی تو انہیں

تعلیم کے لئے ایک پاٹھ شالہ میں بھیجا گیا۔ یہ پاٹھ شالہ نان پور میں مسٹر بالا باری کے گھر کے پاس ہی واقع تھی۔ اور نربھیرام مہتہ جی جو ایک بھکشو برہمن تھے۔ ان کے پہلے استاد بنے۔ اس پاٹھ شالہ میں ہندو اور پارسی طلبا تعلیم پاتے تھے۔ اور کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ مگر مسٹر بالا باری کے استاد اس قدر بارعب اور تند مزاج تھے کہ وہ اکثر بید کو استعمال کرتے تھے۔ اور طلباء کو سزا دینے کے لئے کبھی انکے گھٹنے کے نیچے پتھر کا ٹکڑا اور کبھی انکے کندھوں اور پشت پر پتھر رکھ دیا کرتے تھے۔ وہ لڑکوں کو ناک سے پکڑ کر کھینچ لیا کرتے تھے۔ اور انکی گردن کو نہایت زور سے مروڑ دیا کرتے تھے۔ کئی بار وہ غریب لڑکوں کو شہتیر سے لٹکا دیتے تھے۔ اور کبھی کبھی انکے کپڑے اتروا دیتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے استاد کی ہیبت سے طلبا کے دل اکثر سہمے رہتے تھے۔ اور دن میں ڈر کے باعث ہر ایک طالب علم کئی بار مرتا اور کئی بار جی اٹھتا تھا۔ تمام سکولوں میں پرانا طریقہ تعلیم مروج تھا۔ اور اس پاٹھ شالہ میں طلبا کو رامائن اور مہا بھارت کے اشلوک گجراتی زبان میں حفظ کرائے جاتے تھے۔ حساب کتاب سکھایا جاتا تھا۔ اور لکھنے پڑھنے کی مشق کرائی جاتی تھی۔ لڑکوں کو سبق یاد کرانے اور ان سے کام لینے میں ہر طرح کی جفا ان پر روا رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک بار ایک شریر لڑکا اس ہیبت ناک استاد کے بس میں نہیں آتا تھا۔ اور اس استاد نے اس لڑکے کے گھٹنے کے نیچے پتھر رکھ کر اس کی کمر پر اس قدر بھاری پتھر رکھ دیا۔ کہ وہ غریب چلا اٹھا۔ لڑکے کی اماں اور دادی پاس ہی رہتی تھیں۔ انہوں نے جو لڑکے کی چیخ پکار سنی وہ دوڑتی ہوئی اس جگہ آئیں۔ اور ماسٹر جی کو زدو کوب کر کے اپنے معصوم بچے کو چھڑا کر لے گئیں۔ ماسٹر کے اس خوف سے مسٹر بالا باری کو سکول سے اٹھا لیا گیا۔ اور وہ ماسٹر کی اس کارروائی سے اس قدر دبکے کہ اسے

ڈر کے انہیں چیچک نکل آئی۔ اس پاٹھ شالہ سے اُٹھا لینے کے بعد مسٹر بالا باری کو ایک اینگلو ورنیکلر سکول میں داخل کیا گیا۔ اب مسٹر بالا باری کی صحت بھی اچھی ہو گئی تھی۔ اور وہ نہایت خوشی سے سکول میں جایا کرتے تھے۔ اور ہر طرح کی طفلانہ مسرت انہیں حاصل تھی۔ چنانچہ وہ دوسرے شریر لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک پچاس سالہ بوڑھے پان فروش کی دکان پر جایا کرتے تھے۔ جس نے ایک پندرہ سالہ لڑکی کے ساتھ شادی کر رکھی تھی۔ اور اُسے جا کر مذاق سے کہا کرتے تھے۔ "چچا تمہاری بیٹی کہاں ہے"؟ غریب بوڑھا دوکاندار دانت پیس کر انہیں پیٹنے کو اُٹھتا۔ اور وہ تمام چیختے چلاتے ہنستے اور شور مچاتے ہوئے دوڑ جاتے تھے۔ غرضیکہ مسٹر مالا باری اس طفلانہ چلبلاہٹ سے مبرا نہیں تھے۔ جو اس عمر میں ہر ایک بچہ کا خاصہ ہے۔ اور انکے دن رات بے فکری اور اسی قسم کی دوڑ دھوپ میں بسر ہوتے تھے۔ مگر آہ! ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اب اُن کو ہر قسم کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔

تعلیم و تربیت کا زمانہ

مسٹر مالا باری کی والدہ کی وفات سے ان پر آفات کا دروازہ کھل گیا۔ مگر اُنہوں نے محنت و مشقت کو اپنا شیوہ بنا کر تمام مصیبت کو دور کرنے کے لئے اپنی کمر کس لی۔ وہ ایک انگریزی مشن سکول میں داخل ہو گئے۔ اور سکول کے پرنسپل ڈاکٹر ڈکسن نے جو آئرلینڈ کے رہنے والے تھے۔ مسٹر بالا باری کی ہر طرح خبر گیری کی۔ اُستاد و شاگرد کے درمیان رابطہ محبت پیدا ہو گیا۔ اور مسٹر مالا باری کو تعلیم کا شوق دن بدن زیادہ ہوتا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد ڈاکٹر ڈکسن نے انہیں شیکسپیئر پڑھانا شروع کر دیا۔ اور وہ مسٹر مالا باری کی تیز فہمی کا گرویدہ ہو گئے۔

ڈاکٹر ڈکسن مسٹر مالاباری کو نہایت محبت و محنت سے پڑھایا کرتے تھے۔ اور ان
کی عنایت و عطوفت سے ہی مسٹر مالاباری علمی مذاق حاصل کرنے کے علاوہ ایک
مہذب اور بااخلاق شخص بن سکے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ مسٹر مالاباری ڈاکٹر
ڈکسن کو ہمیشہ اپنا گورو سمجھا کرتے تھے۔ مسٹر مالاباری اپنی کتابیں خریدنے اور
اپنے اخراجات تعلیم کو برداشت کرنے کے لئے چھوٹے بچوں کو پڑھا کرتے
تھے۔ اور اس طریق پر اپنا گذارہ کرتے تھے۔ جب انٹرینس کا امتحان قریب
آیا۔ تو مسٹر مالاباری کے پاس کوئی ایسی رقم نہیں تھی جس کو خرچ کرکے وہ امتحان
دینے کے لئے بمبئی میں پہنچکر وہاں امتحان کے دن بسر کرسکتے۔ اگرچہ ڈاکٹر
ڈکسن نے انہیں مدد دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر مسٹر مالاباری نے ازرہ شرم و
حیا ان سے کوئی رقم طلب نہ کی۔ اور چپ ہوکر رحمت الٰہی کا انتظار کرتے
رہے۔ ایک روز انکے ایک ہم جماعت نے اپنے والد سے مسٹر مالاباری کی
قابلیت اور مفلسی کا ذکر کیا۔ اور اس شخص نے جو نہایت کنجوس سمجھا جاتا تھا اپنی فیاضی
کا ثبوت دینے کے لئے مسٹر مالاباری کو طلب کرکے انہیں بیس روپے بطور قرض
دئے۔ مسٹر مالاباری اپنے محسن کا شکریہ ادا کرکے سکول میں آئے۔ انہوں نے
دس روپے بطور داخلہ امتحان بھیجدئے۔ اور دس روپے جیب میں لیکر امتحان
دینے کے لئے بمبئی کو روانہ ہوگئے۔ اور شہر بمبئی میں پہنچکر کچھ روز تک مطالعہ
کرنے کے بعد مقررہ دن کو وہ امتحان میں شامل ہوگئے۔ مگر جب نتیجہ نکلا تو شومئی قسمت سے
مسٹر مالاباری مضمون ریاضی میں ناکام رہے۔ مگر چونکہ وہ دوبارہ سکول میں
داخل نہیں ہوسکتے تھے۔ اسلئے وہ بمبئی میں ہی بیس روپے ماہوار پہ ایک
سکول میں مدرس ہوگئے۔ اور وقت فرصت امتحان کی تیاری کرتے

رہے

زمانۂ ملازمت اور علمی قابلیت کا اظہار

مسٹر مالاباری نے سکول میں ملازم ہو کر اس محنت سے کام کیا۔ کہ کچھ عرصہ کے بعد ان کی تنخواہ دوگنی کر دی گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہی اُنہیں ساٹھ روپے ماہوار ملنے لگے۔ اسکے علاوہ لڑکوں کو گھر پر پڑھا کر اتنی ہی اور رقم بھی پیدا کر لیا کرتے تھے۔ انٹرینس کا امتحان پاس کرنے کے لئے اُنھوں نے نہایت تن دہی سے کام کیا۔ مگر ۱۸۶۸ء، ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۰ء میں بھی وہ ناکام رہے۔ اور آخر چوتھی مرتبہ ۱۸۷۱ء میں وہ انٹرینس کے امتحان میں پرائیویٹ طور پر کامیاب ہوئے۔ اس وقت ان کی آمدنی معقول تھی اور اُنہوں نے بی۔ اے یا ایم اے کی سند حاصل کرنے کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر ملازمت کو ہی مناسب موزون سمجھا۔ بچپن میں ہی مسٹر مالاباری خیالی گروہ کے زمزموں سے متاثر ہو چکے تھے قدرت نے ان کو فکر رسا اور ذہن رو کا عطا کر رکھا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ملازمت میں منسلک ہوتے ہی اپنی دماغی قوت کے نشوونما کا تہیہ کر لیا۔ چونکہ قدرتی طور پر انہیں موسیقی کی طرف رغبت تھی اور وہ شاعرانہ میلان طبعی رکھتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے گجراتی زبان میں مشق سخن شروع کر دی جوں جوں ان کی عمر بڑھتی گئی۔ اور زندگی کے مشاہدات نے انکی حیات پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ انکی نظموں میں فلسفیانہ جھلک پیدا ہو گئی۔ اور وہ زندگی کے تلخ تجربات کو منظوم کرنے میں محو ہو گئے۔ وہ محض اپنے ذوقِ طبعی کے لئے نظمیں لکھا کرتے تھے اور جب ایک دوست نے انہیں نظموں کی اشاعت کے لئے ترغیب دی۔ تو وہ اپنی نظموں کو مسٹر ٹیلر کے پاس لے گئے۔ جنہوں نے ان کے کلام کی بہت تعریف کی مسٹر ٹیلر نے مسٹر مالاباری کی قابلیت سے متاثر ہو کر ان کا تعارف ڈاکٹر ولسن

سے کرایا اور مسٹر بالا باری اور ڈاکٹر ولسن کی بکثرت ملاقات جاری رہی۔ ان کا آپس میں ایسا گہرا تعلق پیدا ہوگیا۔ کہ ڈاکٹر ولسن کے خیالات کا مسٹر بالا باری پر متواتر اثر ہوتا رہا۔ مسٹر ٹیلر اور ڈاکٹر ولسن کی بدولت مسٹر بالا باری کو یورپین اصحاب سے ملاقات کے اکثر مواقع ملتے رہے۔ اور اس وقت ان کو مشرق و مغرب کے اجتماع کا یقین ہوگیا۔ چنانچہ وہ اپنی نظموں میں بھی یورپ اور ایشیا کی اقوام کے اتحاد کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر ولسن نے شہر بمبئی کے سرکردہ اشخاص سے مسٹر بالا باری کا تعارف کرایا۔ اور انکی نظموں کی اشاعت کا بندوبست کیا۔ چنانچہ مسٹر بالا باری کو ہر طرف سے تعریفی خطوط موصول ہونے لگے اور انگریزی اور اردو اخبارات نے ان کی کتاب پر بہت اچھی رائے کا اظہار کیا۔ کتاب کی اشاعت سے مسٹر بالا باری کا حلقہ احباب وسیع ہوگیا۔ اگرچہ گجراتی اشعار کا ترجمہ انگریزی نظم میں مشکل ہے۔ مگر مسٹر بالا باری نے اکثر اشعار کو انگریزی میں منظوم کر دیا۔ اسکے کچھ عرصہ بعد سر کاؤس جی جہانگیر نے "ٹائمز آف انڈیا" کے ایڈیٹر مسٹر مارٹن وڈ سے تعارف کرایا۔ اور مسٹر مارٹن وڈ نے مسٹر بالا باری کو مضمون نگاری کی مشق کرائی +

اخبار نویسی کا مشغلہ

صانع حقیقی نے مسٹر بالا باری کو اخبار نویسی کے لئے ہی پیدا کیا تھا چنانچہ مسٹر بالا باری نے اخبار نویسی میں جو شہرت اور کامیابی حاصل کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ مسٹر بالا باری نے ہندوستان کے ہر طبقہ کی معاشرتی حالت کا ملاحظہ کر چکے تھے۔ اور مغرب و مشرق کے باہمی اثرات کی اہمیت کو دیکھ چکے تھے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ مغرب کی تقلید اور امن و امان پر ملک

کی ترقی کا انحصار ہے وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان میں معاشرتی اصلاح ہو اور لوگ فضول رسم ورواج کو ترک کریں۔ گورنمنٹ سے وہ اسی رعایت کے خواہاں تھے۔ کہ لوگوں کی حق رسی کی جائے۔ اور حاکم ومحکوم کے درمیان رشتہ مہر ومروت ہو۔ چنانچہ مسٹر مالاباری نے "انڈین سپکٹیٹر" کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ اکثر لوگوں نے انکی پالیسی کی مخالفت کی اور وہ اس مخالفت سے اس قدر پست ہمت ہو گئے۔ کہ انہوں نے اخبار نویسی کو ترک کرنے کی نیت کر لی۔ لیکن حالات کچھ ایسے ہی رہے کہ ان کا اخبار جاری رہا۔ اور وہ غیر جانب دار ہو کر عام لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کرتے رہے مسٹر مالاباری اصلاح کے حامی تھے۔ مگر ان کا عقیدہ تھا کہ اصلاح گھر سے شروع ہونی ہے اور لوگوں کی گورنمنٹ سے اصلاحات کا مطالبہ کرنے سے۔ پہلے اپنی اصلاح کر لینی چاہیے۔ انکی یہ رائے تھی۔ کہ ترقی کے حصول کے لیئے دیگر مہذب اقوام کی تقلید ہم پہ لازم ہے مسٹر مالاباری اپنے اخبار کے خود ہی منتظم خود ہی مضمون نگار اور خود ہی نظرثانی کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ وہ کرایہ کی گاڑی لیکر خود ہی اخبار کے پرچے خریداروں کے مکانات پر پہنچایا کرتے تھے۔ اور انہوں نے ایسی محفوظ پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ کہ ہندوستانی اور انگریز لوگ ان کے اخبار کو یکساں وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مسٹر مالاباری اپنے صحیح خیالات کو بے دھڑک ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ اور گورنمنٹ بھی ان کی اسقدر عزت کرتی تھی۔ کہ پالیسی یا انتظام کے اہم معاملات میں انکی رائے لی جاتی تھی۔ اور لارڈ نارتھ بروک کے عہد حکومت سے تمام وائسرائے اور گورنر انکی عزت کرنے لگے تھے۔ مسٹر مالاباری ہندوستان کے اخبارات کے وسیع اثر ورسوخ کے خواہاں تھے۔ اور وہ اس بات پر مصر تھے کہ اخبارات اپنے فرائض کو دیانتداری

سے ادا کرتے ہوئے رائے عامہ کی رہنمائی کریں۔ مسٹر مالاباری ہندوستانی اور یورپین آبادی کے درمیان دوستانہ خیالات کے پیدا کرنے کے خواہاں تھے چنانچہ انہوں نے سنہ ۱۹۰۲ء میں "ایسٹ اینڈ ویسٹ" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ اور دونوں جماعتوں کے اکثر سرکردہ اصحاب نے انکی حوصلہ افزائی کی۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں مسٹر مالاباری نے اپنی گجراتی نظمیں شائع کیں۔ اور ڈائرکٹر تعلیم نے انہیں قابل اعتراض قرار دیدیا۔ چنانچہ پولیس ان کے دفتر میں گئی۔ اور کئی ماہ تک اس معاملہ پر بحث جاری رہی۔ مگر لارڈ نارتھ بروک لارڈ رپن اور لارڈ ڈفرنے انکی وفاداری کے متعلق زبردست طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جس کے بعد اس معاملہ کو داخل دفتر کر دیا گیا۔ مسٹر مالاباری اپنی نظموں میں معاشرتی اصلاح کی ترغیب ہی دیا کرتے تھے ؛

مسٹر مالاباری کی پرائیویٹ زندگی

جب مسٹر مالاباری کی عمر اکیس سال ہوئی۔ تو انہوں نے ایک اندیس سالہ دوشیزہ سے شادی کی۔ اس دوشیزہ کو اگرچہ مغربی تعلیم تو بہت کم ملی تھی۔ مگر وہ ایک شریف استری تھیں۔ اور وہ مسٹر مالاباری کے گجراتی اشعار کو بخوبی سمجھ سکتی تھیں۔ مسٹر مالاباری ایک شاعر مزاج فلسفی تھے۔ اور ان کو خدا نے اس سیرت وخصلت کی بیوی عطا کی کہ ان کا زمانہ نہایت آرام سے بسر ہوا۔ میاں بیوی بندوڑے میں رہتے سہتے تھے۔ اور ان کا طرز بود و باش نہایت سادہ تھا۔ مسٹر مالاباری کے ہاں دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ مگر اس کنج عافیت میں انکی بڑی لڑکی فوت ہوگئی۔ اور مسٹر مالاباری کو اس کا بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ مسٹر مالاباری کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں دُنیا میں انکی یادگار رہ گئیں۔

کاروبار میں داخل ہو گئے ہیں۔ انکی بڑی صاحبزادی نے ولایت سے آنکھوں کے معالجہ کا امتحان پاس کیا ہے۔ اور چھوٹی صاحبزادی تعلیم میں مشغول ہے۔

مسٹر مالاباری کا وسیع دورہ

مسٹر مالاباری نے ۱۸۹۰ء تک ہندوستان کے ہر ایک گوشہ میں سفر کر کے خود پوری طرح لوگوں کی طرز معاشرت کو بخوبی دیکھ لیا تھا۔ اور پنجاب بمبئی۔ اور بنگال وغیرہ میں سفر کرتے وقت انہیں کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اب یورپ کی سیر کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کی سوشل ریفارم کے سبق حاصل کرنے کے لئے وہ ۱۸۹۰ء میں انگلستان کو روانہ ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنے سفر کے بعد اپنے تجربات کے متعلق ایک کتاب بھی شائع کی۔ سفر انگلستان میں انہوں نے انگریزی قوم کی انتظامی لیاقت کو بخوبی ملاحظہ کیا۔ اور انگلستان کی عورتوں کی آزادی سے وہ خاص طور پر متاثر ہوئے۔ ولایت کی عورتوں نے ان کو اپنا سچا خیرخواہ سمجھ کر ان کی ہر طرح عزت و توقیر کی۔ مسٹر مالاباری نے ولایت کی ہر ایک قابل تعریف چیز کو بنظر استحسان دیکھا۔ مگر ولایت کے لوگوں کی زرپرستی پر وہ خاص طور پر صوفیانہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ مسٹر مالاباری ولایت کے لوگوں کے حریت پسند ہونے کے بہت مداح ہیں۔ اور ہندوستان کی اصلاح کے سلسلہ میں ولایت کی ہر ایک چیز کا بخوبی مطالعہ کیا۔

سوشل ریفارم کے لئے مسٹر مالاباری کی سرگرمی

مسٹر مالاباری شروع ہی سے سوشل ریفارم پر آمادہ تھے۔ اور انہوں نے اپنے مضامین ... کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا۔

کہ اگر ہندوستان کے لوگ بام ترقی پر چڑھنے کے خواہاں ہیں۔ تو ان کو ذات پات کے امتیاز اور مذہبی پیشواؤں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مسٹر بالا باری قدامت پسندی کے خلاف تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ لوگ بتوں کی پوجا نہ کریں۔ اور برہمنوں کی قدم بوسی کے لئے انکے سامنے اپنا سر خم نہ کریں۔ چنانچہ مسٹر بالا باری اس قسم کی پرستش اور مذموم رسوم کے خلاف ہمیشہ مضامین لکھتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں سوشل ریفارم کا کام نہایت اوق اور مشکل ہے۔ چنانچہ مہاتما بدھ۔ سری کرشن مہاراج۔ راجہ رام چندر جی اور گورو نانک جی ہمیشہ سوشل ریفارم کے خواہاں رہے۔ مگر انکے مقلدوں میں آج تک ایسی ہی رسوم جاری ہیں جن کے خلاف ان مہان پرشوں نے پرچار کیا تھا۔ ان مشکلات کے باوجود بھی مسٹر بالا باری سوشل اصلاح پر اڑے رہے اور انہوں نے بچپن کی شادی اور عورتوں کو عمر بھر کے لئے بیوہ رکھنے کے خلاف جابجا تقریریں کیں اور کثرت سے مضامین لکھے۔ اور گورنمنٹ سے ہمیشہ درخواست کرتے رہے کہ ایسی رسوم کو قانونی طور پر ہٹایا جائے۔ عورتوں کے رتبہ کو بڑھایا جائے۔ اور انہیں آزادی عطا کیجائے۔ مسٹر بالا باری ہی کے الفاظ میں مسٹر کیشب چندر سین کی تقریروں کی جھلک نمایاں تھی۔ اور وہ ہندوستان کی عورتوں کے مرتبہ کو بڑھانے کے متعلق خاص طور پر کوشاں تھے۔ کیونکہ زمانہ کے سرکردہ لوگوں کی طرح مسٹر بالا باری بھی عورتوں کو ہی اولاد کی اصلاح و فلاح کا موجب جانتے تھے۔ مسٹر بالا باری یہ نہیں کہتے تھے۔ کہ ہر ایک بیوہ عورت کو شادی پر مجبور کیا جائے۔ بلکہ وہ کہتے تھے ہر ایک بیوہ عورت کو دوسری شادی کا اختیار ہو۔ اور اخیر انکی سعی بلیغ سے گورنمنٹ نے عورتوں کی شادی کا قانون پاس کر دیا۔ جس کے رو سے عورتوں کی بچپن کی شادی کے متعلق اصلاح ہو گئی۔

مسٹر مالاباری معلم کی حیثیت میں

مسٹر مالاباری کا عقیدہ تھا۔ کہ ہندوستان کے نوجوانوں کو ایسی قومی تعلیم دیجائے جس کی بدولت وہ اپنی باعزت روزی کمانے کے علاوہ اپنے اخلاق کو درست رکھ سکیں۔ اور اپنے مولا کی عبادت کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ ہندوستان کے نوجوانوں کو اپنی قومی اور ملکی روایات ازبر ہوں۔ کسان کے بچوں کو ابتدا میں ہی کھیتی باڑی کی تعلیم دی جائے۔ اور ہر ایک صوبہ کے لوگ اپنی مادری زبان میں ہی تعلیم حاصل کریں۔ کسانوں کی بہبودی کا انہیں خاص خیال تھا۔ اور وہ چاہتے تھے۔ کہ کسانوں کے بچوں کی تعلیم اس پیمانہ پر ہو۔ جس کی بدولت وہ کھیتی باڑی کے اصول سیکھیں۔ اپنے گھروں کو صاف رکھ سکیں۔ اور پولیس کے سپاہیوں اور تحصیل کے چپراسیوں کا بیجا خوف وخطرا نکے دل سے جاتا رہے۔ مسٹر باری کو یقین تھا کہ مناسب وقت پر ابتدائی تعلیم کو لازمی کر دینا چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی سکولوں کی حالت میں بھی ایسی اصلاح ہو کہ لڑکے خود بخود سکول میں شوق سے جائیں۔ اعلےٰ تعلیم کے متعلق مسٹر مالاباری کا خیال تھا۔ کہ ہندوستان میں بیشمار گریجویٹ ہونے چاہئیں۔ مگر ان کی تعلیم ایسی نہ ہو کہ زندگی کے کاروبار کے ناقابل ہو جائیں۔ طلباء کو مذہبی تعلیم دی جائے۔ اور نصاب اس قدر وسیع نہ ہو کہ طلبا بار بار امتحان میں ناکام رہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے سرمایہ داروں کو روپیہ بطور خیرات دینا چاہیئے۔ اور تعلیم کو ہر دلعزیز مقبول اور وسیع بنانے کے لئے عام لوگوں کو کوشش کرنی چاہیئے۔

مسٹر مالاباری کی پولیٹکل خدمات

مسٹر مالاباری کا یہ مقولہ تھا کہ رحم و انصاف کی بدولت گورنمنٹ رعایا کا اعتماد حاصل کرسکتی ہے۔ اور لوگوں کو پولیٹکل آزادی حاصل کرنے سے پہلے قومی اتحاد کی ضرورت ہے۔ جب وہ نوجوان تھے۔ تو ان ایام میں ہی انہیں انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہونے کا خیال پیدا ہوا۔ اور انہیں یقین تھا۔ کہ کانگرس کی بدولت اہل ہندوستان کی قومی زندگی کو عروج و کمال حاصل ہوگا۔ اور اسکی کوشش سے ہندو مسلمان اور عیسائی آپس میں شیر و شکر ہو جائینگے۔ اور ان میں قومی یگانگت و اتحاد کا عنصر پیدا ہو جائیگا چنانچہ جب کانگرس قائم کی گئی۔ تو وہ اس میں شامل ہو گئے۔ مگر بعض وجوہات کے باعث انہیں کانگرس سے علیحدہ ہونا پڑا۔ مسٹر مالاباری کہا کرتے تھے۔ کہ حکام کو عوام کے نصب العین کے ذہن میں انکی مدد کرنی چاہیئے۔ اور گورنمنٹ کو لوگوں کے خیالات کا مطالعہ ضروری ہے۔ مسٹر مالاباری کی یہ رائے تھی۔ کہ ہندوستان کچھ عرصہ تک سیلف گورنمنٹ کے ناقابل ہے۔ تاہم وہ یہ کہا کرتے تھے۔ کہ گورنمنٹ کو لوگوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرنا چاہیئے۔ چنانچہ منٹو مارلے سکیم میں مسٹر مالاباری نے بھی بہت سی تجاویز پیش کی تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں باد ماغ لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔ اور انکو سرکاری امور کے انتظام اور نظم و نسق میں شریک کرنا موزوں و مناسب ہوگا۔ چنانچہ جب کونسلوں کی توسیع کی گئی۔ اور ہندوستانیوں کو انتظامی کونسل میں شامل کیا گیا۔ تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے۔ مسٹر مالاباری ہندو مسلمانوں کے جداگانہ حلقۂ انتخاب کو پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ انکو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تعصب اور منافرت پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ وہ اتحاد کے ایک زبردست حامی تھے۔

اور کہا کرتے تھے۔ کہ حاکم و محکوم کے درمیان الفت کا رشتہ قائم رہے مسٹر مالا باری
جیدی لیڈروں کے خلاف تھے۔ اور وہ یہ چاہتے تھے۔ کہ قابل اشخاص کو
ہی عوام کی رہنمائی کے لئے میدان ہمت میں قدم رکھنا چاہیے۔ ان کا یہ قول
تھا۔ کہ اینگلو انڈین اخبارات کی پالیسی فیاضانہ ہو۔ اور یہ اخبار بھی حکام
کے روبرو لوگوں کے خیالات کی صحیح ترجمانی کیا کریں۔

مسٹر مالا باری درست نکتہ چینی کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور وہ چاہتے
تھے۔ کہ اخبارات لوگوں کے خیالات میں صحت پیدا کریں۔ اور کسی خاص
نصب العین کی طرف انکی رہنمائی کریں۔ مسٹر مالا باری کہا کرتے تھے۔ کہ
قدرت نے انگلستان اور ہندوستان کو متحد کرنے کے لئے حاکم و محکوم کا
تعلق ان کے درمیان پیدا کیا ہے۔ وہ کسانوں کی بہبودی کے ازحد
خواہاں تھے۔ مسٹر مالا باری ایک با اثر شخص تھے۔ اور پرجا سے راجا تک
تمام ان کا مشورہ لیتے اور انکی بات کو مانتے تھے۔ چنانچہ وہ ریاستوں کے
انتظامی طریقوں میں اصلاح کرنے کے لئے اکثر نوابوں اور راجاؤں کو مشورے
دیتے رہتے تھے۔

مسٹر مالا باری کی وفات

مسٹر مالا باری نوع انسان کے ایک حقیقی ہمدرد تھے۔ اور دوسروں کو تکلیف
سے نجات دینے کے لئے ہمیشہ اپنا مال و زر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ
انہوں نے محتاج لوگوں کی امداد کے لئے بمبئی میں سیوا سدن قائم کر رکھی تھی اور
وہ شروع سے لیکر ۱۹۱۲ء تک اس کام کے بیں ہی مشغول رہے۔ مگر گرما
کے ایام میں شملہ تشریف لے آئے۔ جنرل سر اسمد کریگ کمانڈر انچیف افواج

سنتھینہ ہندوستان مسٹر مالاباری کے ایک خاص دوست تھے۔ اور وہ اکثر ان کے
مکان پر تشریف لایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب مسٹر مالاباری شملہ میں آتے۔ تو اس رات
بھی کمانڈر انچیف موصوف انکی مزاج پرسی کے لیئے آئے۔ مگر آہ! یہ آخری
ملاقات تھی۔ اور مسٹر مالاباری باقویل ہوٹل شملہ میں ناگہانی موت کا شکار ہو گئے
اور انکی وفات حسرتناک کی خبر سے لوگ اسقدر متاثر ہوئے۔ کہ شہنشاہ معظم اور
ملکہ معظمہ نے انکی وفات پر ہمدردی کا تار وائسرائے ہند کو بھیجا۔ اور وائسرائے ہند
اور کمانڈر انچیف کے نمائندوں کے علاوہ کئی سرکردہ ہندوستانی لیڈر
اُن کے جنازے میں شریک ہوئے۔ مہاراجہ صاحب گوالیار وغیرہ نے انکے
لیئے پھولوں کے ہار بھیجے۔ اور ان کو شملہ میں پارسیوں کے قبرستان میں
دیودار کے سربفلک درختوں کے سایہ میں دفن کیا گیا +

ضمیمہ

مسٹر گاندھی اخبار نویس کی حیثیت میں

مسٹر گاندھی آجکل دو اخباروں کی ایڈیٹری کر رہے ہیں۔ ایک "نوجیون" جو گجراتی میں چھپتا ہے۔ دوسرا "ینگ انڈیا" جو انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ ان میں سے اول الذکر کی اشاعت ۱۲ ہزار مگر آخر الذکر کی صرف ۱۲ سو ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستان میں ورنیکولر اخبارات کی مانگ کس قدر ہے اور ان کے لئے کہاں تک میدان ترقی کھلا ہے اپنے ایک تازہ مضمون میں مسٹر گاندھی لکھتے ہیں "مجھے کامل اُمید ہے کہ اخبار نوجیون جلد ہی ۲۰ ہزار سے زیادہ شائع ہونے لگیگا۔ مجھے اِس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ اس اخبار کے ناظرین میں کاشتکاروں اور مزدوروں کی بڑی تعداد ہے۔ حقیقت میں یہی لوگ ہندوستان کی عظمت کی بُنیاد ہیں۔ اِنہی کی اصلاح و ترقی ہندوستان کی قومی بہتری کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ ان کی تعداد ہندوستان بھر کی آزادی کا ۸۰ فیصدی حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ انگریزی اخبارات صرف غیر آبادی کے ساحل تک ہی پہنچ سکتے ہیں"۔

مسٹر گاندھی اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انگریزی کی زبان کے بہترین خیالات کو اہل ملک کے روبرو پیش کرنا ضروری ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ نہیں چاہتے کہ ان بہترین خیالات سے صرف انگریزی جاننے والے

ہی زیادہ حاصل کریں۔ اسی مشورہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سب سے زیادہ
ورنیکولر اخبارات کو ترقی دی جائے۔ درحقیقت جیسا کہ ہم نے بارہا ان
کالموں میں لکھا ہے۔ عام رائے کے ترجمان صرف ورنیکولر اخبارات ہی
ہو سکتے ہیں۔ جنہیں ۹۰ فی صدی لوگ پڑھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اخبارات
کیسری، بسمتی، باری، دو نیون وغیرہ کی غیر معمولی اشاعتوں سے ہو سکتا ہے۔

مسٹر گاندھی کو اخبار "نوجیون" کی ایڈیٹری میں اگرچہ کامیابی حاصل ہوئی
ہے۔ تاہم "ینگ انڈیا" کے حق میں انکی ایڈیٹری چنداں مفید ثابت نہیں
ہوئی۔ کیونکہ اس کی اشاعت صرف ۱۲۰۰ ہے۔ اور مسٹر گاندھی لکھتے ہیں۔
اگر اس کی اشاعت فوراً ہی ۲۵۰۰ نہ ہو گئی۔ تو میں اس کی اشاعت بند کردونگا

مسٹر گاندھی کے عجیب و غریب خیالات کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ
نے اس کے ساتھ اشتہارات قطعی خارج کر دیئے اور آٹھ روپے سالانہ
کی بجائے چار روپیہ سالانہ کر دیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے اشتہارات کو اخبارات
کے حق میں لعنت قرار دیا ہے۔ مگر جس صورت میں اخبار میں اشتہارات
رکھتے ہوئے باوجود اپنی شہرت اور تحریری خدمات کے جو وہ بحیثیت
ایڈیٹر سرانجام دے رہے ہیں وہ اسے کامیاب نہیں بنا سکے۔ پھر باقی
اخبارات ان کی تقلید میں اشتہارات کیونکر اڑا سکتے ہیں۔

مسٹر گاندھی کو ستیہ آگرہ تحریک کے باعث پنجاب میں آنے کی ممانعت
تھی۔ مگر اس حکم کو گورنمنٹ نے بعد ازاں منسوخ کر دیا۔ اور مسٹر گاندھی لاہور
آئے۔ انہوں نے لاہور میں پہنچ کر لاٹ صاحب پنجاب سے ملاقات کی۔
اور یہاں ان کے جلوس نکالے گئے۔

مسٹر گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں اکتوبر کو لاہور کے کثیر التعداد طلبا کو نصیحت کی۔

کہ تعلیم کا منشا صرف سند حاصل کرنا ہی نہیں۔ کیونکہ اس طریق پر صحت اور روپیہ دونوں کا خرچ ہے صنعت و حرفت کا سیکھنا لازمی ہے تاکہ تم آزادی سے اپنی روزی کما سکو۔ ضروریات کو محدود کرنا ایک اچھی بات ہے اور چونکہ ہندوستان کے بچانوے فی صدی لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ اسلئے سب کو چاہیئے کہ زراعتی حالت کو ترقی دی جاسکے۔ طلبا سے یہ بھی کہا کہ تمہیں چاہیئے کہ ہمیشہ بے خوف رہو۔ اور راستی پر عمل کرو ÷

مہاتما گاندھی گوجرانوالہ میں

منگل وار کو گوجرانوالہ میں کسی نہ کسی طرح سے یہ خبر مشہور ہوگئی۔ کہ آج ساڑھے ۱۲ بجے کی ایکسپریس گاڑی پر مہاتما گاندھی رونق افروز گوجرانوالہ ہونگے جس وقت گاڑی گوجرانوالہ کے سٹیشن پر پہنچی۔ اُس وقت ۱۵۰۰۲ ہزار کے درمیان خلقت استقبال کو کھڑی تھی۔ مہاتما موصوف تھرڈ کلاس کی گاڑی پر سوار تھے۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا۔ کہ مہاتما جی کو گاڑی تک لانا مشکل ہو گیا۔ چاروں طرف مہاتما گاندھی جی کی جے کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔ سیفیئہ ملا نوجوانوں نے مہاتما جی کے گرداگرد گھیرا باندھ لیا۔ اور لہو پسینہ ایک کرکے فٹن تک لائے پلیٹ فارم پھولوں سے لالہ زار بن گیا۔ اور فٹن پر پھول برس رہے تھے ÷

اب شام کے پانچ بج چکے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں استریاں مہاتما جی کا منوہر وپاکھیان سننے کے لئے جمع ہوگئی تھیں۔ پورے پانچ بجے شام کو مہاتما جی تشریف لائے۔ عورتوں نے بھی دل کھول کر مہاتما گاندھی کی جے کے نعرے لگائے۔ مہاتما جی نے فرمایا۔ کہ جن مہاتماؤں کے بیٹے۔ استریوں کے خاوند۔ اور بہنوں کے بھائی قید ہوگئے ہیں۔ اُن سے میں اظہار ہمدردی کرتا ہوں پیارا تما

ان لوگوں کو جلد رہائی بخشیگا۔ ہم لوگ جہاں تک ہمارے امکان میں داخل ہے۔ اُن کی رہائی کے لئے کوشش کرینگے ۔

ہندوستان کے سچے معنوں میں ہندوستان آپ مائیں ہی بنائینگی۔ آپ کو لازم ہے کہ ستیہ برت دھارن کرکے اپنے بچوں کو ستیہ سورتی بنا دیں۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ تمام بہنوں کے پاس ولایتی کپڑے ہیں۔ وہ جو اپنے پہننے کے لئے بازار سے کپڑا خریدتی ہیں وہ دان کیا دینگی۔ بہنو ہر ایک گھر میں چرخی ہونی چاہئے۔ اپنا سوت کاتو اور اپنا کپڑا بناؤ۔ اسی میں شوبھا ہوگی ۔

تقریر ختم ہوئی تو چند معزز عورتوں نے کتا ہوا سوت مہاتما جی کی نذر گذرانی جو مہاتما جی نے بخوشی قبول فرمائی۔ اب مہاتما جی سٹیج سے اُترنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر عورتیں پاؤں نہ چھوڑتی تھیں۔ شردھا پریم کا دریا امنڈ رہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے عورتوں نے رستہ دیا۔ اور مہاتما جی اپنے کمرہ میں رونق افروز ہوئے ۔

گجرات کاٹھیاواڑ میں چرخہ کاتنے کے کام میں ترقی

مسٹر گاندھی کو ان دنوں لوگوں سے چرخہ کتوانے اور کپڑے بنوانے کا خیال دامنگیر ہے۔ اور معلوم ہوا ہے کہ انکے اپنے صوبہ میں ان کی یہ تحریک بہت ترقی کر رہی ہے چنانچہ جب سے مسٹر گاندھی دھوہ (جو تا گشم) سے گئے ہیں۔ اس وقت کے بعد یہاں کی عورتوں نے ساڑھے چار من روئی کات لی ہے۔ اور اُن میں چرخہ کاتنے کا شوق دن بدن بڑھ رہا ہے مہلا ودیالہ (زنانہ سکول) میں بھی چرخہ کاتنا سکھایا جاتا ہے۔ اور اعلےٰ جماعتوں میں بھی سینے پرونے

پرونے کے علاوہ کاتنے کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ سیٹھ ساکھر بہرو شا اتفاقیہ روئی اور
چرخے مفت بہم پہنچاتے ہیں ۔ کاتنا سکھانے کے لئے گودھرا میں بھی ایک
جماعت کھولی گئی ہے ۔ سورت میں اعلےٰ طبقہ کی عورتوں کو کاتنے کا بہت شوق
ہوگیا ہے ۔ اور پیٹلاد اور اینوالی کے بورڈنگ ہوس میں طلبا کو تکلی چرخوں
کی بہت ضرورت ہے ۔ ستیاتی دھنگڑی ریسالی اور الی جمنا بائی نے کاتنے
کی جماعتوں کو جاری کر رکھا ہے ۔ اور ستیہ آگرہ آشرم سے ایک من روئی بھیجی
گئی ہے ۔

ضمیمہ

ولایت میں پنڈت تلک وسیع دورہ

اخبار مرہٹہ کے نامہ نگار لنڈن نے اطلاع دی ہے۔ کہ شروع ستمبر میں ہندوستانی لیڈروں نے انگلستان کے ہر حصہ میں تقریریں کیں۔ اور پنڈت تلک برطانیہ کی عام رائے پر اثر ڈالنے کے لئے گلاسگو اور ایڈنبرا کو گئے۔ اس سے اگلے دن جمہوری اقتدار کی انجمن نے ان کا تپاک سے خیر مقدم کر کے اپنی سرپرستی میں ایک جلسہ کر کے انہیں تقریر کے لئے مدعو کیا۔ جلسہ کے پردھان مسٹر رینے میکڈانلڈ نے کہا۔ کہ صرف جلسہ کے ممبر ہی نہیں بلکہ انجمن بھی ہندوستان کی ہمیشہ حمایت کریگی۔ تم انہوں نے ۸ ستمبر کو خود مختار مزدور پارٹی کی سرپرستی میں ایڈنبرا تھیٹر کے اندر حاضرین کے ایک بڑے جلسہ میں ہندوستان کی پولیٹیکل اصلاحات پر تقریر کی۔ شام کے وقت سینٹ اینڈریوز میں مزدوروں کی انجمن کی کانگرس کا اجلاس ہوا۔ اور پنڈت تلک کو وہاں بھی تقریر کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ جس وقت وہ تقریر کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے تو تقریباً ہزار آدمیوں نے انکے اعزاز میں تالیاں بجائیں۔ پنڈت تلک نے کانگرس ڈیپوٹیشن کے مقاصد سے ہمدردی پیدا کرنے کے لئے نہایت موزوں طریق پر اپنی تقریر شروع کی۔ مسز ریمزے میکڈانلڈ نے تقریر کرتے وقت پنڈت تلک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ پنڈت جی ہندوستانیوں کی

آئینی شکایات کا مجسمہ ہیں۔ مسٹر سکیڈ ا ئلڈ نے پنڈت جی کو یقین دلایا کہ مزدوروں کی
انجمن ہندوستان کی ہمیشہ حمایت کریگی۔ گلاسکو کی ہندوستانی انجمن نے اس
رات انگریز ہندوستانی صوبوں کے ہندو اور مسلمانوں کو دعوت دی۔ اور
تمام جماعتوں کے قائمقاموں کو خاص طور پر بلایا گیا۔ وہاں بھی پنڈت تلک نے
ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ اور انکے بعد مسٹر جوشی اور دیگر اشخاص نے تقریریں
کیں۔ پنڈت تلک مزدور عورتوں کے جلسہ میں تقریر کر کے ایڈنبرا کی طرف
چلے گئے۔ جہاں ہندوستانیوں نے "ملول ٹیرس" میں انہیں دعوت دی تھی

ولایت کے مشہور ہندوستانی مضمون نگار سنت نہال سنگھ کا ایک مضمون
اخبار "ہندو" مدراس میں چھپا ہے جس کے دوران میں انہوں نے ان خدمات
کا ذکر تعریفی الفاظ میں کیا ہے۔ جو پنڈت تلک نے ولایت میں سرانجام دیں۔
سنت نہال سنگھ نے اپنے مضمون کے دوران میں لکھا ہے کہ پنڈت تلک اصلاحات
کے سوال پر اپنی پارٹی کے باقی ممبروں کی نسبت زیادہ عملی طور سے غور کرتے رہے ہیں۔
بارہا میری ان سے گفتگو ہوئی ہے جس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ وہ
محض پالیٹکس کے ماہر ہی نہیں۔ بلکہ ایک لائق مدبر ہیں۔ سنت نہال سنگھ نہایت
معتدل خیالات کے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ
مضمون جو انہوں نے پنڈت تلک کی تعریف میں لکھا ہے۔ خاص اہمیت رکھتا ہے*

پنڈت تلک اصل میں ویلنٹائن چرول کے ہتک عزت مقدمہ کے سلسلہ میں ولایت
گئے تھے۔ جس میں وہ ناکام رہے۔ عام خیال یہ ہے۔ کہ اگر یہ مقدمہ پریوی کونسل
کا ہوتا۔ تو وہ ضرور کامیاب ہوتے۔ مگر یہ جیوری کا مقدمہ تھا۔ اور وہ اس میں
ناکام رہے۔ پنڈت تلک نے اس مقدمہ کی زیادہ سرگرمی سے پیروی نہیں کی۔
اور اس سے فارغ ہو کر وہ انگلستان میں ہندوستان کے لوگوں کے خیالات

کی بخوبی ترجمانی کرتے رہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے ولایت کے مزدور طبقہ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیے جس سے آئندہ پولیٹیکل فائدے حاصل ہونگے۔ پہلے ہندوستانی ڈیپوٹیشن برطانیہ کی پبلک سے زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ وہ سرکاری حلقوں میں ہی رہا کرتے تھے۔ مگر اس مرتبہ پنڈت تلک نے کانگرس اور ہوم رول لیگ کے اور ممبروں کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کے خیالات کو پورے طور پر اہل برطانیہ کے گوش گذار کیا۔ اور انہوں نے کانگرس کی برٹش کمیٹی کو از سر نو مرتب کرکے اسے ایک خود مختار جماعت کی صورت میں قائم کیا۔ اگرچہ پنڈت تلک عمر رسیدہ ہوگئے ہیں۔ مگر وہ قومی کام کو ولایت میں نہایت سرگرمی سے کرتے رہے ہیں۔ اور ہر وقت نئے خیال اور نئی تجویز کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ کے لئے ان کی عزت کرتے ہیں ٭

پنڈت تلک کی واپسی پر دھوم دھام کی تیاریاں

پنڈت تلک جو کانگرس ڈیپوٹیشن کے ہمراہ ولایت تشریف لیگئے تھے۔ ۲۷ تاریخ کو بمبئی میں پہنچنے والے تھے۔ انکی واپسی پر غیر معمولی دھوم دھام کی تیاریاں کی گئیں۔ چنانچہ انتظام یہ تھا۔ کہ جس وقت ان کا جہاز بندرگاہ میں پہونچے۔ تو ہوم رول لیگوں۔ بمبئی کی کانگرس کمیٹی۔ بمبئی کی نیشنل ایسوسی ایشن اور باقی سبھاؤں کی طرف سے انکی خدمت میں خوش آمدید کے ایڈریس پیش کئے گئے۔ اسی شام کو مسٹر جوزف بپٹسٹا کی صدارت میں ایک پبلک جلسہ ہوا۔ اگلے روز پنڈت تلک کے اعزاز میں ایک دعوتی جلسہ ہوا۔ اور تیسرے دن بمبئی کے مزدوروں کا ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا گیا۔ بمبئی میں تین دن رہنے کے بعد پنڈت تلک پونا کو تشریف لے گئے ٭

بمبئی میں چند دن قیام کر کے پنڈت تلک اپنے وطن پونا کو تشریف لے گئے جہاں ان کا بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوا۔ جس وقت پنڈت تلک کی ٹرین اسٹیشن پر پہنچی تو لوگوں نے بڑے زور سے ان کی جے کے نعرے بلند کئے۔ اور بعد ازاں ایک جلوس تیار کیا گیا۔ جو تین گھنٹے کے عرصہ میں پنڈت تلک کے مکان تک پہنچا۔ راستہ میں کئی مقامات پر پنڈت تلک کی پان سپاری سے تواضع کی گئی۔ اور شہر کو جا بجا جھنڈیوں اور محرابوں سے آراستہ کیا گیا۔ اسی روز میونسپل کمیٹی کی طرف سے خوش آمدید کا ایک ایڈریس پنڈت تلک کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

پونا میں پنڈت تلک کی واپسی پر انہیں اہل شہر کی طرف سے خوش آمدید کا ایک ایڈریس پیش کرنے کی تجویز ہوئی تھی۔ اس پر ناڈریٹوں میں بےچینی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے آنریبل مسٹر پرانجپی کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد کر کے فیصلہ کیا کہ پنڈت تلک کو سارے اہل شہر کی طرف سے اس قسم کا ایڈریس نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ بہت لوگ ان کی پولیٹیکل اور سوشل سرگرمیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ پنڈت تلک کے پولیٹیکل خیالات سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی ان کے مخالف ان کی حب الوطنی اور ان کے ایثار کے قائل ہیں۔

مگر جب ایک عظیم الشان جلسہ میں جس میں حاضرین کی تعداد ۱۵ ہزار کے قریب تھی۔ پنڈت تلک کو ایڈریس پیش کیا گیا۔ تو کھلے لفظوں میں کہہ دیا گیا۔ جو صاحب اس ایڈریس کے مخالف ہیں۔ وہ میدان میں آکر عملی طور پر مخالفت کریں۔ مگر اس وقت نہ مسٹر پرانجپے کہیں نظر آئے نہ ان کے ساتھی۔ حالانکہ انہیں اس سے پہلے ایک تحریری رقعہ میں شریک جلسہ ہونے کی دعوت بھی دی گئی تھی آخر کار ایک نوجوان لڑکا تقریر کرنے کو کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا میرا اعتراض صرف یہ ہے

کہ پنڈت تلک غیر برہمنوں کے ساتھ ملکر کھانا کھاتے ہیں۔ اس فضول اعتراض کو کسی نے نہ سنا اور بااتفاق رائے سے ایڈریس پیش کرنے کی تجویز پاس ہوئی جلسہ کے پردھان مسٹر آپٹے پردھان پونا ن کمیٹی تھے ۔

پنڈت تلک کا امرتسر میں استقبال

پنڈت تلک بمبئی کے ڈیلیگیٹوں کے ہمراہ جن میں مسٹر جوزف بپٹسٹا اور مسٹر کیلکر وغیرہ شامل تھے۔ بذریعہ سپیشل ٹرین ۲۶ - دسمبر کو بعد دوپہر امرتسر پہنچے۔ ان کا نہایت پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ پلیٹ فارم اور ریلوے سٹیشن کا احاطہ ہزاروں آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پنڈت تلک کو ایک جلوس میں تمام شہر سے گزارا گیا۔ جلوس کے راستوں میں بھی ایک بڑا ہجوم دو رویہ قطاریں باندھ کر کھڑا تھا۔ پنڈت تلک اور پردھان کانگرس کے جلوسوں میں ایک بات خصوصیت سے قابل ذکر تھی۔ کہ پولیس کا ایک آدمی بھی کہیں دکھائی نہ دیتا تھا ۔

کانگرس ڈیلیگیٹوں کے ہمراہ بذریعہ ہوم رول سپیشل ٹرین سورت سے روانہ ہو کر پنڈت تلک کا بھڑوچ میں عظیم الشان استقبال کیا گیا۔ یہاں پر پھل پھول اور چائے سے تمام اصحاب کی تواضع کیگئی تھی ۔

جب سپیشل ٹرین بڑودہ پہنچی۔ تو وہاں بھی پنڈت تلک کا پرجوش استقبال ہوا۔ ایک شاندار شامیانہ نصب کیا گیا تھا۔ جس میں پانچ ہزار آدمیوں نے ایک ایڈریس پنڈت تلک کی خدمت میں پیش کیا۔ اور دیگر مہمانوں کی بہت اعلے پیمانہ پر تواضع کی۔ پنڈت تلک نے ایڈریس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا مجھے یقین ہے۔ کہ اگر یہاں کے لوگ مسلسل تحریک کرتے رہے۔ تو ہندوستان پانچ سال کے عرصہ میں ذمہ وارانہ حکومت کے قابل ہو جائیگا ۔